v.4

Kashmir



شبنم قیوم

Shabnam Qaiyum

کشمیر کا سیاسی انقلاب

جلد چہارم

از ابتدائے اگست ۱۹۵۳ء تا جولائی ۱۹۷۴ء

ایک تاریخ
ایک تحریک
ایک دستاویز

شبنم قیوم

پبلشرز:- کشمیر بک ڈپو۔ سرینگر کشمیر

باراوّل ۱۹۸۹ء

پرنٹرز :- جے ۔ کے آفسیٹ پرنٹرز، جامع مسجد دہلی ۶

قیمت :- پچاس روپے -/50

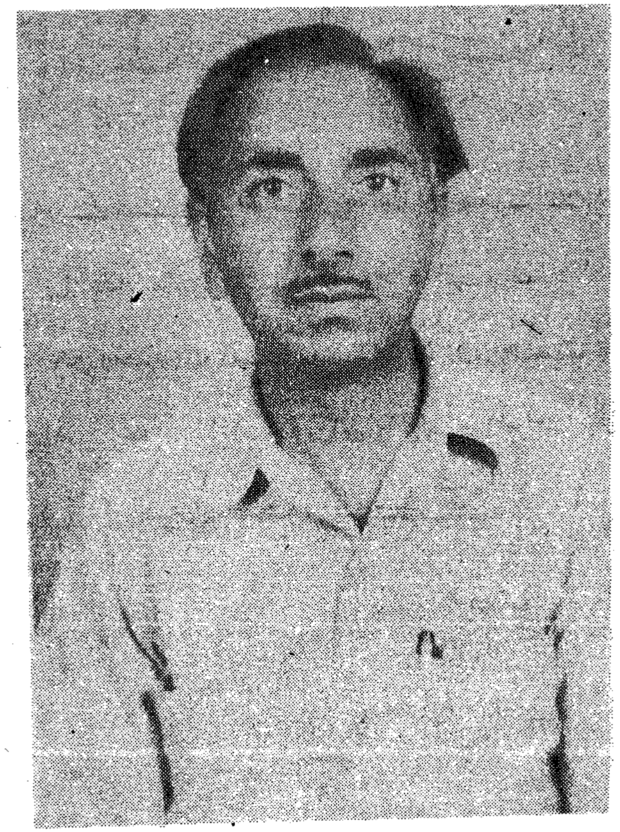
مصنف :- شبنم قیوم ۔ کاشانۂ ادب، بوچھوارہ، ڈل گیٹ۔ سرینگر۔ کشمیر

پبلشرز :- کشمیر بک ڈپو، سرینگر۔ کشمیر

اِنتساب!

کشمیر کے سب سے بڑے رہنما اور سب سے بڑے
حاکم شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے نام!
جو بحیثیتِ سیاستدان اور بحیثیتِ حکمران
ناکام رہے۔ اور اپنی ناکامی کے اثرات برِّ صغیر
ہندوپاک میں چھوڑ کر چلے گئے۔

(شبنم قیوم)



شبنم قیوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

قوموں کی تخلیقات اور میلانات پر اثر ڈالنے والے لیڈروں کے طرزِ عمل پر ڈاکٹر لیبان فرانسیسی نے "جماعت ہائے انسانی کے اصول نفسیہ" میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے ہمیں کشمیر کے سب سے بڑے عوامی لیڈر شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور اُن کی نیشنل کانفرنس کو پہچاننے میں ضرور مدد ملتی ہے۔

"جماعت میں اُن وحشی انسانوں کی طرح جو غور و فکر کی صلاحیت نہیں رکھتے تخیّل آرائی اور وہم پرستی کی قوّت بہت زیادہ ہوتی ہے۔۔۔۔ یہی وجہ کہ کسی واقعہ کے وہ حیثیات جن پر قصّہ اور خرافات کا رنگ زیادہ چڑھا ہوتا ہے، جماعت پر انہی کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔۔۔۔

ہر زمانہ اور ہر قوم کے سیاست داں حتّٰی کہ وہ لوگ بھی جو سب سے زیادہ استبداد پسند ہوتے ہیں اپنی قوموں کی تخلیقات و اعتقادات کا ہمیشہ احترام کرتے ہیں اور ان کے خلاف عمل پیرا ہونے سے گُریز کرتے ہیں ان کے اندیشے میں کبھی بھی یہ بات نہیں آتی کہ وہ ان اعتقادات کو پسِ پشت ڈال کر فرضِ قیادت انجام دیں اور اگر وہ ایسا کریں تو ان کی ساری عزّت خاک میں مل جائے گی!"

بقول ایچ، ایل مانکین "جمہوریت میں سب سے زیادہ مقبول آدمی سب سے زیادہ جمہوری پسند نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ سب سے زیادہ جابر اور ستم گر ہوتا ہے لیکن عام لوگ اس کے جبر و خراج میں خوشی محسوس کرتے ہیں وہ یہ بات پسند کرتے ہیں کہ ایسا

شخص اُن کے اوپر آقا بنا رہے اُن کی قدرتی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے پیچھے سپاہیوں کی طرح مارچ کرتے ہوئے اپنے گھٹنے سخت بنائے رہیں"۔

نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کے بارے میں واقعات نے حقیقت پر سے پردہ اٹھا کر اصل صورت سامنے رکھدی ہے۔ یہ ساری لیڈر شپ ذاتی مفادات کے ٹکراؤ مختلف النظریاتی لبادوں میں یا مسئلۂ کشمیر کے تناؤ میں عوام کو مغالطے میں مبتلا کر کے اپنے آپ کو ذاتی مفادات سے بالاتر ثابت کرنے کی تگ ودو میں رہی اور حقیقت سے برعکس کام کرتی رہی۔ ہمیں یہ ماننا چاہیے کہ نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ صرف کشمیر کے متنازعہ حیثیت کے مختلف رُولوں میں تناؤ اور ٹکراؤ میں زندہ ہے، یہ لوگ اقتدار میں پناہ لے کر ہم پر مسلّط رہے ہیں۔ پھر آج پُرانی شراب نئی بوتلوں میں پیش کر کے تناؤ کی آبیاری کر رہے ہیں۔

شیخ محمد عبداللہ جنہیں کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، پاکستانی لبادہ بیچ کر ہندوستانی لبادے کا بھرپور معاوضہ حاصل کر چکا ہے۔ اور بحیثیت سیاستداں وحکمراں برصغیر ہندو پاک میں ایسا بیج بو دیا گیا ہے جو تناور درخت بن کر ایسا پھل دے رہا ہے جس کا نام خون آگ اور دھواں ہے۔

مسئلۂ کشمیر کے بارے میں مہاتما گاندھی نے کہا تھا "کشمیر کو بزورِ طاقت اپنے ساتھ رکھنا گھاس کے ڈھیر کے پاس آگ رکھنے کے برابر ہے۔ ذرا سی ہوا چلی کہ گھاس کا سارا ڈھیر بھسم ہو سکتا ہے"۔

شیخ محمد عبداللہ نے میدان سیاست میں اتر کر دُنیا کو مسئلۂ کشمیر دیا اور مسئلۂ کشمیر نے برصغیر ہندو پاک کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔ دشمن نے ایک دوسرے پر وار کیا۔ تین جنگوں کے دوران دونوں طرف کے ہزاروں لوگ جان بحق ہوئے اربوں روپے کا نقصان ہوا۔ ہندوستان نے پاکستان کے دو ٹکڑے کر دیئے اور پاکستان نے ہندوستان میں "خالصتان" کا ناسور بھر دیا۔

برصغیر ہندو پاک میں آئے دن جو خون خرابہ ہو رہا ہے۔ عوام کے ساتھ حاکم اور لیڈر قتل کیے جا رہے ہیں۔ اس کا منبع "مسئلہ کشمیر" ہے جو دونوں ملکوں کے درمیان باعثِ نزاع بن کر آئے دن تباہی و بربادی کے آثار نمایاں کر رہا ہے۔ جیسا کہ صاف ظاہر ہے۔ مسئلہ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کا پیدا کردہ ہے۔ مسئلہ کشمیر نہ ہوتا تو بھارت اور پاکستان

ایک دوسرے کے دوست ہوتے۔

شیخ محمد عبداللہ نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اگر ہم بھارت اور پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کریں گے تو اس سے تنازعہ کھڑا ہوگا اور یہ تنازعہ خطرناک اور سنگین صورت اختیار کر سکے گا۔

اس قسم کی سوچ رکھنے والا ہی جب تنازعہ کو جنم دے تو کیا کہا جا سکتا ہے؟ اس سے صاف ظاہر ہے انھوں نے جان بوجھ کر ایسا قدم اٹھایا ہے جس کے نتائج سے برّصغیر کے کروڑوں عوام دوچار ہیں۔

شیخ عبداللہ کے کارن برصغیر ہندو پاک کے عوام یقیناً سنگیں صورت حال کا سامنا کر رہے ہیں۔ وہ لوگ مجھے معاف کریں جو یہ سمجھتے ہیں مسئلہ کشمیر حل ہو چکا ہے اگر مسئلہ کشمیر حل ہو گیا ہوتا تو بھارت اور پاکستان کے درمیان کرکٹ میچ اور ہاکی میچ کے دوران وادی کی مسلم اکثریت پاکستانی نہیں بن جاتی۔ پاکستان میں کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہو تو وادی کشمیر کی مسلم اکثریت کھلّم کھُلاّ اس کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرتی ہے، پاکستان میں بھٹّو صاحب کو پھانسی لگے تو کشمیری گولیوں کے شکار ہوتے ہیں، ملٹری امینیشن ڈپو میں آگ لگے تو کشمیری اپنی جان کے ساتھ کھیلتے ہیں جنرل ضیاء الحق حادثہ کا شکار ہو جائیں تو کشمیری پاکستانی بن جاتے ہیں۔ ان حالات کو جو نظر انداز کرتا ہے وہ حقیقت سے منہ موڑتا ہے۔

"مسئلہ کشمیر" برصغیر ہندو پاک کو شیخ محمد عبداللہ کی ایک ایسی دین ہے جس نے دونوں ممالک کے لیے مصائب پیدا کر دیئے۔ کشمیری عوام کو انھوں نے ایسے دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے جہاں پر وہ ایک پیدا کردہ تنازعہ کو دیکھ کر احتجاج کرتے ہیں، گولیاں کھاتے ہیں گولیاں داغتے ہیں اور دھماکے بھی کرتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء سے اب تک جب سے ملک آزاد ہوا کشمیری عوام گولہ بارود کی صورت میں وہ پھل کھا رہے ہیں جو پھل انھیں شیخ محمد عبداللہ کا لگایا ہوا پیڑ دے رہا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ ایسا پیڑ لگانے میں عوام نے ان کا ہاتھ بٹایا اور اُن کا بھرپور ساتھ دیا۔

شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں اس قسم کے خیالات تحریر کرنے سے ہو سکتا ہے ان کے رشتے دار، ان کے لواحقین، ان کے معتقدین اور ان کے حمایتی ناراض ہو جائیں لیکن :-

دستور پرانا ہے اس شہرِ تمنّا کا
جس شخص نے سچ بولا اس شخص کی موت آئی

ہوسکتا ہے شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں اس قسم کی رائے رکھنے پر بعض لوگ معترض ہوں۔ان کے لیے میرا جواب وہی ہے جو اس سلسلے میں مرحوم شمیم احمد شمیم نے معترضین کو یوں دیا تھا :۔

"یہ بالکل صحیح ھے کہ میں شیخ صاحب کو کشمیری عوام کی نجات، اُن کے مستقبل اور اُن کی تاریخ کی بہت بڑی علامت قرار دیتا آیا ھوں یہ بات میں اُس وقت بھی کہتا رھا ھوں کہ جب شیخ صاحب کے ساتھ نہ میرے ذاتی تعلقات تھے اور نہ ان کے سیاسی نظریات سے کوئی ھم آھنگی، یہ بات میں اِس وقت بھی کہہ رھا ھوں جب اُن سے شدید سیاسی اختلافات کے علاوہ اُن کے ساتھ میرے ذاتی تعلقات میں بھی خاصی تلخی پیدا ھوگئی ھے ۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ھے کہ شیخ صاحب ھماری جدّوجہدِ آزادی کا عنوان ھماری اُمنگوں کے ترجمان اور ھماری انفرادیت کی ایک بہت بڑی علامت رھے ھیں ان کے قدوقامت اور ان کی تاریخی اھمیّت کا اس صدی میں کشمیر میں نہ کوئی لیڈر پیدا ھوا ھے اور نہ ھوگا لیکن اس بات کا آپ کے پاس اور میرے پاس کیا جواب ھے کہ شیخ صاحب اپنے اس عظیم اور تاریخی منصب کے ساتھ انصاف کرنے کی بجائے چند حقیر مفادات کی خاطر اسے خاک میں ملا رھے ھیں اور اس کا ثبوت یہ ھے کہ وزیرِ اعلیٰ ھونے کے بعد سے وہ وھی کچھ کر رھے ھیں جو اُن کے پیشرو کرتے آئے ھیں اور جس کے خلاف وہ چالیس سال سے جدوجھد کرتے آئے ھیں۔ کیا صرف اس لئے کہ وہ ھماری تاریخ کا عنوان اور ھماری تحریک کے سب سے بڑے علمبردار ھیں۔

ان پر یہ ذمّے داری عائد نہیں ھوگی کہ اقتدار سنبھالنے کے بعد وہ ایسی روایات اور مثالیں قایم کریں جس سے آئندہ آنے والی نسلوں کو روشنی مل سکے، اس کے برعکس اگر وہ کُنبہ پروری، اقربا نوازی، سیاسی کرپشن، اخلاقی بے راہ روی اور انتظامی بدعنوانیوں کا پُرانا ریکارڈ توڑ کر ایک نیا ریکارڈ قایم کرنے کی کوشش کریں تو کیا ھم صرف اس لیے خاموش رھیں گے کہ وہ ھماری تاریخ کا عنوان اور ھماری عزّت وآبرو کی علامت ھیں؟

اقتدار کی چکاچوند نے شیخ صاحب کی آنکھوں کو اس درجہ خیرہ اور اُن کے تاریخی شعور کو اس درجہ مضمحل بنا دیا ھے کہ وہ غیر شعوری طور پر عظمت کی بلندیوں سے اپنی بدنامی کی پستیوں کی جانب لڑھکتے جا رھے ھیں۔ میں نے اسے صرف شیخ صاحب کا ھی نہیں بلکہ پورے ملک کا المیہ قرار دیا ھے۔ مجھے اپنا یہ خیال دُھرانے میں کوئی تکلّف یا تردّد نہیں کہ شیخ صاحب جیسی شخصیت صدیوں میں پیدا ھوجاتی ھیں۔لیکن مجھے اس خیال کے اظہار سے نہ روکیے کہ جن حقیر مفادات اور مقاصد کے لیے شیخ صاحب اپنی عظمت اور انکے خاندان کے لوگ ان کی ذات کا استعمال اور استحصال کر رھے ھیں دُنیا کی تاریخ میں اس کی دوسری مثال ملنا مشکل ھے بنیادی بات یہ نہیں کہ میں شیخ صاحب کی ذات کے خلاف ھوں یا اس کے حق میں بنیادی بات یہ ھے کہ میں ان اصولوں کا ھمنوا ھوں یا نہیں کہ جو شیخ صاحب کی ذات سے منسوب اور ان کی سیاست کی بنیاد تھے۔ میرا دعویٰ ھے کہ فروری ۱۹۷۵ء میں اقتدار سنبھالنے کے بعد سے شیخ صاحب نے اپنے عمل، طرزِ عمل اور کردار سے یہ ثابت کر دیا کہ اصولوں،

آدرشوں اور کسی نصب العین سے وابستگی محض ان کی اداکاری
اور ہماری نظر کا فریب تھا۔ اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے
کہ اس تکلیف دہ انکشاف کے بعد بھی میں ان کی ذات پر
اس لیے ایمان اور اعتقاد برقرار رکھوں کہ میں نے کبھی
انہیں اپنی عقیدت کا مرکز بنایا تھا۔"

پچھلے چالیس برسوں میں یہاں جس کسی نے بھی سیاست کے گندے تالاب میں ہاتھ دھوئے اس کا دامن داغدار اور اس کی قبا تار تار ہوگئی۔ اقتدار سے وابستہ یا اقتدار کی تلاش میں بھٹکنے والوں نے تہذیب شرافت، اخلاق اور مروّت کی قدروں کو پامال کر کے ایک نئے ضابطۂ اخلاق کو جنم دیا، اس ضابطے کی رو سے اقتدار سے بہرحال وابستہ رہنا دانشمندی اور دانشوری کی سب سے بڑی علامت سمجھا گیا۔

ذرا اپنی عقل اور شعور کو دیکھیں اور پرکھیں، ہوسکتا ہے آپ کی یادداشت کچھ کمزور ہو اس لیے میں زیادہ دور نہیں جاؤں گا۔

آپ نے عقیدت میں اندھے ہو کر یا کسی ذاتی مفاد کی خاطر جس رہنما کی ہر غلط اور صحیح بات پر آمنّا صدّقنا کہا جنوری ۱۹۷۵ء میں ان کا سیاسی موقف یہ تھا کہ رائے شماری اور حقِ خود ارادیت کے بغیر کشمیر کے مستقبل کا کوئی پائیدار حل ممکن ہی نہیں۔ فروری ۱۹۷۵ء میں یہ طے ہوا کہ کشمیر کے الحاق کا مسئلہ حل طلب نہیں صرف اندرونی خودمختاری کی مقدار زیرِ بحث ہے۔ چند روز کے بعد اندرونی خودمختاری کا ذکر بھی نامناسب سمجھا گیا۔ فروری ۱۹۷۵ء سے پہلے پاکستان مسئلہ کشمیر کا ایک فریق تھا اور فروری آتے ہی پاکستان فریق کی حیثیت سے اس کا وجود ختم ہوگیا۔

اس طرح بنیادی نظریات، مقاصد، اصولوں، آدرشوں اور قدروں سے غدّاری کا الزام جو اُن پر عائد ہوسکتا ہے، اس سے مصلحت، مفاد یا عقیدت آنکھیں چرا سکتی ہے۔ لیکن غیرت اور شعور نہیں۔

میرا ہرگز یہ موقف نہیں کہ انسان کبھی اپنے سیاسی عقائد نظریات، مقاصد اور نصب العین میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔ بلکہ سیاسی تحریکیں اور انسانی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ جب تاریخ کے کسی اہم موڑ پر سیاسی لیڈروں اور دانشوروں کو اپنے

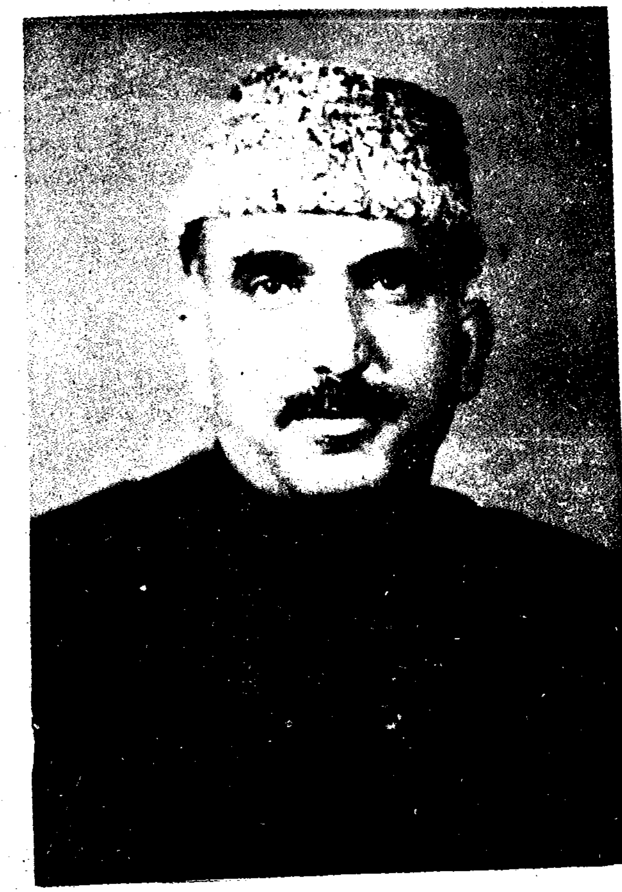
عقاید، نظریات اور مقاصد میں تحریف کرنا پڑی۔ لیکن یہ تحریف یا تبدیلی اگر ذاتی مفادات اور خاندانی تحفظات کی پیداوار ہو تو یہ قوم کے حق میں لعنت اور اگر اس کا محرک کوئی نیک جذبہ کوئی اعلیٰ تر مقصد ہو تو پھر یہ یقیناً قوم کے لیے رحمت ثابت ہوگی۔

۱۹۵۳ء میں شیخ صاحب کا اپنے موقف سے منحرف ہونے اور ۱۹۷۵ء میں اپنے پرانے موقف کی طرف لوٹنے کے عمل کا تنقیدی اور تاریخی جائزہ لیجیے تو آپ کو اندازہ ہوگا محض شیخ صاحب کے غرور اور ذوقِ خودنمائی کی آسودگی کے لیے اس بدقسمت قوم کو کتنی مصیبتیں اور زحمتیں برداشت کرنا پڑی ہیں۔

اقتدار سے وابستہ افراد نے تہذیب، شرافت، اخلاق اور مروّت کی قدروں کو پامال کر کے ایک نئے ضابطۂ اخلاق کو جنم دیا ہے اور آج کشمیری قوم کی حالت یہ ہے۔

عزّت ہے نہ غیرت ہے صولت ہے نہ صوابت ہے
اب تو ہی بتا بھائی کیا چیز سلامت ہے
کشمیر کے لوگوں پر یہ کس کی عنایت ہے
کشمیر میں رہنے کی مشروط اجازت ہے

شبنم قیوم



وزیر اعظم بخشی غلام محمد

باب (۱)

بخشی غلام محمد کا دورِ حکومت

شیخ محمد عبداللہ اور کشمیر سازش کیس

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

جز :

صفحہ نمبر

کیا خبر تھی اتنی بڑھ جائے گی وسعت رات کی
اور دن کا تنگ ہم پر دائرہ ہو جائے گا

حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کیلئے بخشی غلام محمدؐ کا انتخاب

مرکز کی طرف سے شیخ محمد عبد اللہ کو معزول اور گرفتار کرنے کا پلان بنانے کے ساتھ بخشی غلام محمد کو وزیر اعظم مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا، اس عہدے کے لیے پہلے خواجہ غلام محمد صادق کا نام تجویز ہوا تھا۔ لیکن صادق صاحب کی نرم روی اور شورش کو سختی کے ساتھ دبانے میں ان کے مزاج کو ملحوظِ خاطر رکھ کر قرعۂ فال بخشی غلام محمد پر پڑا۔ صادق صاحب کا بھی یہی مشورہ تھا کہ اس مرحلے پہ وزیر اعظم کے عہدے کے لیے بخشی غلام محمد ہی موزوں ہیں۔

وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے جن وزرار کو اپنی کابینہ میں شامل کیا ان میں خواجہ غلام محمد صادق، ڈی، پی در، گردھاری لال ڈوگرہ، سیّد میر قاسم، شیام لال صرّاف دینا ناتھ مہاجن، اسد اللہ میر۔ چونّی لال کوتوال، غلام نبی وانی سوگامی، بھگت چھجو رام غلام محمد میر راجپوری، بعد میں ان میں عبد الغنی ترالی اور خواجہ شمس الدین کو بھی شامل کیا گیا۔

وزیر اعظم کا عہدہ سنبھال کر بخشی غلام محمد نے شورش کو دبانے کے لیے مسٹری، ڈی، پی در کو مکمل اختیارات دیئے، انھوں نے آئی، جی، پی مسٹر مہرہ سے فسادات کو روکنے کا پلان ترتیب دیا۔ بخشی صاحب کا عہدہ ڈی، پی در کی حکمتِ عملی اور مسٹر مہرہ کا پلان پبلک کے ایجی ٹیشن کے آگے بے بس ہو گیا تو شورش کو دبانے کے لیے طاقت کا استعمال

کیا گیا، سرکاری ترجمان کے **مطابق وادی بھر میں پولیس** فائرنگ سے ساٹھ اشخاص ہلاک ہو گئے محاذِ رائے شماری نے **مرنے والوں کی تعداد ایک** ہزار سے بھی زائد بتائی۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ **بیشتر لاشوں کو پولیس** اپنی تحویل میں دفنا گئی۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ جیلوں میں بھر دیئے گئے۔

آئین ساز اسمبلی کے **درجن بھر ممبران کے علاوہ** گزیٹڈ اور نان گزیٹڈ آفیسر اور ملازم ٹاؤن ایریا **کمیٹیوں اور میونسپلٹی** کے ممبران بھی نظر بند کیے گئے۔ وکلا، تاجر، صحافی اور قومی تحریک کے **لیڈر بھی پکڑے گئے**۔ گرفتار شدگان میں شیخ محمد عبد اللہ اور مرزا محمد افضل بیگ کے علاوہ صوفی **محمد اکبر، ڈائریکٹر جنرل** دیہات سدھار پنڈت کیشپ بندھو، کنٹرولر سول سپلائز غلام **محمد شاہ، رجسٹرار کشمیر** یونیورسٹی، غلام احمد عشائی، کسٹوڈین جنرل غلام محمد چکن، رجسٹرار کوآپریٹو **سوسائٹیز غلام** قادر بیگ، ڈائریکٹر انفارمیشن جانکی ناتھ زتشی، چیف انفارمیشن **آفیسر بلدیو پرشاد** شرما، الیکٹریکل انجینئر غلام مرتضیٰ ایڈمنسٹریٹر میونسپلٹی پنڈت **شیام لال واتھ** اور جانکی ناتھ گکرو قابلِ ذکر ہیں۔

ڈی پی در کی قیادت **میں پولیس** نے شیخ محمد عبد اللہ کی کوٹھی کی تلاشی لی اور یہاں سے اہم خطوط دستاویزات اور دوسرا اہم مواد حاصل کر لیا گیا۔

دورانِ تلاشی پولیس نے یہاں نقدی اور سونے پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ ڈی، پی در نے ان خطوط اور دستاویزات میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لیے۔ کچھ وزیر اعظم بخشی غلام محمد کے سپرد کیے اور جو مرکزی سرکار کے لیے کارآمد تھے، وہاں بھیج دیئے ان خطوط اور دستاویزات کے طفیل ڈی، پی در نے وقتاً فوقتاً شیخ محمد عبد اللہ کو بلیک میل کیا۔ ان سے بے شمار مراعات بھی حاصل کیں۔

شیخ محمد عبد اللہ کی برطرفی اور گرفتاری سے جو وادی بھر میں ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کو روکنے اور فسادات کو کچلنے کے لیے بخشی غلام محمد نے طاقت کا بے جا استعمال کیا۔

فسادات کے ایک ماہ تک حکومت کی طرف سے اُسے روکنے کی جو بھی حکمتِ عملی اپنائی گئی وہ ایک طرح سے ناکام ہو گئی۔

ملٹری اور پولیس کے ہاتھوں کشمیری عوام کا قافیہ تنگ کیا گیا اور قیدیوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔ قتل و غارتگری کی ایسی دہشت بٹھا دی گئی کہ لوگ کانپ اُٹھے

بخشی غلام محمد نے بیکار نوجوانوں کی پیس بریگیڈ فورس قائم کر کے ان سے نہ صرف مخبری کا کام لیا بلکہ مخالفین کو دبانے میں یہ بریگیڈ بھی استعمال میں لائی گئی۔

شیخ عبد اللہ کے حامیوں کو چن چن کر پکڑا گیا اور غلام قادر گاندربلی سے ان کا کچومر نکلوا دیا گیا۔ بخشی غلام محمد نے فسادات کو دبانے کے لیے بیک وقت سختی اور نرمی سے کام لیا۔ سختی کے لیے انھوں نے سخت ترین اقدامات کیے اور نرمی کے طور پر انھوں نے نقد و جنس اور نوکریاں فراہم کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ لوگوں کی ان کے تئیں ناراضگی کو ایک طرف رکھ کر دیکھا جائے تو بخشی غلام محمد بحیثیت وزیر اعظم اور بحیثیت ایڈمنسٹریٹر کامیاب رہے۔

۹ راگست کو اُنہوں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اکتوبر میں انھوں نے اسمبلی کا خصوصی اجلاس طلب کیا، ۷۵ ممبران میں سے ۶۰ ممبران اجلاس میں شامل ہوئے، اسمبلی کے بارہ ممبران نے ایک میمورنڈم کا مسودہ تیار کیا جس کو اسمبلی میں پیش کیا جانا تھا میمورنڈم میں صدر ریاست کی شیخ عبد اللہ کی حکومت برطرف کرنے کی کارروائی کی جوازیت پر اعتراض کیا گیا تھا جب بخشی صاحب کو ۱۲ ممبران اسمبلی کے میمورنڈم کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے آدمیوں کے ذریعے اس کے خطرناک نتائج سے انہیں آگاہ کیا۔ چنانچہ یہ میمورنڈم اسمبلی میں پیش نہ ہو سکا۔ البتہ عبد الغنی گونی کی سرکردگی میں چار ممبران اسمبلی نے ایک تحریکِ التوا پیش کی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ شیخ محمد عبد اللہ



(کرن سنگھ)

اور مرزا افضل بیگ کو اسمبلی میں حاضر ہو کر اپنی پوزیشن واضح کرنے کا موقع دیا جائے اسمبلی کے اسپیکر خواجہ غلام محمد صادق نے تحریکِ التوا کو مسترد کیا۔ دوسرے روز یہ چاروں ممبرانِ اسمبلی جیل میں تھے۔ ان میں پیر مقبول ویلگامی کو قید کرنے کے بجائے ان سے زبردستی استعفیٰ حاصل کر لیا گیا۔

بخشی غلام محمد نے تحریکِ حریت میں اُس وقت قدم رکھا جب جولائی ۱۹۳۱ء کا سانحہ پیش آیا۔ ان کے دل میں جہاں نرمی اور حلیمی تھی وہاں وہ چالاک اور شاطر بھی تھے۔ وہ بیک وقت نرم دل، انصاف پسند، فتنہ پرور اور پالیسی باز تھے، وہ دوستی پر

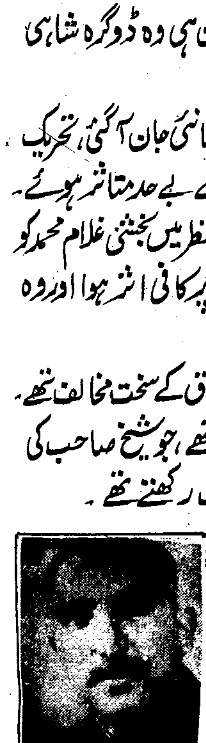
مرمٹنے بھی تھے اور دشمنی پر اتر آتے تو کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

دوسرے ہمعصروں کے مقابلے میں وہ کم پڑھے لکھے ہونے کے باوجود ایسے منصوبہ ساز تھے جن کے آگے بڑے بڑے تعلیم یافتہ سیاست داں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔

بخشی غلام محمد ایک غریب گھرانے کے فرد تھے انھوں نے اپنا بچپن سخت لاچاری اور غربت میں گزارا مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ روزگار کی تلاش میں نکلے تو انھیں مسلمان ہونے کے ناطے سخت مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، تنگ آکر انھوں نے اپنے آپ کو کرسچین بتایا تو انھیں ٹیچر کی آسامی مل گئی، انہیں وادی سے باہر لداخ جیسے دور دراز علاقے میں بھیجدیا گیا۔ لداخ جاکر جب انھیں لینے کے دینے پڑے تو وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور یہاں در در کی خاک چھاننے کے بعد کھدر بھنڈار میں عارضی ملازمت اختیار کرلی۔ کھدر بھنڈار کی ملازمت کے دوران ہی وہ ڈوگرہ شاہی کے خلاف تحریک میں شامل ہوگئے۔

بخشی غلام محمد کے تحریک میں شامل ہونے سے اس میں یقیناً نئی جان آگئی، تحریک کے رہنما ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔ شیخ محمد عبداللہ ان کی کارکردگی سے بے حد متاثر ہوئے۔ چنانچہ جب شیخ صاحب وزیر اعظم مقرر ہوئے تو انھوں نے پہلی ہی نظر میں بخشی غلام محمد کو اپنا نائب مقرر کیا۔ شیخ صاحب کی اس نظرِ عنایت کا بخشی غلام محمد پر کافی اثر ہوا اور وہ ان پر ایک طرح سے ایمان بھی لایا۔

یہ بخشی غلام محمد ہی تھے جو شیخ صاحب کے بھارت کے ساتھ الحاق کے سخت مخالف تھے۔ جو مسئلۂ کشمیر کے بارے میں شیخ عبداللہ کے ساتھ اختلاف رکھتے تھے، جو شیخ صاحب کی من مانیوں پر بیزار تھے، اور ان کی پالیسی کے ساتھ شدید اختلاف رکھتے تھے۔


(بخشی غلام محمد)

شیخ عبداللہ کی گرفتاری پر بخشی غلام محمد کے وزیر اعظم بننے پر پاکستانی حکومت کے ترجمان نے جو بیان جاری کیا۔ اس میں کہا گیا:۔

"بخشی غلام محمد نے کس بوتے پر کشمیر کی وزارتِ عظمیٰ کو قبول کیا؟ ایک زمانہ تھا جب یہی بخشی غلام محمد ہندو قومیت کو کوسا کرتے تھے انہیں انڈین کانگریس سے ہزاروں گلے تھے، کانگریس کی پالیسی کے ساتھ اختلافات

کے کارن سردار پٹیل انھیں منہ نہیں لگاتے تھے، آچاریہ کرپلانی کی ہری سنگھ کے ساتھ ساز باز کی انھوں نے سخت نکتہ چینی کی تھی۔ شیخ عبداللہ اور کانگریس کی ملی بھگت پر بخشی غلام محمد جلے بھنے پھرتے تھے، آج انہی بخشی غلام محمد نے اپنا منہ کالا کیا؟"

اس میں کوئی شک نہیں بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کے بارے میں بخشی غلام محمد کے شیخ صاحب کے ساتھ بڑے اختلافات تھے، وہ ریاست کو یا تو پاکستان کے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے نہیں تو اسے آزاد اور خود مختار رکھنا چاہتے تھے۔

کوئیٹ کشمیر سے قبل جب کانگریس شیخ صاحب کو ڈوگرہ راج میں وزیر اعظم بنانے کا پلان بنا رہے تھے اور اس کے لیے آچاریہ کرپلانی مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ رابطہ رکھے ہوئے تھے، تو یہ بخشی غلام محمد ہی تھے جنہوں نے اس سازش کے خلاف احتجاج کیا اور اقتدار کی خاطر تحریک کے ساتھ غداری کرنے کا شیخ عبداللہ پر الزام لگایا۔

ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنے کے بجائے جب شیخ عبداللہ نے الحاق کے بارے میں بھارت کے ساتھ سازش کی تو وہ ان سے انتقام لینے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔ اس کا انھوں نے خود اعتراف کیا ہے۔

بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق لائے اینڈرسن اور ڈکسن پلان کی ناکامی کا ذمہ دار شیخ عبداللہ کو ٹھہرا کر ان پر کشمیر کاز کے ساتھ غداری کرنے کا الزام لگا چکے تھے اختلافات کے باوجود ان دونوں لیڈروں نے شیخ عبداللہ کی وزارت میں شامل ہو کر مفاد پرستی اور موقع پرستی کی مثال ضرور پیش کی۔

البتہ اپنی صفائی میں انھوں نے یہ دلیل دی کہ کشمیری عوام شیخ عبداللہ پر اعتماد رکھ کر ان کی ہر بات کو صحیح مان کر اس کی تائید کرتے تھے اور دوسرے لیڈروں کی بات پر کم ہی اعتبار کرتے تھے۔

پرانے اختلافات ہونے کے بعد جب شیخ صاحب بحیثیت وزیر اعظم آئے دن من مانیاں کرنے لگے تو بخشی اور صادق کے ساتھ دوسرے وزرا بھی ان کے کھلے بندوں مخالفت کرنے لگے۔ کسی وقت تک ان کے کسی بھی صحیح یا غلط فیصلے پر آمنّا و صدقنا تو کیا گیا، لیکن جب شیخ صاحب کیبنٹ کے دیگر ارکان کو خاطر میں نہ لائے تو انھیں شدید مزاحمت کا سامنا

کرنا پڑا، اور پھر وہ وقت بھی آیا جب ان کے حکم کی عدولی کی جانے لگی۔

ایک طرف ریاستی کابینہ ان کے طریقۂ کار سے ناراض تھی، دوسری طرف مرکزی سرکار ان سے چھٹکارا پانے کے اقدامات کرنے لگی۔

شیخ محمد عبداللہ کا متبادل بخشی غلام محمد کو مقرر کرکے وہ پلان روبہ عمل لایا گیا جس کی چند مہینوں سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔

بخشی غلام محمد کا دور کشمیر کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اپنی حکمرانی کو برقرار رکھنے کے لیے انھوں نے جہاں ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ ڈالے وہاں ریاست کی اقتصادی طور پر کایا ہی پلٹ دی ان کے دور کی تعمیر و ترقی اور خوش حالی سے ان کے دشمن بھی انکار نہیں کرسکتے اگر کشمیری عوام شیخ محمد عبداللہ کو فرشتہ اور بخشی غلام محمد کو شیطان سمجھنے کی غلطی نہ کرتے تو بخشی غلام محمد کی ساری توجہ ریاست کی تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود کی طرف لگ جاتی لیکن اُن کا بیشتر وقت فتنہ فسادات کو دبانے اور فسادیوں کو زیر کرنے میں صرف ہوا، اس کے باوجود بھی تعمیر و ترقی میں انھوں نے کوئی غفلت نہیں برتی۔

بخشی وزارت کے دور میں ریاست میں پہلی بار میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج کی بنیادیں پڑیں۔ تعلیم کو پرائمری سے یونیورسٹی کی سطح تک مفت بنایا گیا، بہت ساری تعمیرات میں نیو سکریٹریٹ، ٹورسٹ ریسپشن سینٹر، اسٹیڈیم، ٹیگور ہال قابلِ ذکر ہیں۔ سرینگر کے ساتھ ساتھ انھوں نے جموں شہر کو کافی وسعت دی، سڑکوں کو نہ صرف کشادہ کیا گیا بلکہ کئی نئی سڑکیں بھی بنوائی گئیں۔ گلی کوچوں کی مرمت کا بیڑا اٹھایا گیا۔ جموں میں سکریٹریٹ اور اسمبلی ہال کی شاندار عمارتیں بنوائیں۔ کشمیری ملازمین کے لیے دربار مو کے دوران رہائش کے لیے بلڈنگیں بنوائیں، ریاست میں سڑکوں کا جال بچھانے کے ساتھ ساتھ کئی اہم پل بھی بنوائے، کشمیر یونیورسٹی اور ایک رہائشی دانشگاہ بنائی۔ جموں شہر میں گاندھی نگر اور سرینگر میں جواہر نگر کو بسایا گیا۔

بخشی غلام محمد کا دورِ حکومت جہاں ریاست کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی کا دور تھا وہاں یہ دور ایسے گھناؤنے واقعات کو بھی جنم دے گیا جو دوررس نتائج کے حامل ہیں۔

بخشی غلام محمد کی پیداوار نائے گاڑے، کارے اور صوفے وغیرہ بدنام زمانہ نہیں ہوتے تو بخشی کے دورِ حکومت پر غنڈہ گردی، لوٹ کھسوٹ اور کنبہ پروری کے

اتنے الزامات نہیں لگ جاتے جتنے کہ ان پر لگ سے۔

بخشی خاندان کے بعض افراد کے ساتھ کئی گنے چنے ان کے ساتھی اگر لوٹ گھسوٹ اور بدکاری میں ملوث نہ ہو جاتے تو اس دور پر وہ کالک نہ لگتی جس نے اسے بدنامی کی فہرست میں شامل کر دیا۔

بخشی غلام محمد کے دورِ حکومت میں بہت سارے لوگ غریبی کی سطح سے اوپر اٹھ گئے اور بے شمار بیروزگاروں کو روزگار کے وسیلے مہیا ہو گئے۔

انھوں نے بعض اچھے کارنامے کرکے اپنے آپ کو بڈشاہ ثانی اور حاتم طائی بھی کہلوایا۔

بخشی غلام محمد اقتدار حاصل کرنے اقتدار میں رہنے اور اقتدار سے محروم ہونے اور پھر کمیشن کی زد میں آنے کے باوجود بھی اپنے ایک موقف پر قائم رہے۔

انھوں نے اپنے دورِ اقتدار میں بھارت کو ریاست میں کسی بھی قسم کی بالادستی کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اُن کے دورِ حکومت میں مرکزی سرکار کو ریاستی آئین میں کسی بھی تبدیلی یا ترمیم کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

بخشی غلام محمد ایک انسان کے ناطے بے شمار خامیوں اور خوبیوں کے مالک تھے، اُن کے دل میں رحم اور انصاف کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ان کے بعض کارنامے اتنے دلچسپ ہیں کہ بطور مثال پیش کرکے ایک آہ بھر کر یہ ضرور کہنا پڑتا ہے ؏ تیری یاد آئی تیرے جانے کے بعد



کشمیری عوام کی ایک بڑی بدقسمتی یہ بھی ہے کہ انھوں نے بخشی غلام محمد کو اپنا وہ تعاون نہ دیا جو انھوں نے شیخ عبداللہ کو دیا اگر بخشی غلام محمد کو شیخ عبداللہ جیسا عوام کا تعاون مل گیا ہوتا تو کشمیر واقعی ایک نمونے کا خطہ ہوتا اور آج بھی ہماری وہی پوزیشن ہوتی جو ۱۹۵۰ء میں تھی۔

بخشی دور پر لوٹ کھسوٹ، زور زبردستی، کنبہ پروری، پرمٹ سسٹم اور ووٹ چوری جیسے الزامات ضرور لگ گئے۔ لیکن بعد کے حکمرانوں نے ان کا ریکارڈ ہی مات کر دیا۔ بخشی غلام محمد نے مرکزی سرکار کی مرضی کے مطابق شیخ عبداللہ کو راستے سے ہٹا کر عنان حکومت ضرور

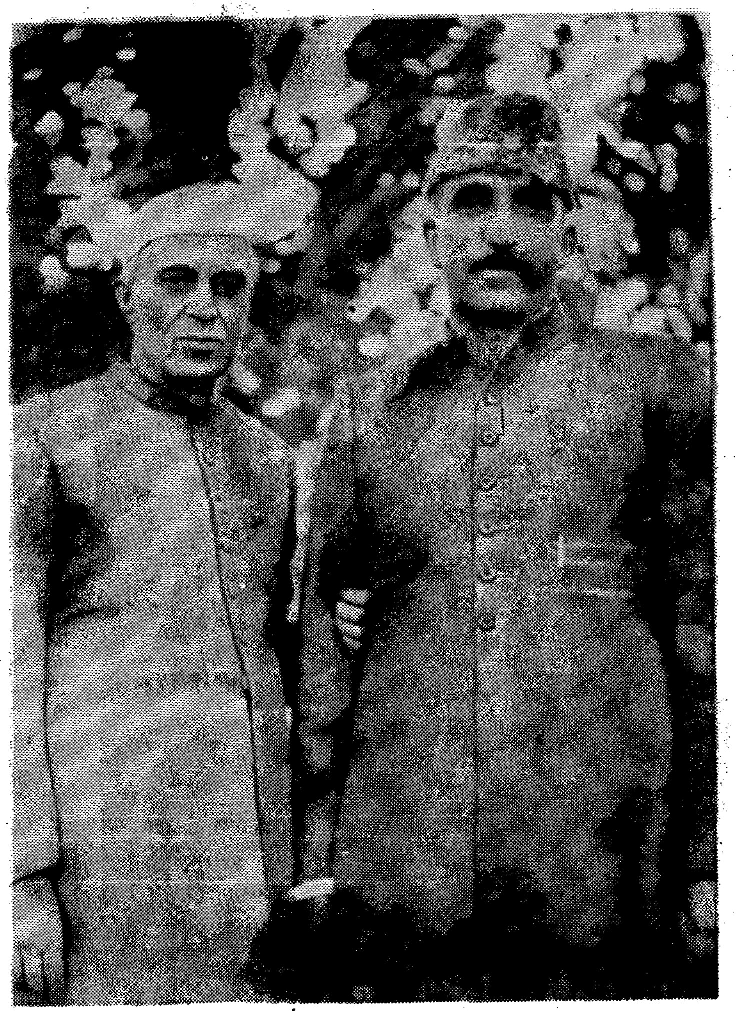
سبنھالی ، انھوں نے دس سال تک عوام پر حکومت بھی کی، لیکن عوام کے دلوں پر نہیں۔

شیخ محمد عبداللہ کا توڑ کرنے اور انھیں بھلانے کے لیے بخشی غلام محمد نے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی انہوں نے عوام کے لیے ضروریات زندگی میں کئی رعایات کا اعلان کیا سب سے بڑی رعایت راشن پر سبسڈی کی بحالی کی تھی۔

لوگوں کا ذہن سیاسی مسائل سے ہٹانے کے لیے کشمیریوں کے لیے "جشنِ کشمیر" منانے کا آغاز کیا۔ اس قسم کے جشن منانے کے بارے میں حکومت کی نیت کیا تھی ؟ لیکن یہ ایک حقیقت ہے "جشنِ کشمیر" کی بدولت یہاں کی تہذیب یہاں کا تمدن اور یہاں کی ثقافت اجاگر ہوئی۔ یہاں کے کلچر کو فروغ مل گیا۔ کشمیر کے دانشوروں، ادیبوں، شاعروں، موسیقاروں اور آرٹسٹوں کو اپنے جوہر دکھانے کا بہترین موقع فراہم ہوا۔

کشمیریوں کی زندگیوں میں رنگینی بھرنے میں بخشی صاحب نے واقعی قابلِ قدر اقدامات کیے یہ دوسری بات ہے کہ ان اقدامات سے بہت ساری خرابیاں بھی پیدا ہو گئیں۔

اپنے اعمال اور اپنے کارناموں سے جہاں انھوں نے بہت سارے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا وہاں بے شمار لوگ ان سے ناراض بھی ہو گئے، انھوں نے بار بار لوگوں کو شیخ عبداللہ کی اصلیت سے آگاہ کیا تھا لیکن ان پر اعتبار نہ کیا گیا تمام کوششوں کے باوجود وہ کشمیری عوام کے دلوں سے شیخ عبداللہ کی محبت و عقیدت نہیں نکال سکے بخشی صاحب چالاک شاطر اور پالیسی ساز ہو کر بھی عوام کے دلوں سے وہ غلط فہمی دور نہ کر سکے جس غلط فہمی کے کارن وہ شیخ عبداللہ کو کشمیر کی آزادی کا سپہ سالار سمجھ بیٹھے تھے۔



وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو بخشی غلام محمد کا بازو پکڑ کر انہیں شیخ محمد عبداللہ کے متبادل کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔



وزیراعظم بخشی غلام محمد عوام سے خطاب فرما رہے ہیں

غم کے اسٹیج پر ہر روز خوشی کا ناٹک
زندگی اپنی اداکار نہ ہونے پائے

کُدجیل میں شیخ صاحب سے ڈاکٹر سبھرائن کی ملاقات

وزارت سے برطرفی اور پھر گرفتاری کے بعد شیخ صاحب عام لوگوں کی نظروں میں ایک دم فرشتہ بن گئے مرکزی سرکار کی اس کاروائی سے اُن کے ہاتھ میں جو اینٹی انڈیا ہتھیار آ گیا وہ کشمیری عوام کو اپنے ساتھ چلانے میں شیخ خاندان کے لیے کارگر ثابت ہوا۔

بھارتی حکمرانوں کی اس حرکت پر بطور احتجاج و انتقام "حقِّ خود ارادیت" اور "رائے شماری" کا ہتھیار استعمال کیا۔ جس ہتھیار کو دیکھ کر نادان کشمیری عش عش کر اُٹھے۔ حالانکہ یہ شیخ عبداللہ ہی تھے جو حق خود ارادیت اور رائے شماری کے سخت ترین دشمن تھے۔

نادان اور ناسمجھ لوگ شیخ محمد عبداللہ کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے، بعد کے حالات نے ثابت کر دیا، یہ ایک دھوکا تھا، یہ سب لوگوں کو اپنے ساتھ رکھنے کا ایک ذریعہ تھا۔ ورنہ حقیقت میں ان کے دل میں جو بات تھی وہ زبان پر نہ تھی، چونکہ عام لوگ دل کی بات جاننے سے قاصر تھے اس لیے انھوں نے ان کی زبان پر اعتبار کیا۔



(شیخ عبداللہ، پنڈت نہرو)

شیخ محمد عبداللہ ۱۹۵۳ء کے واقعہ کے ساتھ جس حقّ خود ارادیت اور رائے شماری کا مطالبہ کر رہے تھے ان کے نزدیک وہ اقتدار اور جاہ و حشمت کا دوسرا روپ تھا۔ وہ اپنے اقتدار اور جاہ و حشمت کے لیے لڑ رہے تھے اور ہم

سمجھ رہے تھے یہ ہمارے حق کے لیے لڑ رہے ہیں ۔

شیخ عبداللہ کو جاننے اور پہچاننے میں پنڈت جواہر لال نہرو غلطی کے شکار نہیں تھے ان کے مزاج سے پنڈت جی پورے واقف تھے ان کی نبض پر اُن کا ہاتھ تھا۔ پنڈت نہرو کو اس بات کا پورا اندازہ تھا شیخ عبداللہ جیل کی تنہائی اور اقتدار سے محرومی میں ٹوٹ ٹوٹ جائیں گے اور وہ غلطیوں سے توبہ کر کے اقتدار کی دہائی دیں گے جو اقتدار ان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ نہرو اچھی طرح جانتے تھے شیخ عبداللہ نے اقتدار کے لیے رائے شماری کا مطالبہ مسترد کیا تھا اور اس کی عمل آوری میں بڑی بڑی رکاوٹیں ڈال دیں۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کشمیر پاکستان کے ساتھ گیا تو میرا اقتدار بھی گیا۔

پنڈت نہرو نے جب انھیں وزارت سے برطرف کر کے قید میں ڈال دیا تو وہ جانتے تھے شیخ صاحب جیل کی تنہائی سے اُکتا کر ہمارے ساتھ صلح صفائی کے لیے آمادہ ہو جائیں گے قید تنہائی میں ہمارے ساتھ وہی وطیرہ اختیار کریں گے جو مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ کیا کرتے تھے اور معافی نامہ دے کر جیل سے چھوٹ جاتے تھے۔

پنڈت نہرو نے شیخ صاحب کے ٹوٹنے کا وقت بھی مقرر کیا تھا، البتہ اس وقت کا تعین کرنے میں وہ ضرور فیل ہو گئے، وقت نے طول پکڑ کر پنڈت جی کا اندازہ غلط ثابت کر دیا۔ پنڈت نہرو کو وقت کا اندازہ کرنے میں غلطی کا سامنا کیوں کرنا پڑا؟ اس کی دو وجوہات ہیں۔

اوّل یہ کہ شیخ عبداللہ کو جس خوبصورت مقام پر عالیشان بنگلے میں رکھا گیا، وہاں ان سے ملنے ان کے بیوی بچے بھی آجاتے تھے اُن کے نوکر چاکر تھے وہ ریڈیو سنتے اور اخبار پڑھتے تھے، ان سے ملنے والوں کو کوئی روک ٹوک نہ تھی۔

دوم یہ کہ ان کی معزولی اور نظر بندی پر کشمیری عوام کا ایجی ٹیشن قید و بند اور قتل و غارتگری کی تفصیلات مرکزی سرکار کی طرف صلح کے قدم اُٹھنے میں رکاوٹ بنے۔

پنڈت جواہر لال نہرو جب انتظار کرتے کرتے تھک گئے تو انھوں نے شیخ صاحب سے ملنے اور ان کے خیالات جاننے کے لیے اُن کے پاس ڈاکٹر سی سبھرائن کو بھیج دیا۔ روانگی سے قبل پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کے نام ایک خط بھی ڈاکٹر سبھرائن کے حوالے کیا۔ اس خط میں پنڈت جی نے تمام گلے شکوے بھول کر نزدیک آنے کا

مشورہ دیا تھا۔ اگر انھوں نے اس وقت بھی پنڈت جی کا مشورہ قبول کر لیا ہوتا تو بعد میں سخت ہزیمت اٹھانا نہیں پڑتی۔

ڈاکٹر سبھرائن نے شیخ صاحب کے پاس آتے ہی ان سے پوچھا۔

"آپ کیسے ہیں ؟"

"جیسا آپ دیکھ رہے ہیں" انھوں نے تُرش روئی سے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے۔ آپ کی صحت کیسی ہے ؟"

"خدا کے فضل سے بہتر ہے"

"آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں محسوس ہو رہی ہے"

"اگر تکلیف ہوتی تو شاید میں اس کی شکایت کرتا، میں تکلیفوں سے ڈرنے والا نہیں میں ابتدا ہی سے جانتا تھا اپنے لیے جو راستہ میں نے متعین کیا ہے یہ راستہ تکلیف دہ ہے لیکن یہی راستہ میں نے اپنے لیے منتخب کیا ہے جانتے ہو، کیوں ؟"

"ہاں، جانتا ہوں، اسے ہم بار بار آپ کی زبان سے سن چکے ہیں"

"ابھی اور کچھ سننا تو باقی نہیں رہ گیا ہے ؟" شیخ صاحب نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ کر پوچھا، ڈاکٹر سبھرائن کچھ سوچ کر بولا۔

"لگتا ہے، آپ کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا ہے"

"ڈاکٹر صاحب! میرے سامنے وہ بھیانک نتائج آرہے ہیں، جب ہم نے بھارت سے فوجی امداد مانگی، مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ ہم نے تمہیں اپنی حفاظت کے لیے بلایا تھا اور تم قابض بن کر بیٹھ گئے" شیخ غصہ ہو کر بولے۔

"دیکھیے، آپ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں، یہ نہ بھولیے کہ آپ کا ہمارے پاس سارا ریکارڈ موجود ہے، میں دراصل اس ریکارڈ کا دفتر کھولنے یہاں نہیں آیا ہوں بلکہ یہ کہنے آیا ہوں، کہ آپ پرانی باتوں کو بھول جائیے اور غصہ تھوک دیجیے"

"میں ان باتوں کو کیسے بھول سکتا ہوں۔ تم نے تو میرے ساتھ وشواس گھات کیا ہے اور اس کے ساتھ اپنی ساکھ بھی گرا دی"

اس کے ساتھ ہی شیخ صاحب نے ڈاکٹر سی سبھرائن کے سامنے شکوہ شکایات کا ایک دفتر کھول دیا اور کہا۔

" میں نے خلوص دل سے بھارت کے ساتھ الحاق کی تائید کی اور اپنی ریاست کو بیرونی حملہ آوروں سے بچانے کے لیے آپ سے فوجی امداد مانگی مگر تم نے تو انہیں میرے ہی خلاف استعمال کیا۔ ۱۹۵۱ء میں اسمبلی کے ذریعے بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی تجویز لے کر میں پنڈت نہرو کے پاس اس لیے گیا کہ مجھے اس کے لیے گوپالا سوامی آئینگر نے تیار کیا اور میں سمجھا یہ شاید پنڈت جی کی رائے ہے اسی لیے یہ رائے لے کر میں ان کے پاس گیا۔ لیکن اُس وقت انھوں نے میری اس تجویز کی مخالفت کی "۔

" پنڈت جی نے آپ کو اس انکار کی وجوہات بتا دی ہیں " ڈاکٹر سبھرائن نے جواب دیا۔ " اور آپ نے اس کی تائید کی تھی "۔

" کچھ بھی ہو، میں اسے اپنی ایک بڑی غلطی مانتا ہوں۔ جو اُس وقت مجھ سے سرزد ہوئی۔ یہ میں ہی تھا جو ریاست میں رائے شماری کرانے میں رُکاوٹ بنا، یہ رکاوٹ میں اس لیے بنا کیونکہ مجھے اس بات کا خدشہ تھا اگر ہم نے رائے شماری کرائی اور ہم مسلم اکثریت کے ناطے پاکستان میں شامل ہو گئے۔ تو وہاں میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا جائے گا مجھے کیا معلوم تھا بھارت بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے گا۔ تمہارے بھارت کے ساتھ وابستگی کا جو صلہ مجھ کو دیا گیا یہ بے حد افسوسناک ہے۔ میں کہے دیتا ہوں [۱۹۵۳]ء میں بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی تجویز میرے سامنے رکھ کر پنڈت نہرو نے ٹھیک نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے تھے پارٹی میں میری اکثریت نہیں رہی تھی میں مشکلات میں گھر گیا تھا۔ میں سازشوں کے جال میں آچکا تھا۔ مجھ پر انگریزوں کے ساتھ سازباز کرنے کا الزام لگ چکا تھا۔ بجائے اس کے کہ مجھے صفائی کا موقع دیا جاتا۔ اُلٹا مجھے الٹی میٹم دیا گیا۔"

" آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ نہ کسی نے آپ کو الٹی میٹم دیا نہ ہی آپ کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کرنے کا پنڈت جی کا کوئی خیال تھا۔ اگر آپ نے پنڈت نہرو اور مولانا آزاد کی تجویز مان لی ہوتی تو یہ نوبت ہی نہ آتی "۔

" کچھ بھی ہو، میں نے آپ کا یہ الٹی میٹم قبول کر لیا۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ میرے ساتھ وشواس گھات ہو چکا ہے، بھارتی حکمرانوں پر سے میرا اعتبار اُٹھ گیا ہے "۔

" شیخ صاحب، یہی شکوہ وہ بھی آپ سے کر رہے ہیں! ویسے میرے خیال میں اب شکوہ شکایت سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اسمبلی کے ذریعے الحاق کی تصدیق کا جو مسئلہ تھا وہ تو اب حل ہو چکا ہے "۔

شیخ صاحب نے جھٹ جواب دیا۔

" نہیں ہوا ہے۔ یہ مسئلہ اس قسم کے اقدام سے حل نہیں ہو سکتا جو اقدام آپ بخشی اور صادق کے ساتھ مل کر کر رہے ہیں۔ آپ کو جاننا چاہیے کہ بخشی اور صادق کی حیثیت کشمیری عوام کو قابلِ قبول نہیں، آپ ان سے لاکھ بار اٹوٹ انگ کی رٹ لگوائیے اس سے کیا ہوتا ہے۔ کشمیری عوام کی نظروں میں یہ دونوں غدار ہیں۔ تم دیکھ لینا یہ اٹوٹ انگ کا راگ ان کو بڑا مہنگا پڑے گا۔ اور یہ دونوں بہت پچھتائیں گے "۔

" اس کا فیصلہ وقت کرے گا پچھتائیں گے آپ یا وہ؟ "

" ہاں، اس کا فیصلہ وقت ہی کرے گا اور میں اس وقت کا انتظار کر رہا ہوں یہی وجہ ہے کہ میری ہمت برقرار ہے، میرا حوصلہ بحال ہے۔ میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا "۔

" ڈرنا بھی نہیں چاہیئے "۔ سبھرائن نے جواب دیا۔

" میں موت سے بھی نہیں ڈرتا۔ بہترین موت وہ ہے جو اصول پر قائم رہ کر میدانِ جنگ میں ہو اور کسی مقصد کی تکمیل کے لیے ہو۔ میں جانتا ہوں میرے عزیز ساتھیوں کو خرید لیا گیا ہے، انہیں اقتدار کا لالچ دیا گیا ہے ان سے اٹوٹ انگ کی رٹ لگوائی گئی ہے۔ لیکن دُنیا کو کہاں تک دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ آج دُنیا کا کوئی بھی شخص یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ کشمیر کا الحاق بھارت سے ہو چکا ہے۔ میرے ساتھ اس قسم کی چھیڑ چھاڑ آپ کو بڑی مہنگی پڑے گی "۔

" اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہماری صلح کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں، اور اپنی ہٹ پر قائم ہیں۔۔؟ "

" یہ ہٹ نہیں بلکہ اصول ہے۔ میں نے اپنا اصول تبدیل کیا ہوتا تو آج میں قید میں نہیں بلکہ کرسی اقتدار پر ہوتا، جب تک میرا ایمان پختہ ہے اور میرا کوئی اصول ہے تب تک نہ میں تم سے صلح کروں گا اور نہ سمجھوتہ۔

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں حق خودارادیت ایک بنیادی مسلک ہے، انسان اپنی زندگی میں اپنا بنیادی مسلک کبھی تبدیل نہیں کرتا جو ایسا کرے گا وہ انسان نہیں رہے گا

وہ انسانیت سے گر جائے گا، سچائی کی آواز کو کوئی دبا نہیں سکتا۔"

"شیخ صاحب! آپ کی خودارادیت کی ہم ضرور قدر کرتے اگر آپ اس میں خود ہی رکاوٹ نہ بن جاتے، آپ کبھی ایک بات ایک اصول پر قائم نہیں رہتے، آپ تو اپنا موقف اس طرح بدلتے ہیں جس طرح کپڑے بدل دیئے جاتے ہیں۔ آپ ہمارے پاس آکر ایک بات بتا دیتے ہیں اور عوام کے پاس جاکر دوسری بات کہتے ہیں۔ آپ کی کونسی بات سچ مانیں اور کونسی جھوٹ۔ یہ آج تک ہم سمجھ نہیں سکے۔ اقتدار میں رہ کر آپ کو ہماری برائی بھی اچھائی لگتی ہے۔ اقتدار ہے تو الحاق ہے، اقتدار نہیں تو الحاق بھی نہیں۔ یہ کونسا نظریہ اور کونسا اصول ہے؟

قبل اس کے کہ آپ کوئی جواب دیں میں بتانا چاہتا ہوں میں آپ سے اس قسم کی گفتگو کرنے نہیں آیا ہوں، آپ نے سوالات ہی کچھ اس قسم کے کیے کہ مجھے جواب دینا پڑا۔"

"ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے۔" شیخ صاحب نے جواب دیا۔

"میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ مسئلہ کشمیر ابھی حل نہیں ہوا ہے اور یہ تابع رائے شماری ہے، کیا یہ ایک نظریہ اور ایک اصول نہیں ہے، جب الحاق کی تصدیق نہیں ہوئی تو تم نے مجھے جیل میں رکھ دیا، جب اس کی تصدیق ہو جائے گی، تب مجھے پھانسی دیدیجیے، تم تو اس قابل ہو کہ تمہیں عجائب گھر میں رکھا جائے۔

تم سمجھتے ہو اس قسم کے اقدامات کر کے حق کو دبا سکو گے لیکن یہاں مجھ جیسے لوگ ابھی موجود ہیں جو بخشی اور صادق بننے کے لیے تیار نہیں، ہم اپنی جان دیدیں گے لیکن حق کو نہیں چھوڑیں گے ہم اقتدار کے لیے اوٹ پٹانگ نہیں کہیں گے۔"

"آپ بخشی صاحب اور صادق صاحب کا نام بار بار کیوں لیتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ وہ آپ ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔"

"نہیں یہ بالکل غلط ہے اِن دونوں نے کشمیری عوام کے ساتھ غداری کی انھوں نے الحاق کو ناقابل تنسیخ کہہ کر غلط بیانی سے کام لیا، انھوں نے کشمیری عوام کے ساتھ جو کھیل کھیلا تاریخ اس کے لیے انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔"

"وہ تو بعد میں پتہ چلے گا تاریخ کس کے بارے میں کونسا فتویٰ دیتی ہے۔" سبھرائن۔

شیخ صاحب: "کچھ بھی ہو تم یہ بات نوٹ کر لو اور جاکر پنڈت نہرو سے بھی کہہ دو، شیخ صاحب

نے[1] کہا ہے، تم طاقت کے بل پر کشمیر پر اپنا حق جتا سکتے ہو لیکن ان طریقوں سے تمہیں صرف خوش فہمی مل سکتی ہے اور کچھ نہیں۔ ملاپ دل کا ہونا چاہیے ذہن کا ہونا چاہیئے اور یہ ملاپ صرف محبت اور انصاف کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے، تم بنیے کی طرح کشمیر کو اپنے کھاتے میں لکھ دو، اس سے کیا ہوتا ہے۔ دُنیا بھی اس بات کو تسلیم کرنی چاہیئے۔ یاد رکھو میں اپنے ضمیر کا سودا کرسی اقتدار کے لیے نہیں کر سکتا۔"

"چھوڑیئے ان باتوں کو، میں پنڈت جی کی طرف سے آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ اگر آپ صلح صفائی کے لیے تیار ہیں تو آپ کا عہدہ بحال کیا جا سکتا ہے صرف آپ کو مرکز کے ساتھ ٹکراؤ کی پالیسی ترک کرنے کی گارنٹی دینی ہوگی۔"

"ڈاکٹر صاحب! جس نے تمہیں یہ تجویز لے کر یہاں بھیجا ہے اس نے اس تجویز کا اظہار اپنے خط میں بھی کیا ہے اُس کو میری طرف سے بتا دینا۔ شیخ عبداللہ اقتدار اور عہدے کو منزلِ مقصود نہیں سمجھتا، میرے اقتدار حاصل کرنے سے مسئلہ کشمیر حل نہیں ہو سکتا، اس لیے میں اس عہدے پر ٹھوکر مار سکتا ہوں، میں نے قوم سے کچھ وعدے کیے ہیں ان وعدوں کو مجھے پورا کرنا ہے۔ تاکہ کل کو تاریخ مجھے غدّار نہ لکھے۔"

"آپ کی ان باتوں سے پتہ چلتا ہے آپ ہماری کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔"

"اس لیے کہ تمہارے اور میرے نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے میرا اور تمہارا راستہ الگ الگ ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں چلتا ہوں۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر سبھرائن شیخ صاحب سے رخصت لے کر روانہ ہو گئے۔[1]

---

[1] اِس گفتگو کا کچھ حصّہ میں نے اپنی پہلی کتاب "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" میں پیش کیا تھا، جب جون ۱۹۷۵ء میں میری یہ کتاب ضبط ہو گئی اور اس کو واگزار کرانے مجھے شیخ صاحب کے پاس جانا پڑا تو انھوں نے مجھ سے حیرت و استعجاب سے پوچھا۔ "تم نے کد جیل کی یہ مکمل بات چیت کہاں سے حاصل کی جو ڈاکٹر سبھرائن کے درمیان ہوئی تھی،

وہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ میں نے شیخ صاحب سے کہا اگر آپ کو اس بات چیت سے انکار ہے تو بتایئے، رہا سوال یہ بات چیت میں نے کہاں سے حاصل کی یہ بتانے

دہلی جاکر ڈاکٹر سی سبھرائن نے پنڈت نہرو کے سامنے تحریری طور پر وہ ساری کارروائی پیش کی جو کہ جیل میں شیخ صاحب کے ساتھ گفتگو کے دوران پیش آئی تھی۔

شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے صلح کی بات ماننے سے انکار کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے اس مسئلے کو التوا میں ڈال دیا اور شاید یہ طے کر لیا کہ جب تک وہ پوری طرح ٹوٹ نہیں جائے، ان کے ساتھ بات چیت کی پیش رفت نہیں ہوگی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سے میں قاصر ہوں۔ چنانچہ شیخ صاحب سے اس بات چیت کی حقیقت سے انکار نہیں ہو سکا۔ اس بات چیت کی حقیقت نے شیخ صاحب کے سامنے میری حیثیت ضرور منوائی اور وہ مجھ پر سخت ہاتھ رکھنے سے کترانے لگے۔

در پیش ہے حیات کو لاسمت کا سفر
پھرتے ہیں آسمان کو لیے بے زمین لوگ

کشمیر میں محاذ رائے شماری کی بنیاد
روسی سرکس اور جارنگ مشن

ڈاکٹر سی سبھرائن نے شیخ صاحب کے ساتھ بات چیت کی رپورٹ پنڈت نہرو کو دی تو ان کے ساتھ صلح صفائی کا ارادہ ملتوی کیا گیا، البتہ تجربہ کے طور پر مرزا افضل بیگ کو رہا کیا گیا۔ اپنی رہائی کے فوراً بعد مرزا محمد افضل بیگ نے سرینگر میں ایک پریس کانفرنس میں "جموں و کشمیر محاذ رائے شماری" کی بنیاد ڈالنے کا اعلان کیا۔

اگلے روز غلام محمد بٹ کے گھر میں ساری ریاست میں اس تنظیم کی شاخیں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا، رائے شماری نام کی یہ تنظیم عوام کی امنگوں کی ترجمان بن کر بہت مقبول بن گئی۔

مرزا افضل بیگ خود اس تنظیم کے صدر رہے، شیخ صاحب کو اس کی اطلاع بھیجدی گئی تو انھوں نے جواب میں بیگ صاحب کو پھٹکار بھیجدی۔

رہائی کے بعد شیخ عبداللہ اگرچہ اس تنظیم کے روح رواں تھے لیکن خود انھوں نے اس کی رکنیت قبول نہیں کی، حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اس نام کی تنظیم بنانے پر مرزا افضل بیگ سے ناراض تھے، لیکن یہ ناراضگی انھوں نے صرف بیگ صاحب تک محدود رکھی، اور کسی کے سامنے اسے ظاہر نہیں کیا۔ کیونکہ لوگوں کو اپنے ساتھ چلانے کے لیے یہ ایک ایسی مٹھائی رکھی جس کی مٹھاس سے لوگوں کے منہ میں پانی بھر آتا تھا۔ شیخ صاحب نے رائے شماری محاذ کی لاٹھی مرزا



(مرزا افضل بیگ)

افضل بیگ کے ہاتھ میں دے کر مرکزی سرکار کے سامنے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا اور خود اس تنظیم کی رکنیت سے اس لیے علیحدہ رہے تاکہ وقتِ ضرورت وہ اس سے علیحدگی کا جواز پیش کرسکیں۔ دراصل انہیں "رائے شماری" نام سے نفرت تھی، چاہے اس کے ساتھ محاذ جوڑ دیا جائے یا امن۔

محاذ رائے شماری کی بنیاد ڈالنے کے موقع پر مرزا افضل بیگ نے کہا۔

" میں نے آج ۱۵ اگست ۱۹۵۵ء میں جموں و کشمیر محاذ رائے شماری کی بنیاد ڈالی ہے۔ اس تنظیم کا واحد مقصد یہ ہے کہ کشمیری عوام کے لیے پرامن ذرائع سے حق خود ارادیت کا استعمال رائے شماری سے ہو، تاکہ ریاست کا الحاق حتمی طور پر ہند یا پاکستان کے ساتھ ہو جائے جو سو فیصدی حکومت ہند کی ذمہ داریوں اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کے عین مطابق ہے جو وقتاً فوقتاً پاس ہوتی رہی ہیں۔ ہم نے رائے شماری کے بارے میں عوام سے وعدہ کیا ہے، یہ وعدہ بھارت نے ہم سے کیا ہے۔ لہذا اس وعدے سے کسی بھی طرح منہ نہیں موڑا جا سکتا۔۔۔۔!"

شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے ساتھ پاکستان نے مسئلہ کشمیر کو سلامتی کونسل میں اٹھایا، بعض مغربی ممالک نے ہندوستان کی اس کارروائی کی مخالفت کر کے پاکستان کا ساتھ دیا۔ لیکن پنڈت نہرو کی حکمت عملی سے پاکستان اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے ساتھ پاکستان کے وزیر اعظم محمد علی کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعے صلح صفائی کرنے اور بات چیت کے ذریعے مسئلہ کشمیر حل کرنے کی پیش کش کی جس کی وجہ سے پاکستان سلامتی کونسل میں وہ زور و شور پیدا نہ کر سکا جس کی ضرورت تھی۔

پاکستان سے بات چیت کی پیش کش کر کے ایک طرح سے پنڈت نہرو نے پاکستان کا منہ بند کر دیا۔ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ بات چیت کی یہ پیش کش محض وقت ٹالنے کے لیے تھی اور بس۔ جس میں بھارت یقیناً کامیاب ہو گیا، چونکہ مغربی ممالک مسئلہ کشمیر کے بارے میں پاکستانی نظریئے کی بھرپور حمایت کر رہے تھے، لہذا اس کا توڑ کرنے کے لیے بھارت نے سوویت روس کی حمایت حاصل کرنے کا بیڑا اٹھایا، ہندوستان ویسے بھی کوریا کے مسئلہ میں سوویت روس کی حمایت کا آغاز کر چکا تھا۔

دراصل دنیا کے دو بڑے ممالک امریکہ اور روس ملک گیری کی ہوس میں ایک دوسرے پر سبقت لینے کی کارروائی کیے ہوئے تھے۔ ان دو بڑی طاقتوں کی آپسی رقابت جب تیز ہونے لگی تو بھارت نے جہاں اپنی خارجہ پالیسی ناوابستگی کے اصول پر رکھی وہاں پاکستان نے اپنے آپ کو امریکہ کے زیر سایہ رکھ دیا۔

پنڈت نہرو سوشلسٹ نظریہ کے قائل تھے اس لیے وہ سوشلسٹ ملکوں سے زیادہ قربت محسوس کرتے تھے۔ امریکہ ان کے اس میلان کو پسند نہیں کرتا تھا۔ پاکستان نے اپنی خارجہ پالیسی کی بنیاد ہند مخالف نظریہ پر رکھی۔



(پنڈت نہرو)

ہندوستان اور پاکستان خارجہ پالیسی میں دو مخالف رخ اختیار کیے ہوئے تھے۔ پاکستان نے امریکہ کی چھتر چھایا میں پناہ لے کر اس کے اتحادی ملکوں کے ساتھ کئی فوجی معاہدات کیے جن میں سیٹو اور سینٹو نام کے معاہدے قابل ذکر ہیں۔

پاکستان کی اس امریکہ نوازی سے روس کسی قدر برہم ہوا، لیکن اس نے اس برہمی کا کھلم کھلا اظہار نہیں کیا۔ اس وقت تک سوویت روس سلامتی کونسل میں غیر جانبداری کی پالیسی پر گامزن تھا۔ بقول شیخ محمد عبداللہ:۔

" اقوام متحدہ جہاں مختلف عوامل کے تحت پاکستان کو کشمیر کے مسئلے پر واضح برتری حاصل ہو گئی تھی اور اس نے ہندوستان کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا۔ پانسہ واضح طور پر پلٹ گیا تھا۔ ہندوستان نے روس کی مدد طلب کی۔ روس کی مدد ہندوستان کے لیے اللہ دے اور بندہ لے والی بات تھی، اس نے ان حالات سے فائدہ اٹھایا اور اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر کو سرد خانے میں ڈالنے کی ابتدا، یہیں سے ہو گئی۔"



(شیخ محمد عبداللہ)

سوویت روس مارشل اسٹالن کی علیحدگی پسندی کے حصار کو توڑ کر امریکہ کی دیکھا دیکھی زیادہ سے زیادہ

ممالک کو اپنے اثر و رسوخ میں لانے کی ایک مہم شروع کرنے لگا تھا، چنانچہ نہرو نے موقع غنیمت جان کر روسی کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ نکیتا خروشچوف اور روس کے وزیر اعظم مارشل بلگانن کو ہندوستان آنے کی دعوت دی جو انھوں نے قبول کرلی۔

ہندوستان میں روسی رہنماؤں کا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا گیا انھیں ملک کے اہم شہروں میں گھمایا گیا وہ جہاں جہاں بھی گئے ان کی خوب آؤ بھگت اور خاطر تواضع ہوئی۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے وزیر اعظم بخشی غلام محمد کو دہلی طلب کیا اور ان کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ ہوا سوویت رہنماؤں کے ہندوستان کے دورے کے دوران انھیں کشمیر بھی جانے دیا جائے جہاں ان کے اعزاز میں شایان شان استقبال کروا کر مسئلہ کشمیر کے بارے میں ان کی مکمل حمایت حاصل کرلی جائے۔

بخشی صاحب نے دہلی سے واپسی پر روسی رہنماؤں کے استقبال کی تیاریاں شد و مد سے شروع کیں اور حکومت کی ساری مشنری کو اس کام پر لگادیا۔

دسمبر ۱۹۵۵ء کو جب سوویت روس کے یہ دونوں رہنما سرینگر تشریف لائے تو خلاف توقع ان کا ایسا استقبال ہوا جو کشمیر کی تاریخ میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑ گیا۔

روسی لیڈروں کے اعزاز میں بخشی وزارت کا استقبال مسئلہ کشمیر کو ہندوستان کے حق میں پھیرنے میں بڑا مددگار ثابت ہوا۔

سوویت روس نے سلامتی کونسل میں کشمیری عوام کے استقبال کا تصور لے کر دو بار اپنے ویٹو پاور کا استعمال کر کے کشمیر کو بھارت کی جھولی میں ڈال دیا۔ کشمیر میں روسی لیڈروں کے استقبال سے ہندوستان نے اس وقت بین الاقوامی حکمت عملی کے محاذ پر ایک فیصلہ کن کامیابی حاصل کرلی۔

سرزمین کشمیر پر روسی وزیر اعظم مسٹر خروشچوف نے روسی زبان میں تقریر کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ روس کشمیر کو ہندوستان کا ایک اٹوٹ انگ سمجھتا ہے، انھوں نے کشمیریوں کو مخاطب کر کے کہا۔

"روس تمہارا پڑوسی ہے، جب کبھی تمہیں ہماری ضرورت پڑے تو پہاڑ پر چڑھ کر ہمیں سیٹی بجا کر بلا لائیں ہم تمہاری مدد کے لیے حاضر ہوں گے۔"

ساری دنیا میں روسی وزیر اعظم کا یہ اعلان ایک اہم خبر بن گیا۔ دنیا کی ایک بڑی

طاقت کا اس قسم کا بیان پاکستان کے ساتھ امریکہ پر ایک طمانچہ سے کچھ کم نہ تھا۔

روسی لیڈروں کو ہندوستان کی مدد کرنے میں شیخ محمد عبداللہ نے جو رول ادا کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں جس وقت شیخ صاحب نے پنڈت نہرو کو مسئلہ کشمیر میں روس کی امداد حاصل کرنے کی پیش کش کی اس وقت پنڈت نہرو ایسا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ شیخ صاحب کی تجویز پر نہرو روس کے اتنے نزدیک آگئے کہ انھوں نے کشمیر کی سرزمین پر آکر ہندوستان کی خاطر ساری دنیا کو للکارا۔

اتفاق کی بات ہے جس وقت روسی رہنماؤں کا سرینگر میں استقبال ہو رہا تھا اس وقت وہ شیخ محمد عبداللہ کد جیل میں نظر بند تھے جن کے مشورے پر ہندوستان روس کے نزدیک آسکا۔

یہ دوسری بات ہے کہ وزارت سے محروم ہو کر شیخ محمد عبداللہ نے ان روسی لیڈروں کو روسی ریچھ، کہہ کر پکارا جنہوں نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں ہندوستان کی طرفداری کی۔ وزارت سے علیحدہ ہونے کے بعد روسی رہنماؤں کے بارے میں شیخ عبداللہ کے اس قسم کے خیالات ان کی ذہنی پراگندگی کا کھلا ثبوت تھے۔

مسئلہ کشمیر پر روس نے تیسری بار ویٹو کرنے سے ضرور اجتناب کیا لیکن اس سے ان کے خیالات کی تبدیلی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔



خواجہ غلام محی الدین قرہ۔ بانی کشمیر پولیٹکل کانفرنس مقید جیل

اب کی بار سلامتی کونسل نے ایک قرارداد کے تحت مسٹر جارنگ کو مصالحت کنندہ کے طور پر برصغیر کے دورے پر روانہ کیا۔

مسٹر جارنگ جب اپنے مشن کے سلسلے میں کراچی پہنچے تو اس وقت کشمیر پولیٹیکل کانفرنس کی طرف سے انہیں ایک یادداشت بھیجدی گئی۔

چونکہ پولیٹیکل کانفرنس کے صدر خواجہ غلام محی الدین قرا جیل میں نظر بند تھے اور ان کی پارٹی کے بعض لیڈر پاکستان میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے، ان میں سے سید غلام محی الدین جیلانی قائمقام نائب صدر، غلام رسول وانی آرگنائزر

اور عبدالخالق میر سکریٹری پولیٹیکل کانفرنس نے انجمن اقوام متحدہ کے نمائندے مسٹر جارنگ کو جو یادداشت پیش کی حسبِ ذیل ہے۔

" بخدمت ہز ایکسیلنسی مسٹر گنروی جارنگ
نمائندہ اقوام متحدہ ۔ (مقیم) کراچی

حضورِ والا ! ہم بحیثیت ممبران مرکزی مجلس انتظامیہ کشمیر پولیٹیکل کانفرنس اور ہندوستانی مقبوضہ کشمیر سے حال ہی میں ملک بدر کیے جانے کی وجہ سے مقبوضہ کشمیر کے لوگوں اور اپنی جماعت کی طرف سے اولاً جناب والا کی خدمت میں آپ کی برِّ عظیم پاک و ہند میں تشریف آوری پر ہدیہ مبارکباد پیش کرنے کا موقعہ اور شرف حاصل کرتے ہیں۔ عوام کشمیر حفاظتی کونسل کے اُن ممبر ممالک کا جنہوں نے جنوری ۲۴ اور فروری ۲۱ ؁۱۹۵۷ء کی قراردادیں تجویز کیں اور اُن کی حمایت کر کے ان کو منظور کروانے کے ازحد مشکور ہیں، جن قراردادوں میں کہا گیا ہے کہ کشمیر کے الحاق ہندوستان یا پاکستان کا حتمی فیصلہ ایک آزاد غیر جانبدار اور منصفانہ رائے شماری کے ذریعے اقوام متحدہ کے زیر تحت اور زیر نگرانی کیا جائے گا حفاظتی کونسل نے اُن تمام کارروائیوں اور معاہدوں کو کالعدم قرار دیا ہے جو کہ کسی طور پر بھی عوام کشمیر کے ساتھ ہندوستان پاکستان اور اس کونسل کے عوام کشمیر کے ساتھ رائے شماری کروانے کے سلسلہ میں غیر مشروط وعدے کیے ہوئے ہیں پر اثر انداز نہ ہوں گے، ہندوستان کی طرف سے ان مواعید کی خلاف ورزی کے اقدام کی تمام مہذب اور جمہوری دُنیا نے مذمت کی ہے اور ہندوستان کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ حفاظتی کونسل کے فیصلہ کا احترام کرے۔ کوئی شخص اپنے معاملہ میں منصف نہیں ہوسکتا ہندوستان بھی اس مقولہ سے باہر نہیں جا سکتا اور اس نے دنیا میں اپنا وقار اور موقر کھو دیا ہے اور اب وہ اپنی قوت اور طاقت پر انحصار کر رہا ہے۔ لیکن یہ ہندوستان کے لیے نہ صرف کشمیر میں بلکہ دنیا کے تمام حصّوں میں جہاں پر اس کے سفیر امن، غیر جانبداری اور نوآبادیاتی نظام

کو ختم کرنے کی تبلیغ کرتے ہیں، کے لیے موت کی گھنٹی ثابت ہوگا۔

ہندوستان دوسرے غلام ممالک کے لیے آزادی اور جمہوریت کی تبلیغ کرتا ہے خود فوجی قوت کے بل بوتے پر کشمیر پر قبضہ کیے بیٹھا ہے ہندوستان دوسرے لوگوں کے لیے بنیادی آزادی کا نعرہ لگاتا ہے لیکن کشمیر میں ظالمانہ حکومت طاقت اور قوت کے زور پر قائم کی ہوئی ہے، ہندوستان مہاتما گاندھی کی متبرک تعلیمات کو پسِ پشت ڈالنے کی بھی پرواہ نہیں کر رہا ہے۔ چونکہ اُس کے موجودہ رویے سے کشمیری عوام کو محکوم بنانے اور اُنکے ملک کو قبضہ میں رکھنے کے مقاصد کو تقویت پہنچ رہی ہے۔

کشمیر پولیٹیکل کانفرنس نے نہایت مفصّل طور پر مسئلہ کشمیر کے بارے میں اپنی یادداشت میں جو کہ صاحب صدر حفاظتی کونسل کی خدمت ۲۴ جنوری ؁۱۹۵۷ء کو پیش کی تھی میں اپنے نظریہ کی وضاحت کر دی تھی ۔ میرا خیال ہے کہ جناب نے اس یادداشت کا ضرور مطالعہ کیا ہوگا ویسے اس کی ایک نقل منسلک ہذا ہے۔

کشمیر پولیٹیکل کانفرنس کو یقین ہے کہ عوام کشمیر پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں جو کہ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

منجملہ جن کے جغرافیائی حالات سماجی و ثقافتی تعلقات، سیاسی رجحانات و معاشی ضروریات اور قدرتی ذرائع آمد و رفت جو تمام سال کھلے رہتے ہیں۔ نے عوام کشمیر کو اس بات کا معتقد کر دیا ہے کہ اُن کی منزل پاکستان کے ساتھ وابستہ ہے اور کوئی دلیل یا لالچ ان کو ان کی اس پسند سے روک نہیں سکتی، عوام کشمیر کو ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت نہرو کی یہ تنبیہہ جو کہ وہ اعلانیہ سامراجی طاقتوں کو وقتاً فوقتاً دیتے ہیں کہ " زر و دولت قوموں کو خرید نہیں سکتے اور فوجیں ممالک فتح نہیں کر سکتیں "۔ خوب یاد ہوگا۔ دو ممالک کا دلی ملاپ ضرور رضاکارانہ طور پر آزادانہ اور دوستانہ فضا میں ہی ہو سکتا ہے لیکن ان میں سے کوئی صورت بھی ہندوستان اور کشمیر کے موجودہ تعلقات میں نہیں پائی جاتی اور نہ ہی یہ اس وقت تک ہو سکتا ہے

کہ جب تک لوگوں کو اپنی پسند کا الحاق کے بارے میں بذریعہ آزاد، غیر جانبدار و منصفانہ رائے شماری، اظہار کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا ہندوستان مسئلہ کشمیر کے بارے میں اپنے غیر مذہبی نظام کا بہت ڈھول پیٹتا ہے۔ کشمیر پولیٹیکل کانفرنس کا نہ صرف غیر مذہبی جمہوریت کے اصولوں پر یقین ہے بلکہ وہ عملی طور پر اس کی تبلیغ کرتی ہے۔ یہ جماعت الحاق کے مسئلے کے بارے میں فرقہ وارانہ پروپیگنڈہ نہیں کرتی۔ کشمیری عوام قابلِ تعریف حد تک سیاسی طور پر بیدار ہیں یہ جماعت تشدّد اور تخریبی نظریات کی نہ حامی ہے اور نہ اس میں حصّہ لینا چاہتی ہے۔

کشمیر کے حالات ہندوستان کے زیر تحت افسوسناک اور قابل مذمت ہیں، رشوت، بد دیانتی، ظالمانہ تشدد اس بدقسمت سرزمین میں عروج پر ہیں۔ ایک ظالم عامرانہ حکومت وہاں پر قائم ہے، ایک لاکھ سنگینیں ہندوستانی و ریاستی پولیس، رسوائے زمانہ امن بریگیڈ اور دوسرے تنخواہ دار عناصر قوت کے زور پر حکومت کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ریاست جموں و کشمیر بدترین معاشی بدحالی میں مبتلا ہے قیمتیں از حد چڑھ رہی ہیں، ضروریاتِ زندگی ایندھن، دودھ، مجربات، گوشت اور اجناس غربی اور بھوک کے مارے ہوئے عوام کے لیے ناپید ہیں۔

قوّتِ خرید حقیقتاً ختم ہو گئی ہے حکومت کی انتظامیہ اپنے اصل فرائض کی بجا آوری میں غفلت تساہل اور کنبہ پروری کا شکار ہو کر ناکارہ ہو گئی ہے، تمام مخالف سیاسی جماعتیں جو رائے شماری کا مطالبہ کر رہی ہیں، کی زبردستی زبان بندی کیے ہوئے ہے۔ چوٹی کے لیڈر اور سیاسی کارکنان کو بغیر مقدمہ چلائے قید کیا ہوا ہے۔

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اس تنازعہ کا پُرامن حل نہایت ضروری ہے۔ عوام کشمیر کبھی طاقت سے دبائے نہ جا سکیں گے وہ اپنے دوسرے کروڑوں ہندوستانی اور پاکستانی بھائیوں کی طرح جو انھوں نے اپنی آزادی منوانے کے لیے جدوجہد کی تھی۔ کی راہ پر گامزن رہیں گے۔ جب کہ ہندوستانی

اور پاکستانی لوگوں کو اپنی اپنی پسند کا موقع دیا گیا تھا تو کیا وجہ ہے کہ کشمیریوں کو اُن کے اس حق سے محروم کیا جا رہا ہے، وہ ۱۹۴۷ء کے ہندوستان کے عوام سے زیادہ پسماندہ و ناخواندہ نہیں ہیں۔ کشمیر انگریزی راج کے خاتمہ تک برعظیم کا حصّہ تھا۔ لہٰذا جو کچھ برعظیم کے بڑے حصّہ کے لیے جائز سمجھا گیا وہی کشمیر میں کبھی جائز تصور کیا جاوے، ایک آزاد منصفانہ اور غیر جانبدار رائے شماری ہی اس طویل مسئلے کو ختم کر سکتی ہے، جب یہ مسئلہ ختم ہو گا تو ان ہر دو ممالک کے درمیان دوسرے تنازعات آسانی سے ختم ہو جائیں گے اور اس سے ان دونوں ممالک کے درمیان امن اور برادری کے رشتے استوار ہو جائیں گے۔

بالآخر ہندوستان کچھ کھوئے گا نہیں بلکہ حاصل ہی کرے گا اگر وہ اس سچائی اور عدم تشدد کے راستے پر چلے اور کشمیر کو اپنی غلامی سے نجات دیدے چند اشخاص کی ایک ٹولی کشمیر ہندوستان کو نہیں دے سکتی، کشمیر ہندوستان کے بین الاقوامی قرضہ جات سے حاصل کی ہوئی تمام رقومات کے لیے ایک ایسا گڑھا ثابت ہو گا جس کی کوئی تہ نہ ہو کیا اس بروقت انتباہ پر غور کیا جائے گا؟ کچھ پیش گوئی کرنا مشکل ہی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ آپ جناب عنقریب ہی کشمیر کا دورہ کریں گے ہمیں شک ہے کہ حضور کو وہاں کسی جماعت یا شخص سے آزادانہ ملنے نہ دیا جائے گا جو کہ آپ کو کشمیر کے حقیقی واقعات بتلا سکتے ہیں، مقبوضہ کشمیر کے ہر شہر ہر قصبہ ہر چھوٹے اور بڑے گاؤں، گلی محلہ غرضیکہ مختصراً تمام ریاست جموں و کشمیر پولیس اور انٹلی جنس سٹاف کے زیر نگرانی ہے اور جب تک حضور غریب مظلوم کشمیری عوام کی آواز نہ سنیں تو اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالنا مشکل ہے اور یہ ایک محکوم قوم کی تلخ نوائی ہے۔

کیا ہم آپ سے درخواست کر سکتے ہیں کہ آپ حکومت و وزیر اعظم ہند کو یہ سمجھائیں گے کہ وہ جیسا بیرونی دُنیا کو بتلاتے ہیں کہ کشمیری عوام اُن کے ساتھ ہیں تو وہ اس مسئلہ کے پُرامن حل کے لیے ایک آزاد اور غیر جانبدار رائے شماری

زیرِ نگرانی اقوامِ متحدہ کروائے جانے کی تجاویز کو کیوں مسترد کرتے ہیں؟ انھوں نے جونا گڑھ اور حیدرآباد کے لیے ایسی تجویز کبھی رد نہیں کی۔ ہندوستان کا کشمیر کے متعلق موقف بڑا بودہ، کمزور ہے اور پھسلنی سطح پہ ہے یہ "چھوڑ دو اور بھاگ جاؤ" والا معاملہ ہے۔

ہندوستان کب تک ایک دشمن آبادی پر قبضہ رکھ کر فائدہ حاصل کر سکتا ہے یہ مسئلہ ہندوستان کے سیاست دانوں کے لیے قابلِ غور ہے۔ صرف اسی صورت میں ہندوستان کا احترام اور اثر دُنیا میں بڑھ سکتا ہے اگر وہ اعلان کرے کہ وہ متفقہ عالمی رائے کے تحت سکیورٹی کونسل کے ارشادات کی تعمیل کے لیے تیار ہے اس طرح ہندوستان اور پاکستان برادری کے ایک رشتہ میں جُڑ سکتے ہیں۔ ایشیا متحد رہے گا اور برِّ عظیم میں امن اور ترقی کا دور دورہ ہوگا۔

خداوند تعالیٰ آپ کو اپنے مقصدِ عظیم اور ذمّہ داری کی بجا آوری میں جو کہ آپ پر دنیا کی سب سے بڑی انتظامیہ نے ڈالی ہے، کامیابی عطا فرمائے۔"

آپ کے وفادار:

۱۔ سید غلام محی الدین جیلانی قائم مقام نائب صدر کشمیر پولیٹیکل کانفرنس

۲۔ غلام رسول وانی آرگنائزر کشمیر پولیٹیکل کانفرنس

۳۔ عبد الخالق میر۔ دفتر سکریٹری، سکریٹری پولیٹیکل کانفرنس۔

راولپنڈی ۱۸ مارچ ۱۹۵۷ء



اُڑنے لگیں گی جیب وگریباں کی دھجیاں
جوشِ جنوں بڑھے تو ذرا دیر کے لیے

بخشی صادق جھگڑا

ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کا قیام

ریاست کی قانون ساز اسمبلی کے آئین کے مطابق جب ۱۹۵۷ء میں یہاں دوسری بار ریاستی اسمبلی کے لیے برائے نام انتخابات کرائے گئے اور اسمبلی کا تقدس ملیا میٹ کیا گیا تو لوگ بخشی وزارت سے سخت بددل ہوگئے۔ اسمبلی کے یہ انتخابات مکمل فراڈ اس لیے قرار دیے گئے کیونکہ وادی کی ۴۳ سیٹوں پر چالیس پر نیشنل کانفرنس کے امیدوار بلامقابلہ کامیاب قرار دیئے گئے۔ مخالف امیدواروں کے کاغذاتِ نامزدگی میں سے ہر ایک کے حلفِ وفاداری کے فارم ہی چرا لیے گئے تھے جس کے کارن مخالف امیدواروں کے کاغذاتِ نامزدگی مسترد کیے گئے۔



ان نام نہاد انتخابات کے لیے ممبران کی نامزدگی اور طریقۂ کار کے بارے میں بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے۔ بخشی غلام محمد سرینگر کے ایک حلقے کے لیے غازی عبدالرحمان کی حمایت کر رہے تھے جبکہ غلام محمد صادق ایک تعلیمیافتہ

جوان اور سابق اسپیکر غلام رسول رینزو کو نیشنل کانفرنس کا مینڈیٹ دینا چاہتا تھا، اس سلسلے میں بخشی صاحب نے صادق صاحب کی ایک نہ سنی، چنانچہ غازی عبدالرحمان کے مقابلے کے لیے غلام رسول رینزو ڈٹ گئے۔ اس طرح بخشی گروپ اور صادق گروپ دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے الیکشن مہم نے تصادم کی صورت اختیار کر لی ووٹنگ کے بعد ووٹ شماری کے دوران وزیر اعظم بخشی غلام محمد کے اشارے پر جس ڈرامائی انداز میں غازی عبدالرحمان کے حق میں انتخاب کا فیصلہ ہوا اس سے صادق گروپ دم بخود ہو گیا یہیں سے دونوں گروپوں کے درمیان پیدا شدہ اختلاف علیحدگی کا باعث بن گیا۔ بخشی وزارت کے تین اہم رکن گردھاری لال ڈوگرہ، درگا پرشاد در اور سیّد میر قاسم، صادق صاحب سے مل گئے اور انھوں نے بخشی صاحب کی نیشنل کانفرنس کے مقابلے میں ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس بنائی۔

اس نئی جماعت کے اغراض و مقاصد اور اس کے نصب العین کا اعلان ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو سرینگر میں کیا گیا۔ ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس نے ریاست کے ہند یونین کے ساتھ الحاق کے بارے میں بخشی صاحب کے نظریات کی تائید کے سوا باقی تمام تر اُن کی پالیسیوں کو مسترد کیا اور ساتھ ہی شیخ عبداللہ کی رہائی کا مطالبہ بھی کیا۔

شیخ صاحب کی رہائی کے بارے میں بخشی غلام محمد، پنڈت نہرو کی رائے کے ساتھ اختلاف رکھتے تھے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ شیخ عبداللہ کی رہائی ریاست کے امن و امان کے لیے ایک خطرہ ہے اور اس قسم کا خطرہ مول لینے کے لیے وہ تیار نہیں ہیں۔

اب جبکہ ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس نے شیخ صاحب کی رہائی اور ان کے ساتھ سیاسی طور پر نمٹنے کا اعادہ کیا تو ایک طرح سے یہ پنڈت جی کے خیال کی تائید تھی۔

ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کا قیام ایک ایسے وقت میں ہوا جب ریاست کا سنجیدہ طبقہ سیاسی تبدیلی کا خواہش مند تھا۔ عوام تو الگ تھلگ تھے ہی وہ بخشی دورِ حکومت کے خلاف میدانِ کارزار میں اُترنا چاہتے تھے، چونکہ وادی میں حکومت کے خلاف آواز اُٹھانے والوں کو محاذِ رائے شماری کے کارندے جان کر انہیں جیلوں میں بند کیا جاتا تھا اور جموں میں پرجا پریشد کا شوشہ پھیلا کر ان کا قافیہ تنگ کیا جا رہا تھا۔ لہٰذا ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کے ساتھ وہ لوگ وابستہ ہو گئے جو صحت مند اپوزیشن کی عدم موجودگی میں دبے ہوئے تھے۔

صادق گروپ نے فوری طور پر مرکز کی کمیونسٹ پارٹی کی لیڈرشپ سے رابطہ قائم کیا اور اُن کے آشیرواد سے ایک صحت مند جمہوری پارٹی تشکیل دینے کا فیصلہ کیا۔

صوبہ جموں کے بیشتر ممبران اسمبلی اس نئی پارٹی میں شامل ہو گئے۔ صوبہ کشمیر سے ابتداء میں عبدالرحمان راحت اور غلام محمد میر بسجن شامل ہو گئے، صادق صاحب کے ساتھ جو دوسرے لیڈر اس نئی پارٹی کے روحِ رواں تھے ان میں گردھاری لال ڈوگرہ، شری ڈی۔ پی در، سید میر قاسم، کرشن دیو سیٹھی قابلِ ذکر ہیں۔

ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کی پہلی کانفرنس سرینگر کے گول باغ میں منعقد ہوئی جس میں ہزاروں مندوبین نے شمولیت کی، صوبہ جموں سے دو ہزار کے قریب مندوبین کانفرنس میں شریک ہوئے اجلاس میں بخشی سرکار کی کارکردگی کو ہدفِ ملامت بنایا گیا اس حکومت کی غیر جمہوری اور عوام دشمن پالیسیوں کے خلاف لڑنے کا حلف لیا گیا اور اس سرکار کو بدل دینے کا عزمِ صمیم ظاہر کیا گیا۔

اس اجلاس کے بعد ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کے اراکین نے جموں و کشمیر اور لداخ کے طول و عرض میں دورہ کیا، جگہ جگہ ان کا استقبال کیا گیا اور انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کی سرگرمیوں سے بخشی غلام محمد کے ایوان میں شگاف پیدا ہو گیا۔ ۱۹۵۹ء میں سرمائی راجدھانی جموں میں اس تنظیم کی دوسری کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں صوبہ جموں کے علاوہ وادی کے ایک ہزار ڈیلی گیٹ شریک ہوئے کانفرنس کے ڈیلی گیٹوں میں مزدوروں اور کسانوں کے علاوہ دانشوروں، وکلاء اور طلباء کے نمائندوں نے بھی شمولیت کی۔

جموں میں ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کا یہ اجلاس ناکام بنانے کے لیے بخشی غلام محمد نے پرجا پریشد اور راشٹریہ سویم سیوک سنگھ سے تعاون طلب کر کے غنڈہ گردی کا بدترین مظاہرہ کیا۔ جموں میں اس تنظیم کا دفتر جلوس کے دوران نذرِ آتش کیا گیا۔ جموں کا یہ اجلاس اگرچہ فتنہ و فساد کی نذر ہو گیا۔ لیکن اس سے ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کو نقصان کے بجائے فائدہ ہی پہنچا۔ کیونکہ بخشی وزارت کی اس غنڈہ گردی نے لوگوں کو اور زیادہ ان سے متنفر کر دیا۔

بخشی غلام محمد نے غنڈہ گردی کا راستہ ترک کر کے دولت اور اقتدار کا حربہ استعمال

کیا اور اس نو عمر ترقی پسند تحریک کو توڑنے کا منصوبہ بنایا۔

جن لوگوں نے اپنے ذاتی مقاصد حاصل کرنے کے لیے اس نئی پارٹی میں وزارتی عہدے نہ ملنے کے باعث شرن لی تھی اور وقتی طور پر جذبۂ ناراضگی سے اس طرف مائل ہوئے تھے، پہلے ان کے ساتھ رابطہ قائم کیا گیا اور انہیں عہدے دینے کا لالچ دیا گیا اس کام میں بخشی غلام محمد کا ہاتھ بٹانے میں مسز اندرا گاندھی اور ان کے شوہر فیروز گاندھی نے اہم رول ادا کیا جو دہلی سے اس کام کے لیے سرینگر آئے تھے۔



(فیروز گاندھی) (مسز اندرا گاندھی)

ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کے خاتمہ بالخیر کے بارے میں کامریڈ کرشن دیو سیٹھی نے اپنی کتاب "یادِ رفتہ" میں لکھا ہے:

"یہ درست ہے کہ وزرا کی جو چنڈلی ہمارے ساتھ آئی تھی اسے آخرکار اقتدار کی دیوی تک ہی پہنچنا تھا لیکن اگر وہ کچھ عرصہ انتظار کرتی تو اپنی طاقت کے بل بوتے پر اقتدار تک پہنچ سکتی تھی لیکن بیلائے وزارت سے جدائی وہ زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکی اور سرنگوں ہو کر اقتدار کی دیوی کے آگے ماتھا ٹیک دیا۔ ہمیں تو اس چنڈلی کی غداری سے جو نقصان پہنچنا تھا پہنچا۔ لیکن خود بھی یہ چنڈلی ذلیل و خوار ہوگئی۔ جب اس نے بخشی غلام محمد کے ساتھ اس کے سربراہ غلام محمد صادق نے مشترکہ بیان جاری کر کے بخشی کی رہنمائی میں رشوت اور بھرشٹاچار ختم کرنے کی غرض سے نیشنل کانفرنس میں واپسی کا اعلان کیا۔ اگر اقتدار کے متوالے یہ افراد بروقت ہمارے ساتھ مشورہ کر کے پانسہ بدلتے تو شاید ہم بھی اُن کی راہ میں حائل نہ ہوتے تھوڑی بہت مروّت بھی باقی رہتی اور ان کو بہتر پوزیشن حاصل ہوتی لیکن موقع ملتے ہی انھوں نے اقتدار کی طرف چھلانگ لگائی اور پھر آگے پیچھے

کچھ نہیں دیکھا۔

سودے بازی مکمّل کرنے کے بعد غلام محمد صادق نے ماہ دسمبر کی یخ بستہ سردی میں سرینگر کے مقام پر رسمی کارروائی سرانجام دینے کے لیے ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ بلائی، حالانکہ معمول کے مطابق انہیں یہ میٹنگ سرمائی دارالخلافہ جموں میں منعقد کرنی چاہیئے تھی۔ لیکن شاید وہ اس وقت جموں میں چہرہ دکھانے کے قابل نہ تھے، اس لیے انھوں نے سرینگر کا انتخاب کیا۔ جموں کے ہم سب ورکنگ کمیٹی کے ساتھی ممبر سرینگر پہنچ کر گرینڈ ہوٹل میں ٹھہرے۔ رات کو میر قاسم، ڈی، پی در ہمارے پاس آئے اور بات چیت کی، بات چیت کے دوران انھوں نے ہمیں وزارت میں شمولیت کا لالچ دیا لیکن ہم نے ان کی اس غداری میں شمولیت سے انکار کیا اور انہیں جدوجہد جاری رکھنے کا فیصلہ سنا دیا۔

ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے دوران میں تحریک اور عوام کے ازلی دشمنوں سے اتحاد کے نقصانات بتلائے غرض کہ اپنا سارا زورِ خطابت صرف کیا، اس جدائی کے لیے اُن کی آنکھوں میں آنسو ضرور آئے لیکن قدم اقتدار کی کرسی کی طرف ہی بڑھے، بہرحال اپنی زندگی میں ایک اور صدمہ تھا جو برداشت کرنا پڑا اور میں کہنے پر مجبور ہو گیا ؎

مجھ کو راہِ زندگی میں اس قدر رہزن ملے
کہ گمان پر گمان رہنما ہوتا نہیں

ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کی تقسیم جس انداز سے ہوئی وہ انتہائی قابل افسوس امر ہے اور باعث کم ظرفی بھی جہاں کشمیر کے ممبران ورکنگ کمیٹی نے غلام محمد صادق اور ان کے حواریوں کا ساتھ دیا وہاں صرف موتی لال مصری غیر جانب دار رہا جیسا کہ وہ ہمیشہ تذبذب میں رہتا ہے وہاں جموّں کے سبھی ممبران نے ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کو قائم رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ماسوائے گردھاری لال ڈوگرہ کے جو کہ حکمران چنڈلی کی طرف گیا۔ علاقائی بنیادوں پر تقسیم انتہائی تکلیف دہ تھی لیکن اس کے برعکس کوئی چارہ نہ تھا تاہم

یہ بات باعث مسرت ہے کہ کشمیر کے کئی کارکنوں نے بہ رضائے خود ہماری ہمسفری کو ترجیح دی ان میں ملک غلام محمد، پیر بہاء الدین، پیر عبدالعزیز غلام محمد لون اور عبدالستار رنجور شامل تھے (ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کی اس تقسیم سے ناراض ہوکر نور محمد روشن نے سیاست کو ہی ترک کر دیا) مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس سے غداری کرکے وزارتی کرسیاں حاصل کرنے والے حضرات نے بعد ازاں ہمارے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کا رویہ اپنایا، یہ الگ بات ہے جس پر بعد ازاں تحریر کیا جائے گا۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر تکلیف دہ بات یہ ہے کہ وہ اس وقت ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کے رول کو تاریخ کے اوراق سے حذف کر دینا چاہتے ہیں۔

غلام محمد صادق اور ڈی پی در تو ہمیشہ کے لیے اس دنیا کو مفارقت دے چکے ہیں۔ گردھاری لال ڈوگرہ کو کبھی کچھ تحریر کرنے کی عادت ہی نہیں، لیکن میر قاسم نے "داستانِ حیات" کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اس میں ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کا ذکر اس سرسری انداز میں کیا ہے جیسے یہ کوئی واقعہ ہی نہ ہو، صرف ہمیں بخشی غلام محمد کی اندھا دھند مخالفت کے لیے موردِ الزام ٹھہرایا گیا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جموں و کشمیر کی تاریخ میں ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کا زمانہ یادگار رہے، خود میر قاسم کی سیاسی زندگی میں وہ سنہری زمانہ ہے جس سے ضلع اننت ناگ کے ضلعی عدالت کے ایک وکیل کو نہ صرف ریاست گیر بلکہ ملک گیر شہرت ملی اس کے مراسم مختلف شخصیتوں سے قائم ہوئے اور وہ بھی ریاست کی اہم شخصیتوں میں گنا جانے لگا۔ اگر ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کی تنظیم اور خصوصی طور پر اس کی جموں صوبہ کی اکائی اقتدار سے محروم ان سیاسی بے سہارا افراد کو پناہ نہ دیتی تو بخشی غلام محمد انہیں آن واحد میں تنکوں کی طرح بہا دیتا، حرفِ غلط کی طرح مٹا دیتا اور آج تک ان کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہتا، جس جماعت نے انہیں پناہ دی سہارا اور آسرا دیا

اور جس کے طفیل وہ دباؤ ڈال کر واپس وزارتی کرسیوں پر براجمان ہوئے اس کے متعلق اس قدر ناشکر گزاری کا رویہ اپنانا کسی کو زیب نہیں دیتا۔"

نوٹ:۔ سیٹھی صاحب، کشمیر کے لیڈران قوم کو چھوڑی ہوئی تھوک چاٹنے میں بھی شرم نہیں آتی آپ "زیب" دینے کا درس کن کو دیتے ہیں۔ ہمارے بیشتر لیڈر ایمان اصول اور آدرش سے بالکل خالی ہیں۔ سید میر قاسم کی "داستان حیات" اوّل سے آخر تک اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ وہ محض نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ اور بس۔



کرشن دیو سیٹھی

چونکہ انھیں یہ خوشنودی حاصل نہ ہو سکی اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ان کا اہم مقصد پورا نہ ہو سکا۔ سید میر قاسم نے اپنی کتاب "داستانِ حیات" میں لکھا ہے "شیخ صاحب جب کُد جیل میں تھے تو ان سے ملنے ڈاکٹر سی سبھرامن آئے تھے، جو پنڈت نہرو کی ہدایت پر آئے تھے، ان دونوں کے درمیان کیا بات چیت ہوئی، مجھے معلوم نہیں۔"

جس شخص کو یہ اہم بات چیت چھپانے کی مصلحت ہو، یا جرأت کی کمی ہو ان سے ہم اور کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔ کشمیر سرکار کے پاس اس بات چیت کا پورا ریکارڈ موجود ہے اور کشمیر سرکار میں سید میر قاسم کسی معمولی عہدے پر نہیں بلکہ سب سے بڑے عہدے پر براجمان رہے ہیں۔ بحیثیت وزیر اعلیٰ اور مقامی کانگریس کے صدر سید میر قاسم ایسے رازہا سے واقف ہیں جن کے ساتھ ریاستی عوام کا مقدر وابستہ ہے جن سے پردہ اٹھانے سے کشمیری عوام اپنا مستقبل اور اپنی منزل متعین کر سکتے ہیں، لیکن قاسم صاحب مصالحت سے کام لے کر محض کسی فرد کی ناراضگی کا خیال کرکے عوام کو بے خبر رکھنے کا جو مجرمانہ فعل کر چکے ہیں، وہ انکی "داستانِ حیات" میں نمایاں ہے۔



جنوری ۱۹۵۸ء میں رہائی کے موقع پر سرینگر میں

شیخ محمد عبداللہ کے استقبال منظر

ہمارے ہاں کی سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

معزول وزیر اعظم کی رہائی اور اُن کی سرگرمیاں

صدر ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کی طرف سے شیخ صاحب کی رہائی کے مطالبے کی ...نہرو نے حمایت کی ، یہ حمایت بخشی صاحب کے لیے پریشانی کا باعث بن گئی ، بخشی ...احب نومبر کے مہینے میں دہلی گئے ۔ وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کو شیخ عبداللہ کی رہائی ...کے خطرات سے آگاہ کرنے کے باوجود بھی پنڈت جی اس بات پہ ڈٹے رہے کہ شیخ عبداللہ ...مسلسل نظر بند رکھنا کوئی اچھی بات نہیں ان سے ہمیں سیاسی طور پر مقابلہ کرنا ہوگا اگر ...ب سے ایسا نہیں ہوسکتا تو اس کام کے لیے کسی اور کو آزمایا جاسکتا ہے ۔

بخشی غلام محمد کے لیے یہ ایک چیلنج تھا جو انھوں نے قبول کر لیا اور دہلی سے واپسی پر ...نھوں نے اپنے مشیروں سے اس بارے میں صلاح مشورہ کیا ۔ چنانچہ ان کی رہائی سے قبل ...ی ان کی دوبارہ گرفتاری کا پلان بھی بنایا جانے لگا ، جس سے مرکزی سرکار کو قطعی بے خبر ...رکھا گیا ۔

وزیر اعظم بخشی غلام محمد اس وقت محاذ رائے شماری کے ساتھ ساتھ ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس سے بھی برسر پیکار تھے ۔ سرینگر کی پنڈت برادری اور جموں کی پرجا پریشد ان سے ناراض تھی ۔ شیخ عبداللہ کی متوقع رہائی کے پیش نظر انھوں نے صادق صاحب اور دوسرے ناراض لیڈروں کے پاس اپنا ایلچی بھیج کر انہیں واپس تنظیم میں آنے پر آمادہ کیا ۔

شیخ محمد عبداللہ ۸ جنوری ۱۹۵۸ء کو کٹھ جیل سے رہا کیے گئے اور شام کے وقت انہیں ایک گاڑی میں بٹھا کر راتوں رات سرینگر پہنچانے کا فیصلہ کیا گیا مگر شیخ صاحب

سرکاری گاڑی میں شام کے وقت سرینگر جانے پر راضی نہ ہوئے لاچار ہو کر انھیں ڈاک بنگلے میں پہنچا یا گیا۔

شیخ عبداللہ کی رہائی کی خبریں آنے لگیں تو لوگ بڑی بے چینی اور بے صبری سے انکا انتظار کرنے لگے۔ ۱۱ر جنوری کو شیخ صاحب بانہال آئے، یہاں ان کا لامثال استقبال کیا گیا۔ بانہال سے نکل کر وہ ایک کارواں کے ساتھ قاضی گنڈ آگئے تو مقامی آبادی ان کے استقبال میں امنڈ آئی ــــ قاضی گنڈ سے شیخ صاحب کاروں، جیپوں اور گاڑیوں کے جلوس میں اسلام آباد آئے تو لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اُن کے انتظار میں تھا۔

اگلے روز ۱۲ر جنوری کو شیخ صاحب سرینگر آئے تو انسانی سروں کا ایک سیلاب تھا جو تمام بڑی بڑی سڑکوں پر دکھائی دے رہا تھا۔

لوگوں کے بے پناہ ہجوم میں اُس جیپ گاڑی کو دیکھ کر نہ صرف ریاستی سرکار بلکہ مرکزی سرکار بھی گھبرا اٹھی، بخشی صاحب نے ان کی رہائی پر جو خدشہ ظاہر کیا تھا اس سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوا، شیخ صاحب اگر اس وقت ایک اشارہ کرتے تو بخشی صاحب اور ان کی کابینہ کا نام و نشان مٹ جاتا، شیخ عبداللہ کے ساتھ لوگوں کا سیلاب دیکھ کر ریاستی حکومت ایک طرح سے غائب ہوگئی۔

لال چوک پہنچ کر شیخ محمد عبداللہ نے لوگوں کے جوش و خروش کو دیکھ کر مرکزی سرکار کو للکارا اور بڑے تیز لہجے میں اپنی تقریر کا آغاز کیا:۔

بزرگو، بھائیو اور بہنو!

السلام علیکم!

آج عرصہ ساڑھے چار سال کی جدائی کے بعد میں آپ لوگوں سے مل رہا ہوں، میرے استقبال میں لوگوں کا یہ سیلاب زبانِ حال سے کہہ رہا ہے۔ "کشمیر، کشمیریوں کا ہے!"

کشمیر کا فیصلہ کشمیری عوام کر سکتے ہیں میں بہ آواز بلند کہہ رہا ہوں کشمیر پنڈت نہرو کی ملکیت نہیں ہے، حق خود ارادیت ہمارا پیدائشی حق ہے اور یہی میرا ایمان، میرا موقف اور میرا اصول ہے، اپنے اس موقف سے دستکش ہونے کے لیے مجھے ہندوستان کیا ساری دنیا کی فوج متاثر نہیں کر سکتی،

دھن اور دولت ترغیب نہیں دے سکتی۔

سُنو اور کان کھول کر سنو؟

میں بھارت کے ڈیڑھ پاؤ چاول یا ایک پاؤ گندم کے لیے اپنے وطنِ عزیز کو بھارت کے ہاتھوں فروخت کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دے سکتا۔ میں نہ جیل سے ڈرتا ہوں اور نہ ہی تختۂ دار سے لیکن میں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ کشمیر بھارت کا حصّہ رہے۔

۹ر اگست ۱۹۵۳ء کے واقعہ اور اسمبلی اپنے ممبران کا مکمل اعتماد کھو چکی ہے اور اب عوام کو ان اراکین پر سیاسی اور اقتصادی امور کے بارے میں ذرّہ بھر بھی بھروسہ نہیں رہا ہے۔ یہ فریب وہی اور جعلسازی ہوگی اگر یہ بھارت کے ساتھ الحاق کی تصدیق کرے اور آئندہ نسلوں کے بنیادی قانون تیار کرے۔

میں اپنے اصولوں اور اپنے عوام کے مفادات قربان کر کے پنڈت نہرو کی دوستی نہیں نبھا سکتا، نہرو دوستی کی آڑ میں میری پیٹھ میں چھرا گھونپ سکتے ہیں لیکن میں اپنے عوام سے غدّاری نہیں کر سکتا، جو لوگ آج بھارت کے ساتھ الحاق کی راگ الاپ کر قوم کے ساتھ غدّاری کر رہے ہیں انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

بھارت کا یہ اعلان کہ کشمیر کا الحاق ہو چکا ہے یہ ایک کابوس ہے فریب ہے اور اس فریب پر چند کٹھ پتلیوں کا اعتراف ہو سکتا ہے لیکن یہ کشمیر کے پچاس لاکھ لوگوں کی رائے نہیں ہو سکتی، کشمیر کے پچاس لاکھ لوگ حق خود ارادیت چاہتے ہیں اور اس کا اظہار ہم نے آج نہیں بلکہ ۱۹۳۱ء میں کیا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اس حق سے محروم نہیں کر سکتی اس لیے کہ یہ ہمارا بنیادی حق ہے اور ساری دنیا ہمارے اس حق کو تسلیم کر چکی ہے، کشمیر کا بچّہ، بچّہ اس وقت تک اپنی جدوجہد جاری رکھے گا جب تک کشمیریوں کو حق خود اختیاری نہیں مل جاتا، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہم ہر قسم کی قربانیوں سے دریغ نہیں کریں گے۔

کشمیری عوام حق خود ارادیت کے اصول کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار رہیں اور ضرورت پڑنے پر وہ الجزائری عوام کی طرح آزادی کی جنگ لڑنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ میں آپ لوگوں کے سامنے یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی حکمران ٹولی کی نیت ٹھیک نہیں ہے اور آزادی بھیک مانگ کر حاصل نہیں کی جاسکتی، اس لیے آپ لوگوں کو ہندوستان کے موجودہ رویے کی روشنی میں دوسرے ذرائع اختیار کرنے ہوں گے۔

بھارت نے ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا ہے۔ وزارتِ عظمیٰ سے میری غیر قانونی اور غیر آئینی برطرفی اور مقدمہ چلائے بغیر مجھے طویل عرصے تک نظر بند رکھنا بذاتِ خود اس امر کی افسوسناک مثالیں ہیں کہ مقدس وعدوں اور یقین دہانیوں کی کس قدر قدر و منزلت کی جاتی ہے۔

پنڈت نہرو کا خیال تھا اتنی طویل نظر بندی کے بعد میں اپنے موقف سے ہٹ جاؤں گا لیکن ایسا نہیں ہوا دنیا آج دیکھ رہی ہے اتنے مصائب کے باوجود بھی میں اپنے موقف کی رکھوالی کر رہا ہوں اور اپنے ایمان اور اصول پر قائم ہوں۔

انسان اور حیوان میں یہی ایک بہت بڑا فرق ہے کہ انسان زندگی بھر اپنے موقف اپنے ایمان اور اصول کو اپنی جان سے بھی عزیز جان کر ان کی حفاظت کرتا ہے، جبکہ حیوان کے پاس ان چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

پنڈت نہرو اور ان کے حواری یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ مجھے ایک بار نہیں بلکہ صد ہزار بار گرفتار کر سکتے ہیں لیکن وہ میرے عزم اور نظریات کو قید نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکتے۔"

شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے بعد سرینگر کے لال چوک میں ایک بہت بڑے اور عظیم اجتماع میں ان کی ایک گھنٹے کی تقریر کے دوران لوگوں نے جس جوش اور جذبہ اور تالیوں سے ان کے ایک ایک لفظ کی تائید و حمایت کی اس سے تحریک ایک نئے مرحلے میں داخل ہوگئی۔ لالچوک سے رخصت ہو کر شیخ صاحب اپنی کوٹھی پر آئے اور دیر تک ملنے والوں کے نرغے میں رہے۔

رات کو بارہ بجے کے قریب شیخ صاحب کسی کو بتائے بغیر گاڑی میں سوار ہو کر سیدھے وزیر اعظم بخشی غلام محمد کے ہاں گئے، بخشی صاحب اس وقت اپنے چند وزراء کے ساتھ شیخ عبداللہ کی رہائی سے پیدا شدہ صورتِ حال پر تبادلۂ خیال کر رہے تھے، جب انہیں شیخ صاحب کے آنے کی اطلاع مل گئی تو پہلے انہیں یقین ہی نہیں آیا، لیکن جب انھوں نے شیخ صاحب کو اندر آتے دیکھا تو وہ فوراً ان کے سواگت کو دوڑ پڑے، دونوں ہاتھ ملا کر بڑی گرمجوشی سے ملے۔ بخشی صاحب نے ان کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ اپنے بیڈروم میں لے آئے۔

باقی لوگ دوسرے کمرے میں رہے ان میں جمنا داس اختر بھی تھے، شیخ صاحب کوئی ایک بجے رات تک یہاں رہے اس دوران دونوں نے دوستانہ ماحول میں سیاسی اور نجی معاملات پر گفتگو کی بخشی صاحب نے شیخ عبداللہ کو ان تمام کاموں کی تفصیلات بتا دیں جن کو شیخ صاحب نے ادھورا چھوڑا تھا اور اب بخشی صاحب نے ان کو پورا کر دیا تھا۔

بقول جمنا داس اختر؛ اس گفتگو کے دوران دونوں طرف کچھ شکوے اور شکایات کا تبادلہ ہوا، بخشی صاحب نے دن کے وقت لالچوک میں ان کے تیز و طرار تقریر کے بارے میں پوچھا تو شیخ صاحب نے جواب دیا۔

"کچھ بھی ہو، میں نے آپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا، جو کچھ کہا مرکزی سرکار کے خلاف کہا۔"

"آپ کو میرے خلاف کچھ کہنا بھی نہیں چاہیے، آپ میرے خلاف بولیں گے تو میں چپ نہیں رہوں گا۔"

"آپ کیا کریں گے؟" شیخ عبداللہ نے پوچھا۔

"آپ تو بخوبی جانتے ہیں، میں آپ کا رازدار ہوں۔"

جمنا داس اختر کا کہنا ہے، شیخ عبداللہ نے بخشی صاحب کے سامنے اس بات کا اقرار کر لیا کہ میں آپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہوں گا، لیکن بعد میں جب بیگ صاحب کو اس اقرار نامے کے بارے میں پتہ چلا تو انھوں نے شیخ صاحب سے یہ کہہ کر ان کا حوصلہ بلند کیا کہ آپ بخشی سے کیوں ڈر رہے ہیں لوگ اُن کی کسی بات کا کبھی اعتبار نہیں کریں گے وہ ہمارے بارے میں کچھ بھی کہیں لوگ یقین کرنے والے نہیں۔"

مرزا افضل بیگ کی یہ دلیل قبول کر کے شیخ محمد عبداللہ نے وعدہ توڑ کر بخشی غلام محمد

کو بھی آڑے ہاتھوں لیا۔ بخشی غلام محمد نے پنڈت نہرو سے رجوع کیا تاکہ وہ شیخ عبداللہ کے بارے میں ایک وہائٹ پیپر جاری کر سکیں جس میں شیخ صاحب کی کوٹھی سے خفیہ دستاویزات اور بعض اہم خطوط فوٹو گراف وغیرہ شامل کر کے رازہائے دروں کو آشکارا کر سکیں پنڈت نہرو بخشی غلام محمد کی اس تجویز پر ابھی غور ہی کر رہے تھے کہ شیخ عبداللہ نے مس مردولا سارا بائی سے رابطہ قائم کیا، چنانچہ مس مردولا سارابائی ایک زبردست رکاوٹ بن گئی، انہوں نے پنڈت جواہرلال نہرو کو اس قسم کی حرکت سے باز آنے کے لیے ایک طرح کا الٹی میٹم دے دیا پنڈت نہرو نے ہاتھ روک لیا تو بخشی صاحب ان کے رویے سے ناراض ہو گئے، وہ پہلے ہی شیخ صاحب کی رہائی کے خلاف تھے۔ کشمیر میں حالات خراب کرنے کا الزام انہوں نے پنڈت نہرو پر عاید کیا، بخشی صاحب نے شیخ عبداللہ سے چھٹکارا پانے کے لیے انہیں کسی الزام میں ملوّث کرنے کا فیصلہ کر لیا۔



(مس مردولا سارابائی)

شیخ محمد عبداللہ نے ۱۶ر فروری ۱۹۵۸ء کو پریس کانفرنس میں جو بیان دیا اس میں مقامی پریس رپورٹروں کے علاوہ ملک بھر کے بعض پریس نمائندے بھی شریک ہوئے شیخ عبداللہ سے بے شمار سوالات کیے گئے اور انہوں نے تفصیلات کے ساتھ جو جوابات دیئے ان کا مجموعی نچوڑ یہ تھا۔

"کشمیر کا قطعی فیصلہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں جمہوری طریقوں سے یہاں کے عوام کی خواہشات کے مطابق ایک آزاد اور غیر جانب دار استصواب رائے سے ہوگا۔

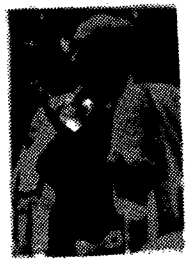
۱۹۵۰ء میں اس موضوع پر بھارتی پارلیمان میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے پنڈت نہرو نے خود ریاست کے الحاق کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ تابع رائے شماری ہے۔

پنڈت نہرو نے مجلس قانون ساز کے الحاق کے بارے میں فیصلے کو غیر قانونی قرار دیا تھا اور کہا تھا کہ اس سے کشمیر کے بارے میں بین الاقوامی تنازعہ حل نہیں ہو سکتا۔

سکیورٹی کونسل کی ۲۱ر اپریل ۱۹۴۸ء ۳ر جون ۱۹۴۸ء اور ۲۴ر مارچ ۱۹۵۰ء

کی قراردادوں کے مطابق کشمیر کا حتمی فیصلہ انجمن اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہونا قرار پایا ہے۔"

شیخ محمد عبداللہ نے اپنی رہائی سے گرفتاری تک وادی کے دورے کے دوران جو تقریریں کیں اور مختلف مقامات پر جو بیانات دیئے ان کو مجاہد منزل کی طرف سے **"مجموعۂ تقاریر شیر کشمیر"** کے نام سے ایک کتابچے میں شائع کرایا گیا، چونکہ ان ساری تقریروں کو یہاں درج کرنا مناسب نہیں لہٰذا ان ساری تقریروں اور بیانات کا نچوڑ درج کیا جا رہا ہے۔



"بھارتی حکمراں اور یہاں کے وزراء اور دوسرے مخالف میرے بارے میں جو کچھ بھی آج کل کہہ رہے ہیں اس میں اعتراضات دھمکی اور تلخ نوائی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ میرے بارے میں سب سے بڑا الزام یہ لگایا جا رہا ہے کہ بھارت کے ساتھ ریاست کا الحاق شیخ عبداللہ نے کیا ہے، فوج اس نے منگائی ہے۔ اسی نے اسمبلی بنائی، دہلی کا معاہدہ بھی اسی نے کیا۔ ٹھیک ہے — ۹ر اگست ۱۹۵۳ء تک میں نے جو اقدامات کیے، مجھے ان سے انکار نہیں لیکن یہ سب باتیں تابع رائے شماری تھیں۔ کسی بھی اقدام کا مقصد یہ نہ تھا کہ رائے شماری نہیں ہوگی، الحاق کو عارضی تسلیم کیا گیا۔ رائے شماری کی شرائط پر تمام اقدامات ہوتے تھے، جب جب کوئی بات ہوئی اس شرط کو مقدم سمجھا گیا۔

شیخ عبداللہ نے وزارت چھوڑی، قید و بند کو قبول کیا تو اسی لیے کہ ریاست کے عوام کو عزت و آزادی ملے ان کو وہ حق ملے جو ساری دنیا تسلیم کر چکی ہے اور جب تک ریاستی عوام کو حق خود ارادیت نہیں ملتی میری جد و جہد جاری رہے گی۔ اس مقصد کو حاصل کیے بنا میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ میں نے قوم سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کر کے ہی رہوں گا۔"

اس کتابچے کے دیباچے میں محاذِ رائے شماری کے صدر مرزا افضل بیگ نے لکھا ہے:

"۔۔۔ یہ کہنا کہ مسئلہ کشمیر میں پاکستان کوئی فریق نہیں ہے بے سود ہے، یہ تاریخ اور واقعات سے آنکھیں موندھنے کے مترادف ہے، پاکستان اس مسئلہ میں سراسر فریق ہے اور مؤثر فریق رہا ہے، جنگ بندی کا معاہدہ کس سے کیا گیا تھا۔ سیکیورٹی کونسل کی قرار دادوں، فیصلوں اور تاشقند معاہدے میں کون فریق تھا؟ اور کس نے دستخط کیے تھے؟ اِن ٹھوس حقایق کی موجودگی میں یہ بات کیسے قبول ہوگی کہ پاکستان کو مسئلہ کشمیر میں کوئی دخل نہیں ہے، ہم تاریخ کو کیسے مٹا سکتے ہیں۔ شیخ صاحب نے تو ٹھیک ہی کہا ہے۔ ایک انگریزی کہاوت ہے کہ اگر کبھی ہم احمقوں کی طرح سوچیں بھی لیکن احمقانہ فعل نہیں کرنا چاہیئے۔

مجلسِ اقوامِ متحدہ کے سکریٹری جنرل اوتھانٹ نے بھی یاد دلایا ہے کہ مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں بدستور موجود ہے۔ ہمیں خود فریبی میں مبتلا ہو کر شتر مرغ کی چال نہیں چلنا چاہیئے۔ کشمیر پاکستان کے دروازے پر ہے اور بیس برسوں سے ہندوستان نے اپنے عمل سے پاکستان کو کشمیر کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے، حقیقتیں بے رحم سہی مگر ناقابلِ فراموش نہیں۔"

اس طرح رہائی کے ساتھ مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر محاذِ رائے شماری کی لیڈر شپ نے کھلم کھلا اور واضح الفاظ میں عوام کے لیے حقِ خود ارادیت" کے موقف کا اعادہ کیا۔ اور خود بھی اسی لائن پر چلنے کا عہد کیا، اسی دوران غلام نبی گلکار نے راولپنڈی سے شیخ صاحب کے نام ایک پیغام روانہ کیا جو آوازِ حق" راولپنڈی کے شمارے میں ۲۵ جنوری ۱۹۵۸ء کو چھپ گیا ہے۔

"میں آپ کی خدمت میں بذریعہ اخبار ہٰذا اپنی طرف اور اپنی پارٹی کی طرف سے اور اُن تمام محبّانِ وطن کی طرف سے جو آپ کی رہائی پر خوش ہیں، دِلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ اسے قبول فرمائیں گے اور اس وعدے پر قایم رہیں گے جو آپ نے میرے ساتھ قلعہ ہاری پربت کی کال کوٹھری میں ۱۹۳۱ء میں کیا تھا کہ اس وقت تک دم نہیں لیں گے جب تک

کہ ریاست کو آزاد نہیں کرائیں گے۔ انشاء اللہ! یقیناً آپ کا وہ خواب بھی پورا ہوگا جو آپ نے دیکھا تھا کہ کسی نے آپ سے لعل چھینا تھا، مگر اس کے ہاتھ میں وہ پتھر ہوگیا۔ جب وہ دوبارہ آپ کے ہاتھ میں آگیا تو وہ پھر چمکنے لگا۔

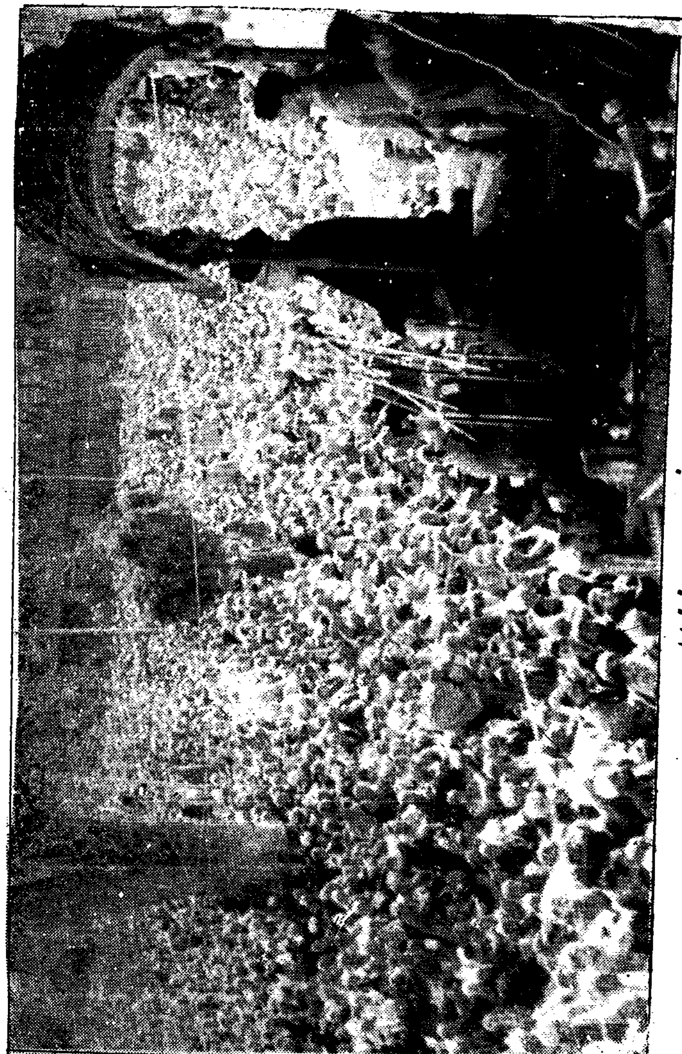
اب ہماری عمریں کافی ہو چکی ہیں، گزشتہ ۲۸ سال کی جدوجہدِ آزادی نے ہمیں یہی سبق دیا کہ اگر اس آخر عمر میں ہمارے پاؤں ڈگمگائے اور اہلِ سیاست غیروں کی غلامی سے آزاد نہ ہوسکے اور ہم جھوٹے وقار، [illegible] دولت اور حشمت کے لیے بک گئے اور آلہ کاروں کی حیثیت سے دوسروں کی طرح جدوجہد میں مصروف رہے تو یقیناً ہماری ساری جدوجہدِ آزادی بے معنیٰ ثابت ہوگی اور رہتی دنیا تک ہمارے لیے بدنما داغ رہے گا اور آئندہ آنے والی نسلیں کبھی بھی ہمارا نام عزت اور احترام کے ساتھ یاد نہیں کریں گی بلکہ تاریخ چلا چلا کر پکار اُٹھے گی کہ یہ لوگ صرف اپنی جاہ و حشمت کے لیے قوم کی خدمت کا دعویٰ کرتے تھے، ان کی بزدلی اور لالچ نے آئندہ نسلوں کو دوسروں کا غلام بنا دیا ہے، دولت اور حشمت آتی ہے اور جاتی ہے مگر قوموں کی آزادی اور خود مختاری بار بار نہیں آتی۔ جب ایک بار آجائے تو قوم کا فرض ہے کہ اس کی قدر کرے اور اس کی حفاظت کے لیے ہر طرح کی قربانیاں کرتی جائے۔ اسی میں زندگی کا راز مضمر ہے اور یہی حقیقی زندگی ہے۔ والسّلام!"

محترم گلکار صاحب کے اس پیغام سے ایک بات یہ واضح ہو جاتی ہے کہ قلعہ ہاری پربت میں اسیری کے دوران شیخ صاحب ایک خاص قسم کا خواب دیکھا کرتے تھے۔ ریاست کی آزادی ان کے ہاتھ میں ہیرے کی طرح چمکتی تھی اور دوسروں کے ہاتھ میں یہ ہیرا پتھر بن جاتی تھی۔

اگر شیخ صاحب نے سچ مچ ایسا ہی خواب دیکھا تھا تو پوچھا جاسکتا ہے کہ انھوں نے کشمیر کی آزادی کا ہیرا دوسروں کے ہاتھوں میں خود ہی پتھر بنانے کے لیے کیوں دے دیا۔ گلکار صاحب نے اپنے پیغام کے ذریعے انہیں جو نصیحت کی تھی اس پر بھی کوئی عمل

نہیں کیا۔ نتیجہ کے طور پر آج تاریخ ان کے بارے میں واقعی چلا چلا کر کہہ رہی ہے یہ شخص صرف اپنی جاہ وحشمت کے لیے قوم کی خدمت کا دعویٰ کر رہا تھا، ان کی بزدلی اور لالچ نے نسل در نسل کو دوسروں کا غلام بنا دیا۔ غلام نبی گلکار کی یہ بات کاش شیخ نے گرہ میں باندھ لی ہوتی، کہ اگر اس آخر عمر میں ہمارے پاؤں ڈگمگائے اور اہل ریاست غیروں کی غلامی سے آزاد نہ ہو سکے اور ہم جھوٹے وقار، ناپائیدار دولت اور حشمت کے لیے بک گئے تو ہماری ساری جدوجہد آزادی بے معنی ثابت ہوگی اور رہتی دنیا تک ہمارے لیے بدنما داغ رہے گا اور آئندہ آنے والی نسلیں کبھی بھی ہمارا نام عزت و احترام کے ساتھ یاد نہیں رکھیں گی اور جب بھی وہ ہمارا نام لیں گی اس میں عزت و احترام مفقود ہوگا۔

صاف ظاہر ہے، گلکار صاحب نے جن باتوں کی نشاندہی کی تھی وہ ہو بہو پیش آ رہی ہیں۔



ڈھائی لاکھ کے اس عظیم اجتماع کے سامنے شیخ صاحب نے فرمایا۔
معراج النبی صلعم کے اس متبرک جمعہ کے دن درگاہ حضرت بل کے صحن پاک میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جان کر
یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہم ... آزادی کی جدوجہد جاری رکھیں گے



درگاہ حضرت بل کے سامنے عوامی اجتماع

ہم کسی بہروپیے کو جان لیں مشکل نہیں
اس کو کیا پہچانیے جس کا کوئی چہرہ نہ ہو

درگاہ حضرت بَل میں تجدیدِ عہد
پنڈت نہرو کی نئی حکمتِ عملی

فروری ۱۹۵۸ء کی اکیس تاریخ کو معراج النبی صلعم کی تقریب کے بعد جمعۃ الوداع تھا، محاذ رائے شماری کی طرف سے سارے شہر میں منادی کرائی گئی کہ تمام لوگ حضرت بل میں آئیں، جہاں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ عوام سے خطاب کریں گے اس روز شہر اور دیہات سے کوئی ...ائی لاکھ لوگ حضرت بل میں حاضر ہوئے۔ اور انہوں نے اس عظیم اجتماع میں تلاوت قرآن کریم کے بعد فرمایا :-

"..... ریاست جموں وکشمیر کے آئندہ تعلقات کے بارے میں آخری فیصلہ کرنے کا حق اس ریاست کے عوام کو حاصل ہے اور فیصلہ لینے کی منصفانہ صورت یہ ہے کہ ریاست کے عوام کو اپنی خود اختیاری کا حق غیر جانبدار بین الاقوامی نگرانی میں ایسے مسلّم جمہوری طریقے استعمال کر کے دلایا جائے جس پر دونوں فریق اتفاق کر چکے ہیں۔

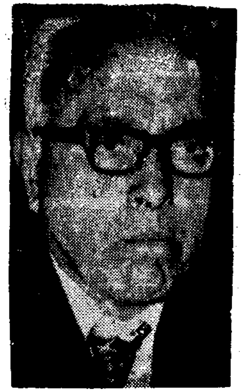
میں نے تمہارے سامنے آج اس عظیم دن اور مقدس درگاہ میں ایک تجویز رکھ رہا ہوں اگر تمہیں میری اس تجویز کے ساتھ اتفاق ہے تو زبان سے ہاں اور اپنے یقین پر میرے ساتھ خدا اور اس کے رسول صلعم گواہ بناتے ہوئے اپنے ہاتھ بلند کریں۔"

تمام حاضرین نے اپنے اپنے ہاتھ بلند کیے ان میں سے بیشتر لوگوں نے دو دو ہاتھ بلند کیے

ادھر شیخ صاحب، بیگ صاحب، بیگم عبداللہ اور دوسرے معززین نے بھی ہاتھ کھڑے کیے اسی دوران شیخ عبداللہ نے بڑے جذباتی لہجے میں فرمایا؛

"میں آج کے روز معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس متبرک جمعہ کے دن درگاہ حضرت بل کے صحن پاک میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جان کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ حرّیت و آزادی کی راہ میں قربانی پیش کرنے اور آزادی کی جدوجہد کو جاری رکھنے کے لیے میں اس عہد کی تجدید کرتا ہوں جو ستائیس سال قبل خانقاہ معلّٰی کے صحن پاک میں لیا گیا تھا ہم اس یقین اور ایمان کا اظہار کرتے ہیں کہ کشمیر کے الحاق کا آخری فیصلہ وہی ہوگا جو حقِ خود ارادیت کا حق استعمال کرکے ریاست کے عوام اندرونی اور بیرونی دباؤ سے آزاد ہو کر جمہوری طریقے سے صادر کریں ہم آج اس مقدّس دن پر اس پاک مقام پر حلف اٹھاتے ہیں کہ عوام کے اس حق کو حاصل کرنے کے لیے ہم اپنی پُرامن جدوجہد جاری رکھیں گے اور حقّ خودارادیت حاصل کرنے کی راہ میں ہر ممکنہ قربانی دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔"

ایک ایسا لیڈر جو اتّفاق سے مسلمان بھی ہو جو قرآن مجید کو خدا کی کتاب اور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر مانتا ہو، مقدس آستانے پر معراج النبی صلعم کے جمعۃ الوداع کے روز رسولِ خدا صلعم کو حاضر و ناظر جان کر قوم کے سامنے وعدہ کرے اور پھر اس وعدے سے منحرف ہو جائے۔ میرے خیال میں ایک ایسا گناہ عظیم ہے جس کا عام مسلمان بہ آسانی اندازہ کر سکتا ہے۔



عوام کے عزیز رہنما شیخ محمد عبداللہ اس گناہ کے ایکبار نہیں بلکہ بار بار مرتکب ہوئے ہیں لیکن انہوں نے نہ کبھی اعترافِ گناہ کیا اور نہ ہی اس کے لیے خدا کے حضور میں توبہ کی اسلامی نکتہ نظر سے جب تک وہ اس گناہ عظیم کو بخشوانے کے لیے کھلّم کھلّا توبہ نہیں کریں گے (یہ دوسری بات ہے کہ خدا ان کی یہ توبہ منظور کرتا ہے یا نہیں) تب تک وہ برابر اپنے کندھوں پر گناہِ عظیم کا یہ بوجھ اٹھائے رکھیں گے۔ اور ان کی پیروی کرنے

والے ان کو اپنی بھرپور حمایت دینے والے شریکِ گناہ بن گئے اور بن رہے ہیں۔

شیخ عبداللہ نے اتنا عظیم گناہ کیوں کیا، اور ایسا گناہ کرنے کے باوجود انہیں اس کی ذرّہ بھر بھی شرمندگی اور ندامت کیوں نہ ہوئی۔؟ شاید اس لیے کہ وہ ایک سیاستداں تھے، اور ایک ایسے سیاستداں کے متعلق انھوں نے خود ہی آل انڈیا اسٹیٹس پیوپلز کانفرنس کا صدر منتخب ہونے کے موقع پر اپنی تقریر کے دوران فرمایا؛

"اس کانفرنس کی صدارت میری ذاتی عزّت افزائی نہیں بلکہ یہ اُس تحریک کی قوّت اور وسعت کا بھی اعتراف تھا جس کی قیادت کا مجھے فخر حاصل ہے، پچاس سال کے عرصے میں، میں بھی مہاتما گاندھی اور ان کے بڑے دل و دماغ کے ساتھیوں کے کندھوں کے ساتھ کندھا ملاتا رہا ہوں جنہوں نے اقتدار پر اقدار کی سربلندی کو ترجیح دی اور میری عمر کا بہترین حصّہ اسی آویزش میں جیل اور زنجیر خانوں میں گزرا۔

آج کی دنیا میں سیاست خدمت کے بدلے تجارت بن گئی ہے بلکہ جو لوگ کسی اور ہنر میں کامیاب نہیں ہوتے وہ سیاست میں مالا مال ہو جاتے ہیں، آج کے سیاستدانوں کے لیے مکر و فریب جھوٹ اور بے کرداری زیور بن گئی ہے ...... ہم سب نے ایسے بازیگروں کا عبرتناک انجام دیکھ لیا ہے جنہیں اُن کی سیاست گری اور ان کے مال و متاع کے معیار پر بڑا ہوشیار خیال کیا جاتا تھا، خدا کی بارگاہ میں ایسے فریب کار جو سادہ لوح عوام کے اعتماد سے کھل کھیلیں رسوا و خوار تو ہو جائیں گے لیکن اس دُنیا میں بھی ان کا انجام کچھ کم بُرا نہیں ہوگا۔"

انگریزی زبان کے ایک نامور مصنّف اور شہرہ آفاق ڈرامہ نویس ولیم شکسپیر نے MERCHANT OF VENICE میں فرمایا ہے:-

---

ؔ شیخ صاحب جیسا سیاستداں جو سیاست کے میدان میں اتر کر اپنے گزارے کے لیے قرضہ حاصل کرتا تھا، چائے اور پانی کے ساتھ روٹی کھا کر گزارہ کرتا تھا۔ کروڑوں کی جائیداد کا مالک بن گیا۔

ؔ نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ پر بھی یہی لیبل چسپاں ہو گیا ہے۔

" شیطان اپنے مقصد کی خاطر مقدس کتاب استعمال کرسکتا ہے ایسی شریر روح جو مقدس شہادت کا حوالہ دے ان کی مثال اُس بدمعاش کی جیسی ہے جو بظاہر ہنس مکھ ہو، ایک خوبصورت سیب ہو جو اندر سے سڑا ہوا ہو "

شیخ محمد عبداللہ کی حضرت بل والی تقریر کا نہ صرف ریاستی سرکار بلکہ مرکزی سرکار نے سخت نوٹس لیا۔ مس مردولا سارا بائی جو اس دوران پنڈت نہرو اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان صلح صفائی کا بیڑا اٹھائی ہوئی تھی۔ پنڈت نہرو کی ہدایت پر سرینگر تشریف لائیں۔ یہاں ایک ہفتہ تک قیام کے دوران انھوں نے شیخ صاحب سے کئی ملاقاتیں کیں۔ سرینگر سے دہلی جانے کے صرف دو روز بعد وہ پھر ۴ مارچ ۱۹۵۸ء کو یہاں آگئیں اور صلح صفائی کی بات چیت آگے بڑھانے لگیں۔ شیخ صاحب نے ۱۹۵۲ء (دہلی ایگریمنٹ سے قبل) کی پوزیشن کی بحالی کی صورت میں صلح کرنا مان لیا۔ لیکن پنڈت نہرو صرف موجودہ پوزیشن بحال کررہے تھے اس بات چیت کے بارے میں جب بخشی غلام محمد کو پتہ چلا تو وہ سخت سیخ پا ہو گئے، اگر شیخ صاحب وزارت سنبھالنے کے لیے آمادہ ہوتے ہوتے تو بخشی غلام محمد نے نہرو کی پالیسی کے خلاف بطور احتجاج استعفیٰ دیا ہوتا۔ مس مردولا سارا بائی کے بعد جب وجے لکشمی پنڈت اس مسئلے کو آگے بڑھانے کے لیے تشریف لائیں اور انھوں نے شیخ صاحب کے لیے راستہ چھوڑنے کی صورت میں بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق اور گردھاری لال ڈوگرہ کو مرکزی کیبنٹ میں لیے جانے کا سمجھا دیا تو بخشی صاحب کے پاؤں تلے زمین سرکنے لگی۔

اس فیصلے کو غلام محمد صادق اور ڈی پی در نے قبول کیا لیکن بخشی غلام محمد وزارت عظمیٰ کا عہدہ چھوڑنے سے صاف مکر گئے۔

بخشی غلام محمد نے اپنی ڈائری میں اعتراف کر لیا ہے کہ جب میں نے اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کی دھمکی دی تو پنڈت نہرو نے ہاتھ روک دیا، اگر میں نے اس وقت ۱۹۵۸ء میں پنڈت نہرو کا فیصلہ مان لیا ہوتا تو شیخ صاحب آزادی، حق خود ارادیت اور رائے شماری سے دستبردار ہو کر دوبارہ اقتدار حاصل کر چکے ہوتے۔

کشمیر کے عوامی لیڈر نہ جانے کس مٹی کے بنے ہیں اور اقتدار کے لیے وہ اپنے نظریات کے ساتھ خیالات اور اصول و آدرش بھی بھول جاتے ہیں۔

بخشی غلام محمد نے شیخ عبداللہ پر کبھی یہ الزام لگایا تھا کہ اگر وہ عارضی طور پر

اقتدار سے دست بردار ہو گئے ہوتے تو آج کشمیر خودمختار مملکت کے روپ میں ہوتا، انہوں نے اپنے اقتدار کے لیے ریاستی عوام کی آزادی کو بھینٹ چڑھا دیا۔

اس قسم کا الزام خود بخشی صاحب پر بھی لگ سکتا ہے جنہوں نے پنڈت جی کا مشورہ نامنظور کر کے کشمیری عوام کو غلط فہمی کے بھنور سے نکالنے کا بہترین موقع گنوا دیا اور ہمارے لیے کئی قیمتی سال ضائع کر دیئے۔

قبل اس کے کہ پنڈت نہرو بخشی غلام محمد پر حاوی ہو جاتے انہوں نے شیخ عبداللہ کو گرفتار کروا دیا۔

شیخ صاحب کی اس دوبارہ گرفتاری کے ساتھ خواجہ غلام محمد صادق نے اختلاف کیا انہوں نے پنڈت نہرو کو ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں شیخ صاحب کے عزائم کی نشاندہی ہوتی ہے۔

" اب جبکہ شیخ صاحب اپنے پرانے موقف پر لوٹ رہے تھے اور اس بات کو تسلیم کر رہے تھے مسئلہ کشمیر کا حل پنڈت نہرو کے ہاتھ میں ہے وہ یو، این، او، کی فوج ریاست میں لانے کے بھی خلاف تھے اور حصول مقاصد کے لیے پُرامن ذرائع استعمال کرنے کی گارنٹی بھی دے رہے تھے۔ ان حالات کو مدِنظر رکھ کر میں ان کی دوبارہ گرفتاری نامناسب سمجھتا ہوں اور امید رکھتا ہوں آپ میری اس رائے کے ساتھ اتفاق کریں گے "

مس مردولا سارا بائی نے ان کی گرفتاری کو ناجائز کہہ کر سخت احتجاج کیا اور آئی بی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

دراصل بخشی غلام محمد آئی، بی کے سربراہ کو خرید کر شیخ عبداللہ کے بارے میں غلط اطلاعات مرکز کو فراہم کروانے میں کامیاب ہوا تھا جس کی وجہ سے پنڈت نہرو جتنے شیخ صاحب کے نزدیک آئے تھے اس سے کہیں زیادہ دور ہو گئے۔

" کشمیر سازش کیس " کے تحت مقدمہ میں بیان صفائی کے دوران مرزا محمد افضل بیگ نے اس بات کا اعتراف کر لیا کہ ہمیں دوبارہ وزارت کی آفر کی گئی تھی۔ مگر انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ اس میں بخشی غلام محمد زبردست رکاوٹ بن گئے، ورنہ ہم تیار بیٹھے تھے اور رانگوٹھا کرنے کے انتظار میں تھے۔ بخشی غلام محمد نے جب ان کا سارا کھیل بگاڑ دیا تو شیخ عبداللہ

نے وزیر اعظم کے نام ایک تفصیلی خط لکھا۔



سرینگر
۱۱ اپریل ۱۹۵۸ء

محترمی ! پنڈت جی !

جب سے مجھے نظر بندی سے رہا کیا گیا۔ بخشی غلام محمد اور اُن کے حامی اپنی گزشتہ غلط کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے میری سرگرمیوں کو قصداً و عمداً اور شرانگیز طریقے سے خود پیش کر رہے ہیں یا دوسروں سے پیش کرا رہے ہیں۔ یہ بے حد افسوس ناک بات ہے کہ اس پروپیگنڈے کی آڑ میں مختلف طبقوں کے سینکڑوں کشمیریوں کو جن میں وکیل، ڈاکٹر، تاجر، ریاست کے سابق ممبرانِ لوک سبھا بھی شامل ہیں۔ بنا کوئی جرم عائد کیے حراست میں رکھا گیا ہے یا جھوٹے اور بے بنیاد فوجداری مقدمات میں پھنسایا گیا ہے اور مختلف حوالاتوں میں ان کے ساتھ ناروا اور جابرانہ سلوک کیا جا رہا ہے، پولیس جان بوجھ کر کسی عدالت میں ان کا چالان نہیں کرتی تاکہ گرفتار شدگان کو زیادہ مدت تک اپنی تحویل میں رکھ کر انہیں روحانی و جسمانی اذیتیں پہنچاتی رہے۔ معزز شہریوں کو حکومت ہند کے انٹلی جنس بیورو میں رکھا گیا ہے، جہاں انھیں ایسی اذیتیں دی جا رہی ہیں کہ نازی کیمپوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے جھوٹے بیانات دیں یا ایسے بیانات پر دستخط کریں جن کی مدد سے عوامی رہنماؤں کو بغاوت کے جرم میں پھنسایا جا سکے ڈیفینس انڈیا رولز کی دفعہ ۵۰ کی رو سے عام جلسوں اور جلوسوں کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

میں یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا ہوں کہ اس حصّے میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ہندوستان کی جمہوری مشنری کیسے چل رہی ہے؟ مگر میری خاموشی اور ساتھ ہی کچھ نہ کچھ کرنا بھی ۱۹۵۳ء میں سازش

کرنے والوں کی نیندیں حرام کر رہا ہے اور پھر وہ اس جوڑ توڑ میں ہیں کہ کسی طرح دوبارہ مجھے جیل میں ڈال دیں۔

مجھے تعجب ہوا بخشی غلام محمد نے حال ہی میں حیدرآباد اور بمبئی میں تقریریں کرتے ہوئے مجھ پر بے بنیاد الزام لگایا کہ میں رضا کاروں کی بھرتی کر رہا ہوں اور اس کے لیے روپے جمع کر رہا ہوں تاکہ کسی موزوں وقت پر پوری طاقت کے ساتھ حکومت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا جائے۔ یہ ایک ایسے شخص کی اختراع ہے جس نے نہ صرف کشمیری عوام سے بے وفائی کی بلکہ اپنے محسن کو بھی خود اقتدار حاصل کرنے کے لیے دغا دی تاکہ رشوت اور لوٹ کھسوٹ سے اپنے خاندان کے لیے دولت اکٹھی کر سکے۔

۱۹۵۳ء میں آپ کو اور آپ کے کچھ رفقائے کار کو غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے میں انہیں کامیابی ہوئی جس کا نتیجہ اسی سال ۹ اگست کے سانحے کی صورت میں رونما ہوا، پھر مجھ پر یہ الزام لگایا کہ ریاست کو خود مختار بنانے کے لیے میں نے ایک غیر ملکی طاقت سے سازباز کی ہے، اس الزام کو صحیح ثابت کرنے کے لیے وہ خط و کتابت شائع کرنے کی بھی دھمکی دی جو میں نے مرحوم مولانا آزاد مرحوم رفیع احمد قدوائی اور آپ کے ساتھ کی تھی۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ ایسے شخص سے دھوکہ نہ کھائیں گے جو ادب اور اخلاق سے بھی عاری ہے۔

آپ تو بخوبی واقف ہیں کہ میں سازشوں اور دروغ بافیوں میں کبھی نہیں پڑتا ہاں، میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے حکومت ہند کی اس پالیسی سے اختلاف ہے جو کشمیر کے باب میں اس نے اختیار کر رکھی ہے، اپنے ان خیالات کو میں نے کسی سے پوشیدہ بھی نہیں رکھا اس دس سالہ جھگڑے کو ختم کرنے کا، میرے خیال میں یہی ایک منصفانہ اور صحیح طریقہ ہے کہ کشمیری عوام کو ان کا حق خود ارادیت دیا جائے اور یہ وہ مطالبہ ہے جس کی تائید و حمایت ایک زمانے سے آپ بھی بڑے جوش و خروش کے ساتھ کرتے آئے ہیں اور جس کے تحفظ کے لیے حکومت ہند

نے ۱۹۴۷ء میں اپنی مسلح فوج بھیجی تھی، مجھے کامل یقین ہے کہ ہمارا مطالبہ انصاف پر مبنی ہے اور وہ دن دور نہیں جب پوری دنیا کی رائے ہماری تائید کرے گی۔ اور ہندوستان کو ہمارا یہ مطالبہ ماننا پڑے گا۔

ان تمام واقعات کے باوجود جو اگست ۱۹۵۳ء میں رونما ہوئے تھے مجھے اب بھی یقین ہے کہ اس مسئلے کو حل کرنے کی کنجی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ بخشی غلام محمد اور ان کے ساتھیوں کی اختیار کردہ پالیسی سے آپ دھوکا نہ کھائیں، ورنہ یہ آخر کار سب کے لیے تباہ کن ہوگا۔

مجھے امید ہے کہ آپ سب بخیریت ہوں گے۔

آپ کا مخلص

(شیخ) محمد عبداللہ

بہ گرامی خدمت آنریبل پنڈت جواہر لال نہرو
وزیر اعظم حکومتِ ہند۔ نئی دہلی



شاید اس کا کچھ بھید سمندر بتا سکے
میں کیسی موج ہوں کہ سفینے میں قید ہوں

محاذ کے لیڈروں پر کشمیر سازش کیس کا الزام

ڈائرکٹر انٹیلی جنس مسٹر بی، این ملک نے اپنی کتاب "نہرو کے ساتھ میرے سال" میں لکھا ہے:

"شیخ صاحب کو جب رہا کیا گیا تو ہمیں یقین تھا وہ ایسی سرگرمیوں میں حصہ لیں گے جن سے ہمیں ان کے خلاف مزید ثبوت مل جائیں گے اس لیے ہم نے ان کے خلاف کیس دائر کرنے میں جلدی نہیں کی۔"

اس بیان سے انٹیلی جنس کے ڈائرکٹر کے عزائم صاف دکھائی دے رہے ہیں۔ اسی دوران محاذ رائے شماری کی طرف سے پتھر مسجد میں ایک جلسہ کرانے کی منادی کرائی گئی تو بی، این ملک نے بخشی صاحب کو اطلاع پہنچادی کہ پتھر مسجد میں جلسہ کے دوران محاذ کی طرف سے مجاہد منزل پر قبضہ کیا جائے گا، مجاہد منزل کو شیخ صاحب کی گرفتاری کے ساتھ ہی بخشی پارٹی نے اپنی تحویل میں لیا تھا، چنانچہ بڑی تعداد میں پولیس اور فوج مجاہد منزل کی حفاظت کے لیے روانہ کی گئی اور اس کا محاصرہ کرایا گیا۔

شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ نے حالات کا رُخ دیکھ کر پتھر مسجد کے بجائے حضرت بل میں جلسہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اگلے جمعہ کے روز حضرت بل میں ایک بڑا اجتماع ہوا، شیخ عبداللہ سے قبل مولانا مسعودی نے ایک جامع مگر مختصر تقریر کی ان کے بعد شیخ صاحب تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو تالیوں سے سارا ماحول گونج اٹھا۔ اسی دوران حضرت بل کے دوسرے حصّے سے مخالف نعرے بلند ہوئے، ایک افراتفری سی مچ گئی لیکن جلدی ہی اس پر قابو پا لیا گیا جلسے کے اختتام پر جب لوگ واپس جا رہے تھے تو جھگڑے اور تصادم کے واقعات پیش آئے اور

اس تصادم کے دوران کئی لوگ زخمی ہوئے جن میں علی محمد اور محمد یوسف زرگر شدید زخمی ہوئے، لیکن محی الدین بانڈے جو اسپیشل پولیس میں ملازم تھا اس کو چھرا گھونپ کر ہلاک کیا گیا۔ ایک بھگدڑ سی مچ گئی حکومت حرکت میں آ گئی، مولانا مسعودی، صوفی محمد اکبر اور خواجہ علی شاہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے جلسے جلوسوں پر پابندی عائد کی گئی اور اس طرح شیخ عبداللہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو حضرت بل قتل کیس میں ملوّث کر کے اس پلان پر عملی جامہ پہنایا گیا جس کی تیاری ان کی رہائی کے ساتھ ہی کی گئی تھی۔

چنانچہ ۲۹ اور ۳۰ اپریل کی درمیانی رات کو انھیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ شیخ عبداللہ کی دوبارہ گرفتاری کے بعد کشمیر پولیس نے بخشی غلام محمد کو وہ خاکہ پیش کیا جس کے مطابق شیخ عبداللہ اور ان کے قریبی ساتھیوں کے خلاف ریاستی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے پاکستان کے ساتھ سازباز کرنے کا مقدمہ چلایا جا سکتا، یہ خاکہ اصل میں مرکزی سراغ رساں ایجنسی انٹلی جنس بیورو کی ریاستی شاخ اور کشمیر پولیس کے اہم آفیسروں نے بخشی صاحب کی ہدایت پر تیار کیا، کشمیر پولیس کے ان آفیسروں میں شیخ صاحب کے ایک وقت کے دست راست اور قابل اعتبار ساتھی غلام قادر گاندربلی قابل ذکر ہیں ان کی مدد ایس پی مسٹر جی۔ این کونترو کر رہے تھے۔

شیخ محمد عبداللہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کے خلاف الزامات کا مسودہ جو زیر دفعہ ۱۲۱ الف ۲۰ اب رنبیر پینل کوڈ اور زیر دفعہ ۳۲۰ سیکورٹی رولز کے تحت عدالت عالیہ میں پیش کیا گیا۔

استغاثہ کی طرف سے جو الزامات ان پر عاید کیے گئے حسب ذیل ہیں۔

"۹ اگست ۱۹۵۳ء کے روز جب شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا تو جیل سے باہر ان کے دوستوں رشتے داروں اور حامیوں نے تشدد آمیز کاروائیاں شروع کیں۔ جن پر قابو حاصل کرنے کے لیے ریاستی سرکار کو تین چار ہفتے لگ گئے، جب تشدد کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش ناکام ہو گئی تو حکومت کے خلاف نفرت کی مہم شروع کی گئی۔ فرقہ وارانہ منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی اس طرح حالات کو بگاڑنے کا جتن

کیا گیا۔ اس قسم کے پروپیگنڈے کا مقصد ریاستی عوام میں ہندوستان کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنا تھا، اس مہم کو شروع کرنے میں جن لوگوں نے خاص کردار ادا کیا، ان میں شیخ عبداللہ کی اہلیہ بیگم شیخ محمد عبداللہ خواجہ علی شاہ، خواجہ علی شاہ کی بہن سعیدہ بیگم، غلام حسن کنٹھ اور دوسرے بہت سارے نیشنل کانفرنس ورکر (جو اب محاذی کہلاتے ہیں) شامل تھے ان لوگوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے وار کونسل قائم کیا، وار کونسل کے ذریعے پوسٹر تقسیم کیے جاتے تھے۔ دیواروں پر حکومت کے خلاف نعرے لکھے جاتے تھے۔ پمفلٹ شائع کر کے تقسیم کیے جاتے تھے۔

اس کے علاوہ ہر ماہ کی ۹ تاریخ کو "عبداللہ ڈے" منایا جاتا تھا اس روز ہنگامے سر کیے جاتے تھے، بخشی غلام محمد کو قتل کرنے کے لیے پوسٹر چسپاں کیے جاتے تھے، کچھ مدّت تک بیگم عبداللہ وار کونسل کو مالی امداد فراہم کرتی رہی نیز سائیکلوسٹائل مشین بھی انہوں نے پوسٹر چھپانے کے لیے فراہم کی، بیگم عبداللہ نے بعد میں پاکستان کے ساتھ رابطہ قائم کرنا شروع کیا اور اپنا ایک قابلِ اعتماد ایلچی آزاد کشمیر روانہ کیا۔ اس ایلچی نے آزاد کشمیر میں میجر اصغر علی سے رابطہ قائم کیا جو پاکستان انٹلی جنس کا سربراہ تھا اور اس وقت آزاد کشمیر میں کام کر رہا تھا، انہوں نے بیگم عبداللہ کے ایلچی کے ساتھ بات چیت کی اور ان سے کہا کہ وہ کسی بھی سطح کے ایلچی کو روانہ کرے اسکے بعد بیگم عبداللہ اور اصغر علی کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہی ایک روز ان کا یہ ایلچی پکڑا گیا جس کے ذریعے رابطہ بنایا گیا تھا، جب یہ بات چیت جاری تھی۔ بیگم عبداللہ نے اودھم پور جیل میں شیخ صاحب کے ساتھ ملاقات کی، وہ کئی روز تک جیل میں ان کے ساتھ ٹھہریں، یہ قیاس غلط نہیں کہ جیل میں بیگم عبداللہ نے پاکستان کے ساتھ اپنے خفیہ روابط کا ذکر کیا ہو گا، اسی اثناء میں وار کونسل اشتعال انگیز پوسٹر شائع کرتا رہا۔ خواجہ علی شاہ، غلام محمد بٹ، غلام حسن کنٹھ اور اننت ناگ میں بیگ صاحب کے گھر میں مراکز قایم کیے گئے جہاں سے پمفلٹ، پوسٹر اور نیوز بلیٹن جاری کیے جاتے تھے، پمفلٹوں میں ہندوستان کے خلاف

پروپیگنڈہ کیا جاتا تھا۔ کچھ پوسٹروں میں جو مضامین درج ہوتے تھے وہ پاکستان سے آتے تھے۔ اور یہاں ان کو سائیکلو اسٹائل کے ذریعے شائع کیا جاتا تھا اس کے بعد پاکستان کے ساتھ خفیہ تعلقات بڑھتے رہے۔ پیر مقبول گیلانی جو شیخ صاحب کے ساتھ گرفتار کر لیے گئے تھے اور بعد میں رہا کیے گئے نے جیل کے ملازم کے ذریعے شیخ صاحب کے ساتھ تعلقات قائم کیے اسکے بعد وہ پاکستان جانے میں کامیاب ہو گئے۔

۱۹۵۴ء میں مرزا افضل بیگ کو صحت کی خرابی کے باعث رہا کر دیا گیا شیخ صاحب نے ان سے کہا وہ دہلی جاکر باہر کی دنیا کے ساتھ رابطہ قائم کریں بیگ صاحب نے چالاکی سے کام لے کر وار کونسل کا نام بدل دیا اور اسے محاذ رائے شماری کا نام دیا۔

رائے شماری محاذ وار کونسل پر پردہ ڈالنے کے لیے قائم کیا گیا بیگ صاحب کے ساتھ پاکستان کے انٹلی جنس آفیسر مسٹر سجاول خاں نے ان کے گھر پر اس وقت ملاقات کی جب وہ سرکردہ پارٹی ارکان کی میٹنگ میں شریک ہونے کے لیے جا رہے تھے اس کے بعد پاکستان محاذ رائے شماری کو مالی امداد فراہم کرنے لگا۔ ۱۹۵۶ء میں جب مرزا افضل بیگ کو گرفتار کر لیا گیا تو بیگم عبداللہ اور دوسرے افراد کے ذریعے پاکستان کے ساتھ رابطہ قائم رکھے گئے، سازش کرنے والا ایک شخص کرکٹ میچ دیکھنے لاہور چلا گیا جہاں اس نے پاکستان کے انٹیلی جنس آفیسر سے ملاقات کی اور وہاں سے ایک لاکھ روپے حاصل کر لیا، کچھ عرصے بعد سازشی عناصر نے بوس میدان میں پاکستان سے اسلحہ حاصل کیا ۱۹۵۷ء میں پاکستان کو یہاں اپنے آدمیوں کے ذریعے معلوم ہو گیا تھا کہ ریاست میں انقلاب بپا کرنے کے لیے ماحول سازگار ہے، چنانچہ اس نے دراندازوں کے کچھ گروہ کشمیر روانہ کیے، جنہوں نے کچھ مقامات پر دھماکے کیے جن سے کئی قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں۔"

ملزموں میں سرفہرست مرزا محمد افضل بیگ کو رکھا گیا۔ ان کے ساتھ دیگر پچیس اشخاص

[illegible] مقدمہ میں ملوث کیا گیا۔

۱۲ مئی ۱۹۵۸ء کو باقاعدہ طور پر سازش کا مقدمہ رجسٹرڈ کر لیا گیا۔ استغاثہ نے کیس اپریل ۱۹۵۹ء میں شروع کیا۔ مقدمہ کے ایک ماہ بعد اس میں شیخ محمد عبداللہ [illegible] سے بڑے ملزم کی حیثیت میں ملوث کیا گیا۔ اور انھیں کُد جیل سے جموں منتقل [illegible] گیا۔ مقدمہ کی سماعت جموں جیل کے ایک حصے میں ہونے لگی، اس مقدمہ میں ملوث [illegible] ملزمان جموں سینٹرل جیل میں رکھے گئے۔ شیخ عبداللہ کے ساتھ بڑے ملزموں میں [illegible] افضل بیگ، خواجہ علی شاہ، غلام [illegible] چکن، صوفی محمد اکبر، میر غلام رسول [illegible] امین وکیل، مرزا غلام قادر بیگ، پیر [illegible] مقبول، پیر محمد افضل مخدومی (پیر محمد [illegible] مقبول گیلانی اسی دوران پاکستان بھاگنے [illegible] کامیاب ہو گئے)



(مقدمہ کی کارروائی کے دوران)

اس مقدمہ کی شنوائی کے لیے پنڈت [illegible] کنٹھ ہاک کو مقرر کیا گیا۔ کلکتہ کے ایک [illegible] بیرسٹر مسٹر متراکو استغاثہ کا بڑا وکیل [illegible] گیا۔ ان کی مدد کے لیے سرینگر اور جموں کے بڑے بڑے وکیلوں کو بھی معقول معاوضہ [illegible] دے کر پیروی کے لیے مقرر کیا گیا۔

محاذ رائے شماری کی طرف سے وکیل صفائی کے طور پر محمد لطیف قریشی ایڈوکیٹ [illegible] کیے گئے۔ مرزا افضل بیگ، خواجہ مبارک شاہ اور غلام محمد شاہ ان کی معاونت کر رہے تھے۔ محاذ کی طرف سے ملک کے نامور وکیلوں سے بھی رابطہ قائم کیا گیا لیکن بہار کے محی الدین احمد ایڈوکیٹ کے سوا کسی اور نے وکالت نامہ قبول نہیں کیا۔

اس صورتِ حال کو دیکھ کر شیخ محمد عبداللہ نے جیل سے پنڈت نہرو کے نام ایک خط [illegible] جس کا اختصار یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

"کشمیر چھوڑو تحریک کے سلسلے میں جب مجھ پر بغاوت کا مقدمہ مہاراجہ کی حکومت نے دائر کر دیا تھا تو خود آپ نے اور آپ کی تحریک پر آصف علی،

دیوان چمن لال اور مسٹر سہائے نے ہمارے وکالت نامے قبول کیے تھے اور آپ خود بھی پہلی بار بیرسٹر کا گاؤن زیب تن کرکے میرے دفاع میں عدالت کے سامنے پیش ہوئے تھے۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو آج پھر میں ایک بار سازش کیس میں ملوث کر دیا گیا ہوں لیکن سارا ہندوستان چھان مارنے کے باوجود ہمیں ایک قابل وکیل صفائی دستیاب نہیں ہو رہا ہے اب جبکہ آپ ہندوستان کے وزیر اعظم ہیں آپ سے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ ہماری صفائی کے وکیل بنیں لیکن اتنی سی توقع رکھوں گا کہ آپ کسی قابل وکیل کو میری صفائی کا کیس تیار کرنے کی ترغیب دیں، اگر آپ نے اس کام میں ذرا سی بھی دلچسپی لی تو میں سمجھوں گا آپ کے دل کے گوشے میں اب بھی میری دوستی کی رمق باقی ہے۔

رہا میرا سوال میں ان حالات میں اس بارے میں کچھ نہ کہنے کی پوزیشن میں ہوں۔

امید ہے آپ کی صحت اچھی ہوگی۔ شکریہ

آپ کا

شیخ محمد عبداللہ

شیخ محمد عبداللہ نے اپنی کتاب "آتشِ چنار" میں لکھا ہے پنڈت نہرو نے مجھے اس خط کا جواب تو بھیج دیا لیکن اقتدار کی مصلحتوں کے پیشِ نظر انہوں نے اِدھر اُدھر کی معذرت کرکے معاملہ گول کر دیا۔

ہندوستان کے وزیر اعظم سے مایوس ہو کر محاذ رائے شماری نے برطانیہ سے ایک نامور وکیل ڈنگل فٹ اور اُن کے جونیئر ساتھی جے کلیک کو جموں لایا اور اُن کی مدد کے لیے مقامی وکیلوں کی ایک ٹیم مقرر کی گئی۔

صفائی کے ان وکیلوں کا سارا خرچہ محاذ رائے شماری کے لیے پیر مقبول گیلانی نے پاکستان سے بے شمار دولت بھیجنے کا بندوبست کر لیا۔

شیخ عبداللہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو حضرت بل قتل کیس میں ملوث تو کیا گیا لیکن بعد میں اس کا دائرہ وسیع کرکے ان پر یہ الزامات بھی لگائے گئے کہ انہوں نے پاکستان سے رابطہ قائم کرکے پاکستان سے روپے اسلحہ اور بم حاصل کرکے کشمیر میں

انقلاب کی تیاری کی تھی۔

جیل سے ملحق ایک کوٹھی میں عدالت کی کارروائی ہوتی تھی۔ ڈنگل فٹ ایڈووکیٹ کے لیے سپیشل وین سرکار نے مہیا کی جو بعد میں ڈنگل وین کے نام سے یاد کی جانے لگی۔ ڈنگل کے بطور وکیل صفائی آنے کے بعد سرکار نے مشہور وکیل نگیشور پرشاد اور گوپال سروپ پاٹھک جو بعد میں نائب صدر بن گئے، کو بطور استغاثہ پیش کیا۔ پنجاب کے ایک نامور پراسیکیوٹر ایم ایل نندہ استغاثہ کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔

استغاثہ کی کارروائی ابتدا میں گو جیل میں ہی ہوئی بعد میں اسپیشل کورٹ جموں میں منتقل کیا گیا جہاں دو سال تک مقدمے کی کارروائی ہوتی رہی۔ جون ۱۹۶۰ء تک [illegible] گواہ پیش کیے گئے۔ تین سو دستاویزات عدالت میں پیش کی گئیں۔

۱۳ر اگست ۱۹۶۰ء سے مرزا محمد افضل بیگ کا جوابی بیان عدالت نے قلمبند کرنا شروع کیا۔ کارروائی ۵ر اکتوبر ۱۹۶۰ء تک جاری رہی۔

بیگ صاحب سے جو دو اہم سوال کیے گئے، حسب ذیل ہیں:

"(۱) شہادت میں آیا ہے کہ ۹ر اگست ۱۹۵۳ء سے ۲۹ر اپریل ۱۹۵۶ء تک شیخ عبداللہ ملزم اس کے رشتے داروں اور حامیوں نیز دیگر ملزمان اور کچھ معلوم و نامعلوم اشخاص نے سازش میں شامل ہو کر سرینگر، گرد اور ریاست کے اندر اور باہر سازش کی تاکہ مجرمانہ طاقت سے حکومت کو خوفزدہ کیا جائے۔

(۲) شہادت میں آیا ہے کہ سازش کا اہم مقصد حکومت کا تختہ اُلٹ دینا تھا تاکہ شیخ عبداللہ کو دوبارہ برسرِ اقتدار لایا جائے اور ریاست کو ناجائز طور پر پاکستان میں شامل کیا جائے۔"

مرزا محمد افضل بیگ نے جوابی بیان میں الزامات کی تردید کی اور فرمایا اگر ہمیں دوبارہ اقتدار حاصل کرنا ہوتا تو ہم اس کے لیے دوسرا طریقہ استعمال کیوں کرتے جبکہ ہمیں اس کی پیشکش کی جا رہی تھی۔

اس طرح سازش کیس کی یہ کارروائی جنوری ۱۹۶۲ء میں مکمل ہوگئی اور کیس سیشن کو سپرد کیا گیا، قانونی اعتبار سے یہ ایک بہت بڑا مرحلہ تھا جس کو حکومتِ کشمیر نے آئی بی کی مدد سے طے کر لیا تھا۔

بخشی غلام محمد ساری توجہ کیس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی طرف مبذول کر چکے تھے سیشن عدالت میں مقدمہ دائر ہونے کے بعد ریاست میں سیاسی صورتحال بگڑنے لگی تو پنڈت نہرو نے اپریل ۱۹۶۲ء میں شیخ صاحب کے خلاف کیس واپس لینے کا سجھاؤ دیا پنڈت نہرو کی ہدایت پر ایک سینئر کونسل نے درخواست کا مسوّدہ تیار کیا، جسے بخشی غلام محمد کی منظوری کے لیے ارسال کیا گیا۔

بخشی غلام محمد کو جب پنڈت نہرو کی طرف سے اس قسم کی ہدایت موصول ہوگئی تو انھوں نے صدر ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ اور شری ڈی، پی در سے اس بارے میں مشورہ کیا ان تینوں نے پنڈت نہرو کی کاروائی ناموزوں قرار دی بخشی غلام محمد دہلی روانہ ہوگئے جہاں انھوں نے پنڈت نہرو کو اپنا سجھاؤ واپس لینے پر آمادہ کیا۔ البتہ شری جے پرکاش نرائن اور مس مردولا سارابائی کے ساتھ کئی ممبران پارلیمنٹ نے پنڈت نہرو پر زور دیا کہ وہ شیخ صاحب کے خلاف دائر کیس واپس لے لیں، چنانچہ پنڈت نہرو نے دوبارہ کیس واپس لینے کے لیے بخشی غلام محمد کے ساتھ رابطہ قائم کیا اب کی بار صدر ریاست، وزیر اعظم، وزیر تعلیم کے ساتھ سیّد میر قاسم نے بھی کیس واپس لینے کی مخالفت کی انھوں نے مشترکہ طور پر پنڈت نہرو پر واضح کیا کہ اگر شیخ صاحب کے خلاف کیس واپس لیا گیا تو ریاست میں حالات خراب ہو جائیں گے، پنڈت نہرو ایک بار پھر اپنی تجویز واپس لینے کے لیے مجبور ہوگئے اس طرح سازش کیس چلتا رہا۔

کشمیر سازش کیس کے دوران شیخ عبداللہ نے اپنی صفائی میں جو بیانات دیئے اگر وہ سارے بیانات قلمبند کیے جائیں تو پوری ایک کتاب بن سکتی ہے۔ البتہ ان کے سارے بیانات کا نچوڑ یہاں تحریر کیا جا رہا ہے۔

"کشمیر ہندوستان کا اندرونی معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک بین الاقوامی معاملہ ہے۔ کشمیر کے بارے میں جو معاہدے یا ذمّہ داریاں قبول کی گئیں اور جو وعدے عوام سے کیے گئے وہ کسی ایک فرد کی سیاسی خواہش کا نتیجہ نہ تھے بلکہ وہ وعدے حکومتِ ہند کی طرف سے اس کے وزیر اعظم نے کیے تھے۔

۹ راگست ۱۹۵۳ء تک بھارتی حکومت کا کشمیر کے جھگڑے کے متعلق کیا رویہ تھا۔ اس کے بارے میں تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں حکومتِ

ہند یا اس کے کسی نمائندے نے یہ نہیں کہا ہے کہ وہ سیکورٹی کونسل کی پاس کردہ تجاویز ۱۳ راگست ۱۹۴۸ء اور ۵ رجنوری ۱۹۴۹ء کی پابند نہیں۔

جموں و کشمیر کے مستقبل کا معاملہ ابھی تک ایک کھلا سوال ہے جب صورت ایسی ہو تو اصول کی خاطر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ریاست کا کوئی باشندہ یہ رائے رکھتا ہو کہ اس کے وطن کی بہتری اس بات میں مضمر ہے کہ وہ پاکستان کا ایک حصّہ بن جائے تو اس میں کیا جرم ہے؟ یا دوسری صورت میں اگر کسی باشندہ ریاست کا یہ خیال ہو کہ وطن کی بہتری اس بات میں مضمر ہے کہ یہ ہند کا ایک حصّہ بن جائے تو اس میں کیا حرج ہے یا تیسری صورت میں اگر کوئی باشندہ ریاست یہ خیال رکھتا ہو کہ اس کے وطن کی بہتری اس بات میں ہے کہ یہ دونوں ہمسایہ ملکوں کے ساتھ دوستانہ رابطہ قائم رکھ کر ایک آزاد حیثیت میں زندہ رہے تو وہ کس جرم کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ جس قانون کے تحت سارے برصغیر نے برطانیہ سے آزادی حاصل کی اس قانون کی رو سے ہند کی ریاستوں کو یہ تینوں متبادل صورتیں پیش کی گئی تھیں۔

حیرت ہے کہ جب کبھی میں نے پاکستان کی تنقید کی تو میری تعریفوں کے پُل باندھے گئے لیکن اسی پالیسی کے سلسلے میں میں نے بھارت پر تنقید کی تو مجھے پاکستانی اور فرقہ پرست کے خطاب سے نوازا گیا جب میں اقلیتوں کے مطالبات کو منصفانہ قرار دیتا ہوں تو میری پیٹھ ٹھونکی جاتی ہے لیکن جب میں مسلم اکثریت کے لیے ان ہی مطالبات کا اعادہ کرتا ہوں تو مجھے گالیاں دی جاتی ہیں۔"

کشمیر سازش کیس کے مقدمہ کے دوران کئی وکیل اور جج بدل گئے، جب اس مقدمہ کے لیے مجسٹریٹ ہریرپرشاد کی خدمات حاصل کی گئیں تو شیخ صاحب نے تاریخ کی پیشی پر ایک نیا جج دیکھ کر فرمایا۔

"یہ مقدمہ کب تک چلے گا اس کے کتنے جج اور استغاثہ کے وکیل بدلیں گے، گورنمنٹ اس مقدمہ پر لاکھوں روپے ضائع کر رہی ہے، میں نے سُنا ہے نئے جج ہریرپرشاد کو آٹھ سو روپے ملیں گے۔"

شیخ صاحب کی زبانی ایسا سن کر مجسٹریٹ کو غصہ آیا اور وہ اسی لہجے میں بولا :

"مجھے گورنمنٹ جو رقم دیتی ہے وہ میری ملازمت کا معاوضہ ہے اور یہ روپے میں مفت میں نہیں لے رہا ہوں جبکہ تمہیں پاکستان سے مفت میں لاکھوں روپے مل رہے ہیں"

اس پر شیخ صاحب کو غصہ آیا، دونوں طرف سے تُو تُو مَیں مَیں ہوئی بات بڑھ گئی تو شیخ صاحب کرسی اٹھا کر مجسٹریٹ کو مارنے لگے بیگ صاحب نے بیچ بچاؤ کیا، اسی اَن بَن میں مقدمہ اگلی پیشی کے لیے ملتوی ہو گیا۔

اس مقدمہ پر تین کروڑ روپے سے بھی زیادہ خرچ ہونے کے باوجود بھی جب حکومت کو کچھ حاصل نہ ہوا اور جموں و کشمیر کے سینکڑوں افراد جن میں کئی معزز شہری اور برگزیدہ اشخاص بھی شامل تھے، اس مقدمہ میں بطور گواہ پیش کر کے ان کی عاقبت خراب کر دی گئی، تب حکومت کو اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن اب نہ آگے جانے کا یارہ تھا نہ پیچھے ہٹنے میں مصلحت تھی، شیخ صاحب کے بارے میں مقدمہ کمزور نہیں تھا۔ دراصل پنڈت نہرو اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ دوستی کا باب بند کیا جائے۔ بخشی غلام محمد نے پنڈت نہرو سے رجوع کیا تاکہ وہ شیخ صاحب کے خلاف عدالت میں خفیہ دستاویزات اور بعض اہم خطوط عدالت میں پیش کرنے کی اجازت دیں۔ لیکن پنڈت نہرو نے ایسا کرنے کی ممانعت کی۔ بخشی صاحب نے اس کی وجہ پوچھ لی۔ تو پنڈت نہرو نے بتایا :

" اس طرح اس مقدمہ میں نہ صرف انجمن اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل ملوث ہو جائے گی بلکہ ہمیں بطور گواہ ان برگزیدہ افراد کو لانا پڑے گا جو مسئلہ کشمیر حل کرنے کے سلسلے میں یہاں آکر شیخ عبداللہ سے ملے ہیں، ایک تو ایسے اشخاص کے نام عدالت سے وارنٹ جاری کرانا مناسب نہیں، دوسرا اس سے مسئلہ یعنی "مسئلہ کشمیر" میں نئی جان آسکتی ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ انہیں اِدھر اُدھر کی باتوں میں اُلجھا کر رکھا جائے "

پنڈت نہرو نے بخشی صاحب کے سامنے اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ ہم نے بلا سوچے سمجھے انہیں سازش کیس میں ملوّث کیا، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ مقدمہ ہمیں کسی بھی وقت واپس لینا پڑے گا "

بخشی صاحب نے پنڈت نہرو سے شیخ صاحب کو لوٹا سنگھ کے کیس میں ملوث کرنے کے

بارے میں پوچھا تو پنڈت نہرو نے اس کی بھی اجازت نہیں دی۔

شیخ صاحب جموں جیل میں نظر بندی کے دوران ایک ایسے جال میں پھنس گئے تھے کہ اگر پنڈت نہرو اس میں مداخلت نہ کرتے تو شیخ صاحب دوسری شادی کر چکے ہوتے۔

جموں جیل میں نظر بندی کے دوران یہاں کے ایک پولیس آفیسر مسٹر لوٹا سنگھ کی بیٹی جتندر کور کے ساتھ انھیں عشق ہوا، لڑکی بھی ان پر مر مٹنے لگی وہ دوسرے قیدیوں کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر شیخ صاحب سے ملنے آتی اور اپنا بیشتر وقت ان کے ساتھ گزارتی۔

شیخ عبداللہ اور جتندر کور کے ملاپ کو دیکھ کر دوسرے سیاسی قیدیوں نے شیخ صاحب سے صاف صاف کہدیا ہمیں اس لڑکی کے طریقہ کار میں سازش نظر آتی ہے، ہو نہ ہو مرکزی سرکار آپ کو لڑکی کے سکینڈل میں ملوّث کر کے بلیک میل کرنا چاہتی ہو۔ لہٰذا بہتر ہے کہ اسکے سائے سے بھی دور رہا جائے۔

دوسرے سیاسی قیدیوں میں غلام محمد چکن جو خدا کے فضل و کرم سے اب بھی حیات ہیں ان کا کہنا ہے، شیخ صاحب نے جواب دیا پنڈت نہرو میرے خلاف سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن کسی عورت کے اسکینڈل میں مجھے ملوّث نہیں کر سکتے، مجھے ان پر پورا بھروسہ ہے "

بخشی غلام محمد نے جب شیخ صاحب کو لوٹا سنگھ کے کیس میں ملوث کرنے کی پنڈت نہرو کے سامنے بات چھیڑ دی تو بخشی صاحب کی دہلی سے سرینگر کی روانگی کے ساتھ ہی لوٹا سنگھ کو تبدیل کرنے کی ہدایت دی گئی اور انہیں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر جموں سے چلے جانے کو کہا گیا۔

اس طرح بخشی صاحب کے پاس عوام میں شیخ عبداللہ کو بدظن کرنے کا جو بھی مواد تھا وہ سب دھرا کا دھرا رہ گیا۔

بالآخر حکومت نے یہ مقدمہ واپس لے ہی لیا اور اس مقدمہ کے بارے میں شیخ عبداللہ نے فرمایا :

"ہمیں معلوم تھا یہ سب جھوٹ پر مبنی ہے اور جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے لیکن قدرت نے ہمیں ہندوستان کے رہنماؤں کی فریب کاری اور دوغلی پالیسی کو بے نقاب کرنے کے لیے ایک بہت اچھا فورم بخشا ......"

یہاں ایک کشمیری باشندہ شیخ صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ بھارتی

رہنماؤں نے کب آپ کو فریب کاری اور دوغلی پالیسی سے باز آنے کا سرٹیفکیٹ دیا تھا جو آپ نے ان کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لیے دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔

آپ کو بار بار بھارتی رہنماؤں کی فریب کاری اور دوغلی پالیسی کا واویلا کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا جبکہ آپ خود بار بار ان کے شریک کار بن جاتے ہیں۔

کشمیر سازش کیس کے مقدمہ کے دوران جموں جیل میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلاح مشورہ کے دوران جب آپ سے ۷ مارچ ۱۹۶۰ء کو کشمیر کے مستقبل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

"میرے رفیق مجھ سے کہنے لگے کہ ہندوستان نے ہمارے ساتھ جو سلوک کیا اور اس کے رہنماؤں نے ہماری دوستی کا جو جواب دیا ہے اس کے بعد ہم کیوں اور کس بات کے لیے اپنا رشتہ اس ملک کے ساتھ قائم رکھ سکتے ہیں، ان کا شکوہ ٹھیک تھا اور گلہ بجا مگر میں نے ان سے کہا۔

ہم نے ہند کے ساتھ رشتہ آدرشوں کی یکسانیت پر جوڑا ہے اور جب تک ہندوستان ان آدرشوں کی علمبرداری کا دعوی کرتا ہے ہماری جگہ کہیں اور نہیں ہے، چاہے اُن کا عمل اور ان کا قول کتنا ہی متضاد کیوں نہ ہو، ہم آدرشوں کے لیے جد و جہد کر سکتے ہیں اور ان کے لیے فضا سازگار بنا سکتے ہیں، لیکن پاکستان کا وجود تو ان آدرشوں پر قائم ہی نہیں ہوا لہذا سوشلزم سیکولرزم اور جمہوریت کے لیے وہاں گنجائش نہیں ہم نے جو خواب کشمیر میں دیکھے ہیں اُن کا تو پاکستان میں شرمندۂ تعبیر ہونا ناممکن نظر آتا ہے اسی لیے ہمیں ہندوستان میں ہی رہ کر اپنے آدرشوں کی بنیادیں استوار کرنا ہوں گی۔"

شیخ عبداللہ جیسے قومی لیڈر کے یہ خیالات اور نظریات اگر درست مان لیے جائیں جن کا اظہار انہوں نے جموں جیل میں اپنے قیدی ساتھیوں کے سامنے کیا اور "آتش چنار" میں اس کی تصدیق کی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے۔ ۱۹۵۳ء سے لیکر ۱۹۷۵ء تک کشمیری عوام کو سبز باغ کیوں دکھائے، اگر بھارتی رہنماؤں کی طرف سے پیٹھ میں چھرا گھونپنے، دھوکا اور فریب

دینے اور دغابازی کے باوجود اُن کے تئیں شیخ عبداللہ کے ایسے خیالات تھے تو پوچھا جاسکتا ہے کہ انھوں نے آزادی، حقِ خودارادیت اور رائے شماری کے لیے واویلا کیوں کیا۔

فریب کاری اور دوغلی پالیسی تو یہ ہے نہ کہ وہ ۔

جیل کے اندر اپنے ساتھیوں کے سامنے پاکستان کی مخالفت اور ہندوستان کی حمایت کے بعد جب وہ مقدمہ کی پیشی میں بیان دیتے تھے تو یہاں پاکستان کی حمایت اور ہندوستان کی مخالفت میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے تھے۔ اصل میں فریب اور دھوکا اسی کو کہتے ہیں۔

۱۹۶۰ء میں جیل کی کوٹھری میں پاکستان کے بارے میں اگر ان کا یہ نظریہ تھا جو انھوں نے اپنی کتاب "آتش چنار" میں بھی بیان کیا ہے تو پاکستان سے موٹی موٹی رقمیں لینے کا کونسا اخلاقی جواز تھا؟

شیخ صاحب کا یہ فرمانا کہ: "جب تک ہندوستان ان آدرشوں کی علمبرداری کا دعویٰ کرتا ہے ہماری جگہ کہیں اور نہیں چاہے ان کا عمل اور ان کا قول متضاد کیوں نہ ہو!"

یہاں علمبرداری کا دعویٰ غور طلب ہے، چاہے وہ علمبرداری کرے یا نہ کرے اُن کا عمل اور قول متضاد کیوں نہ ہو صرف دعویٰ کرنا ان کی نظر میں کافی ہے۔ شیخ صاحب اگر عمل کے نہیں صرف دعوے کے طلبگار تھے تو ان دعوؤں کی بھارتی رہنماؤں نے تحریری صورت بھی دی تھی۔ پنڈت نہرو نے کُد جیل میں ڈاکٹر سی سبھرائن کے ہاتھ خط بھیجکر آپ سے ماضی کو بھول کر مستقبل کے لیے قریب آنے کی جو پیش کش کی تھی وہ پیش کش آپ نے کیوں ٹھکرادی اُس وقت آپکے ساتھ عوام کے صرف ڈھائی سال ضائع ہوجاتے ۲۲ سال نہیں جن ۲۲ سالوں کو آخر کار آوارہ گردی کا نام دینا پڑا۔ آپ نے پنڈت نہرو کے عمل کے بجائے دعویٰ پر ہی اعتبار کیا ہوتا تو اس وقت وزیر اعظم کے عہدے کے ساتھ کئی مراعات حاصل کر لیتے، اس وقت ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ دی ہوتی تو آپ کا ایمان، اصول اور آدرش داؤ پر نہیں لگ جاتے۔

ان تمام حالات وواقعات پر نظرِ غائر ڈالنے کے بعد ہر کوئی ذی ہوش یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ کشمیری قوم کے مقدر میں یہ کس نے بدقسمتی لکھدی تھی جو اس کے حصے میں ایک ایسا لیڈر اور رہبر آیا جس نے قدم قدم پر قوم کو دھوکا دیا جس نے برصغیر ہند وپاک کو فریب کاری اور دوغلی پالیسی سے ایک دوسرے کا دشمن بنا کر رکھدیا۔



وزیرِاعظم بخشی غلام محمدؐ
کے
عوام کی طرف سے استقبال کا ایک منظر

کیے گئے تھے جو تخلیق دردِ دل کے لیے
اُنہیں کے دل سے ہوئیں دردمندیاں غائب

بخشی غلام محمدؐ کی حکمرانی اور انکی کُنبہ پروری

اپنے دس سالہ دورِ حکومت میں بخشی غلام محمد ایک مطلق العنان حاکم بن بیٹھے تھے۔ اس مطلق العنانیت نے عوام اور انتظامیہ میں خدشات اور تلخیاں پیدا کر لیں عوام کا سنجیدہ طبقہ ہندوستان میں وسیع النظر لیڈروں سے اس بات کا بار بار مطالبہ کر رہا تھا کہ وہ ریاستی حکومت کے مصارف پر کڑی نگرانی رکھیں، کیونکہ ان مصارف کا بیشتر حصّہ بخشی برادران' رشتہ داروں اور مداحوں کی جیبوں میں چلا جاتا ہے۔ بخشی برادرس کارپوریشن (برطانوی' بی بی سی ہم پلّہ) نے فلک بوس عمارات من پسند مقامات پر تعمیر کرنے اور خریدنے کا سلسلہ شروع کیا، قریب قریب کوئی بھی ادارہ یا کاروباران کی دست بُرد سے نہ بچ سکا۔



(بخشی غلام محمد)

بخشی برادرس ہر چھوٹے بڑے ٹھیکہ داروں اور کاروباری لوگوں سے ایک طرح کا "خراج اور کمیشن" وصول کرتے رہے۔

بخشی برادرس نے حکومت کے دس برسوں میں کروڑوں کی جائیداد بنائی جو اکتالیس عمارتوں پر مشتمل ہیں جب کہ بیشتر ازیں بخشی غلام محمد کا سارا خاندان خانقاہ سوختہ سرینگر میں ایک خستہ حال مکان میں رہتا تھا۔

اقتدار سے قبل ایک خستہ حال مکان میں رہنے والا یہ خاندان اہم عمارتوں کے ساتھ ۷۰ کاروں جیپوں بسوں اور ٹرکوں کا بھی مالک بن گیا۔

بخشی غلام محمد جو عبدالغفار بخشی کے فرزند تھے، ان کے پانچ بھائی (۱) بخشی غلام نبی

(۲) بخشی ولی محمد (۳) بخشی علی محمد (۴) بخشی عبدالحمید (۵) بخشی عبدالمجید کے ساتھ ان کی دو بہنیں بھی تھیں۔

بخشی غلام محمد گھریلو زبوں حالی کی وجہ سے مشن سکول سرینگر میں بڑی مشکل سے نویں جماعت تک تعلیم حاصل کر سکے۔ ۱۹۲۴ء میں جبکہ وہ اسی اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے انھیں عیسائی بنایا گیا اور یہ ایک پرجوش عیسائی پرچارک مسٹر بینگٹن کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اپنے ہم مذہبوں سے خائف ہو کر بخشی غلام محمد نے لداخ جانے کی پیش کش کی، لداخ میں وہ بحیثیت ٹیچر کئی ماہ تک رہے تو یہیں سے پشاور چلے گئے جہاں انھوں نے مسٹر ڈگڈیل کی ماتحتی میں کام کیا۔ مسٹر ڈگڈیل سرینگر میں برسوں تک رہ چکے تھے۔ ڈگڈیل کی نوکری چھوڑ کر انھوں نے پشاور کے سرکاری ہسپتال میں مریضوں کی مرہم پٹی کا کام بھی کیا۔

۱۹۲۸ء میں بخشی غلام محمد پشاور سے واپس سرینگر آ گئے تو یہاں کھدّر بھنڈار میں بحیثیت سیلزمین کام شروع کیا۔ یہاں وہ ۱۹۳۱ء کے خونی واقعات تک کام کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ تحریک میں شد و مد کے ساتھ شامل ہو گئے۔

سرینگر میں کھدّر بھنڈار کی یہ شاخ کانگریسی لیڈر شری جے رام داس دولت رام چلاتے تھے، بخشی غلام نبی، بخشی ولی محمد اور بخشی علی محمد حبہ کدل میں شری گلشن کول کی دکان پر درزی کا کام کرتے تھے۔

بخشی عبدالمجید پولو گراؤنڈ کے نزدیک احمد دین نامی درزی کی دُکان پر سیلزمین کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ اس دُکان پر انکے ساتھ ان کا چچیرا بھائی غلام حسن درزی کا کام کرتا تھا۔ بخشی عبدالحمید سرینگر کی سلک فیکٹری میں گیٹ پاس چیک کرنے پر معمور تھا۔

بخشی عبدالرشید کا اصلی نام عبدالرشید خان تھا۔ آپ بخشی غلام محمد کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ اور محکمہ شالی اسٹور میں منشی کے طور پر کام کرتے تھے۔

بخشی اینڈ برادرس کے پاس دولت کی آج کمی ہے نہ جائیداد کی۔ یہ دولت انھوں نے بخشی غلام محمد کے نائب وزیر اعظم اور وزیر اعظم کے عہدے کے طفیل مبینہ طور پر غلط طریقے سے حاصل کر لی۔ کشمیر میں بخشی غلام محمد کے پاس سرینگر، چشمہ شاہی، نشاط باغ اور پہلگام میں کئی عمارتیں ہیں ان کے علاوہ میوہ دار باغات اور آراضیات ہیں۔ جو اپنے عہدے کا ناجائز استعمال کر کے سستے داموں، کسانوں اور دوسرے لوگوں سے حاصل

...ن۔ جموں میں ایک عمارت کے علاوہ دہلی اور بنگلور میں زمین کے پلاٹ بھی ہیں۔ بخشی ...محمد نے اپنے دورِ حکومت میں اپنے بیٹے بخشی بشیر احمد کے لیے نیڈوز ہوٹل میں پچاس فیصد ...رید کر اُسے متموّل بنا دیا اور اسی اکلوتے فرزند کے لیے ریاست بھر میں ٹاٹا اور مرسیڈیز ...ل ایجنسی حاصل کر لی۔ ریاست کے گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کو اسی ایجنسی کے ذریعے ...ن اور ٹرکیں خریدنے کو کہا گیا۔ فیر ڈیل کے نام سے انھوں نے اپنی ذاتی کمپنی قائم کی۔ ...ی غلام محمد ان کے کنبے اور دوسرے نزدیک ترین رشتے داروں کی منقولہ و غیر منقولہ ...داد کروڑوں میں شمار ہوتی ہے جبکہ یہ لوگ ۱۹۴۷ء میں ناقابلِ بیان حد تک غریب تھے۔

بخشی برادرس اور ان کے خویش و اقارب کی طرف سے سمیٹی ہوئی جائیدادیں یقیناً ...ی غلام محمد کی پوزیشن کی دین ہیں۔ اس طرح سے انھوں نے اپنی پوزیشن کا صریحاً ناجائز ...تعمال کرنے کا اپنے رشتے داروں کو موقع دیا۔

بخشی غلام محمد اور برادرس پر زمین و جائیداد بنانے کے الزامات کے ساتھ جو اور الزامات لگ گئے وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) نیشنل ڈیفینس فنڈ کی جمع شدہ رقومات میں ہیرا پھیری۔
(۲) پرائیویٹ جائیدادیں برائے نام قیمتوں پر حاصل کرنا۔
(۳) سرکاری زمینوں کا اپنے نام انتقال کرانا۔
(۴) سرکار کو پرائیویٹ جائیدادیں مہنگے داموں بیچنا۔
(۵) قواعد و ضوابط کے خلاف رشتے داروں کے نام جنگلات کے ٹھیکے منظور کرانا۔
(۶) مختلف محکموں کے بڑے آفیسروں پر ناجائز دباؤ ڈال کر اپنے خویش و اقارب کو فائدے پہنچانا۔
(۷) اپنے نزدیک ترین رشتے داروں کو سرینگر اور جموں میں پلاٹ الاٹ کرانا۔

اس طرح بخشی غلام نبی اپنے بھائی کی وساطت سے امیر ترین لوگوں میں شمار ہو گئے۔ ...ہ جنگلات کے سب سے بڑے ٹھیکہ دار گنے جانے لگے، بخشی غلام محمد کے عہدے کا فائدہ اٹھا کر ...خشی غلام نبی نے کئی لاکھ روپے جو محکمہ جنگلات کی طرف سے ان کے نام بقایا تھے، خزانہ ...ں نہیں بھرے بلکہ انہیں خاص "معافی" مل گئی، ان لاکھوں روپے سے لمبرٹے لین،،

پوش حویلیاں اور کئی دُکانات ان کی ملکیت بن گئیں۔

ان کوٹھیوں، فلیٹوں اور دُکانوں کا کرایہ ان کی فیملی کے لیے ایک معقول ذریعہ آمدنی ہے، بخشی غلام نبی نے غیر آئینی طور پر مرکزی سرکار کے پارلیمانی امورات کے ایک سرکردہ افسر بی، این کول کی زمین اپنی جائیداد کے ساتھ ملادی یہ زمین برن ہال اسکول کے پاس ہے۔ مسٹر کول نے بخشی غلام محمد کے پاس اس کی شکایت کی تو انھیں اس کے عوض میں دوسری جگہ زمین دے کر ریونیو محکمے کے ریکارڈ میں ادلا بدلی کی گئی بخشی عبدالمجید کی آمدنی کے ذرائع اَن گنت ہیں۔

ریگل سینما اور اس کے ساتھ ملحقہ بلڈنگ ان کی ملکیت میں شامل ہیں اس کے علاوہ "ہوٹل پمپوش" جیسی اونچی عمارت بھی ان کی ہی ملکیت ہے۔ وہ بمبئی کی ایک جہاز ساز کمپنی کا حصہ دار بھی ہے، بخشی مجید نے ۱۹۴۸ء میں ٹھیکہ داری فوج سے شروع کی، ان دنوں سرینگر میں صرف تین آدمی میسرز روانی، رومر اور ریھان پہلے ہی ٹھیکہ داری کے میدان میں موجود تھے، بخشی مجید نے ان تینوں کے حصہ دار بننے کی پیش کش کی ان چاروں نے مل کر ایک کمپنی بنائی اور مجید بخشی خود اس کے خزانچی بن گئے اس طرح نقدی وغیرہ ان کے ہاتھ میں رہی۔

سال بھر کے بعد جب حساب کیا گیا اور سبھوں نے اپنا اپنا حصہ طلب کیا تو بخشی مجید نے پہلے انھیں انگوٹھا دکھایا پھر ان کو دھمکی بھی دی، کہا جا رہا ہے بخشی مجید نے اس کمپنی میں روپے لگانے کے بجائے اپنے بھائی بخشی غلام محمد کا اثر و رسوخ لگایا تھا اور سال بھر کے بعد جب انہیں یکمشت ۴ لاکھ روپے مل گئے تو ان کی نیت خراب ہوگئی اور انھوں نے علیحدہ طور پر اپنا بزنس شروع کی۔ بعد میں انھوں نے ایک فوجی میجر کے ساتھ مل کر اسی طرح ٹھیکہ داری کا کام کیا جس میں وہ میجر کو لاکھوں روپے کا چکمہ دے گیا معاملہ عدالت تک جا پہنچا آخر بخشی غلام محمد کی مداخلت سے معاملہ ففٹی ففٹی پر رفع دفع ہوگیا۔

بخشی غلام نبی اور بخشی عبدالمجید کی دیکھا دیکھی بخشی عبدالحمید نے بھی ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیے اور انھوں نے سونہ وار میں ایک مشہور بلڈنگ "شنگریلا"، حاصل کرلی۔ بخشی عبدالحمید نے یہ بلڈنگ جو مہاراجہ ہری سنگھ کے دانتوں کے ڈاکٹر مسٹر سونی کی ملکیت تھی، دو لاکھ میں اس کا سودا طے کیا، ایک لاکھ روپے بعد میں دینے کا وعدہ کیا

عدالت سے تصدیق کے بعد وعدے سے مُکر گیا۔

بخشی حمید نے ٹھیکہ داری کے دوران محکمہ پبلک ورکس کو کئی دھوکے دیئے، ان کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ پبلک ورکس کے آفیسروں پر نہ صرف دھونس جماتا تھا بلکہ ان کی مارپیٹ بھی کیا کرتا تھا۔ بخشی حمید ان آفیسروں کو اپنے رسوخ کے بُوتے پر اصلی بل سے کئی گنا زیادہ روپے حاصل کرتے تھے۔ جب کبھی متعلقہ محکمہ کے آفیسر یا کارندے اُن سے کمیشن یا چائے پانی مانگتے تو بخشی حمید ان کو گھر آنے کو کہتا جہاں ان کی گفتگو ٹیپ کرکے انہیں بلیک میل کیا جاتا تھا۔ اس طرح اُن آفیسروں اور کارندوں کو لینے کے دینے پڑتے تھے۔ بخشی حمید نے شری ایس، کے کول کے ساتھ ایک اقرار نامہ کرلیا جس کے مطابق انہوں نے کول صاحب سے ٹنگمرگ میں ایک بنگلہ اور ۸ کنال کا میوہ دار باغ ۲۰ ہزار کے عوض خرید لیا۔ اقرار نامے کے وقت ۵ ہزار روپے پیشگی دیے گئے، باقی ۱۵ ہزار بارہمولہ کی عدالت میں رجسٹریشن کے موقع پر ادا کرنے تھے، تاریخ کے دن بخشی حمید حاضر عدالت ہوئے تو انھوں نے کول صاحب کی غیر حاضری میں جج سے رجسٹریشن کرانے کو کہا۔ جج نے فریق کی غیر موجودگی میں رجسٹریشن کرنے سے انکار کیا، جب جج کو دھمکی دی گئی تو انھوں نے کیس سیشن جج سرینگر کو روانہ کیا۔ بخشی حمید جج صاحب کی اس کاروائی سے سخت مشتعل ہوگئے اور اسی وقت ٹنگمرگ جاکر بنگلے کا قفل توڑ کر سارے سامان کے ساتھ اس پر قابض ہوگئے۔

بخشی ولی محمد بھی بخشی غلام محمد کے طفیل سے ٹھیکہ دار بن گئے اور چند برسوں میں کروڑپتی بن گئے وہ سرینگر کے دو تاجروں کو دھوکا دینے کے بعد ایک حادثہ میں جاں بحق ہوئے بخشی ولی محمد ان دو تاجروں کا ۳۳ ہزار روپے کا مقروض تھا انھوں نے ان دونوں تاجروں کو ڈل جھیل کی سیر کی دعوت دی۔ ایک ڈونگہ کرایہ پر لیا گیا، وہاں یہ سبھی عیش پرستی میں مصروف ہوگئے تو بخشی ولی محمد نے پلان کے تحت ان سے زبردستی ۳۳ ہزار کی نہ صرف رسید لے لی بلکہ ان سے "باج" بھی وصول کرلیا۔ اور انہیں زبان نہ کھولنے کی دھمکی دے کر چھوڑ دیا گیا۔ اس واقعہ کے ایک ہفتہ کے بعد بخشی ولی محمد زوجیلا کی طرف جاتے ہوئے کار کے ایک حادثہ میں جاں بحق ہوگئے۔

دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں بخشی علی محمد دھوکے بازی اور جعلسازی میں یقین نہیں رکھتے تھے۔ وہ بخشی غلام محمد کے اثر و رسوخ کا فائدہ اٹھا کر ایک سرکردہ تاجر

ضرور بن گئے لیکن دوسرے بھائیوں کی طرح وہ لکھ پتی اور کروڑپتی نہ بن سکا، بخشی عبدالرشید جو خان سے بخشی اس لیے بن سکا کیونکہ اس دوران بخشی کا سکّہ ریاست میں رائج تھا، جانکی ناتھ زتشی کی وساطت سے ۴۵ روپے ماہوار مشاہرے پر ملازم ہو گیا ستمبر ۱۹۵۱ء میں قانون ساز اسمبلی کا ممبر بن گیا۔ ۱۹۵۷ء تک وہ بحیثیت ممبر کام کرتے رہے اور اس کے بعد کشمیر کی طرف سے لوک سبھا میں ایک نمائندے کی حیثیت سے بھیجا گیا۔ اس کے علاوہ بخشی رشید نیشنل کانفرنس کے جنرل سکریٹری بھی رہے۔ اور تنظیم کے اس کلیدی عہدے کی بدولت وہ مختارِ کل اور مالکِ کل بن بیٹھے، حتیٰ کہ وہ لوگوں کی چہ میگوئیوں کی پرواہ کیے بغیر زمین وجائیداد بنانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ سرینگر میں ان کی شاندار عمارات ہیں۔

بخشی برادرس کے کالی کرتوت کو چھپانے کے لیے محکمہ مال کے ریکارڈ میں مبینہ طور ہیرا پھیری کی گئی۔

بخشی غلام محمد وزیر اعظم کے دورِ حکومت میں ان پر کنبہ پروری کا جو داغ لگ گیا وہ تاریخ کا ایک حصّہ بن گیا، اور تاریخ کبھی بھی انہیں اس کے لیے معاف نہیں کر سکے گی۔

باب (۲)

مسئلہ کشمیر کے اہم اُتار چڑھاؤ

موئے مقدّس صلعم کا سانحہ بخشی دَور کا زوال

شیخ عبدُاللہ کی رہائی

کیا خبر تھی شہرِ رسوائی سے گزرے گا کبھی
جس کو ہم سمجھے تھے اپنی آبرو کا سلسلہ

جز:

صفحہ نمبر

کبھی مجھ سے محبت تھی مگر اب یہ سزا پائی
نہ جانے وہ خطا کیا تھی کہ جس کی یہ سزا پائی

کشمیر کی سیاست پر مرکز کا ایک نیا اپروچ

بھارت کے خلاف ۱۹۶۲ء کے چینی حملے سے نہ صرف بھارتی فوج کو کئی محاذوں پر ...ئی کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ اس حملے نے بھارت کے شانت ساگر ...وار بھاٹا پیدا کر دیا ۔ بھارت کی پوزیشن ایک ہزیمت خوردہ ...ی جیسی ہو گئی ۔ وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو چینی حملے سے خصوصی طور پر متاثر ہوئے ہندوستان کی خارجہ پالیسی مسمار ہو گئی ۔ چینی حملے سے بھارت کی پسپائی نے بھارتی رہنماؤں کو جہاں ششدر کر دیا وہاں پنڈت نہرو کی مقناطیسی شخصیت کا طلسم ٹوٹنے لگا ۔ اس پسپائی کی ذمہ داری قبول کر کے وزیر دفاع شری کرشنا مینن اور جنرل بی ۔ این کول ...ہدوں سے مستعفی تو ہو گئے لیکن اس سے بھارت کی ہزیمت کچھ کم نہ ہوئی ۔



نہرو



...شنا مینن

...چینی حملے کے دوران یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ شاید بھارت کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر ...ان کوئی حرکت کرے چنانچہ پاکستان کو غیر جانب دار رہنے کے لیے امریکہ اور ...انیہ کے دو ممتاز ڈپلومیٹ ایورل ہیری مین اور ڈنکن سینڈس بھارت اور ...ستان کے لیڈروں سے مذاکرات کے لیے آ گئے ۔ ان دو ڈپلومیٹوں کی دوڑ دھوپ

کے بعد ۲۹ نومبر کو اچانک یہ اعلان نشر ہوا کہ پاکستان اور ہندوستان کے رہنما مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے آپس میں بات چیت کریں گے، چنانچہ ۲۶ دسمبر ۱۹۶۲ء کو ہندوستان کے وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ ایک اعلیٰ سطحی وفد لیکر راولپنڈی پہنچے جہاں مسئلہ کشمیر حل کرنے کیلئے پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اور ہندوستان کے وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ کے درمیان بات چیت کے کئی دور ہوئے۔



(ذوالفقار علی بھٹو)

کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لیے دونوں جانب سے مختلف اور متبادل قسم کی تجویزیں پیش کی گئیں۔ پاکستان کی یہ تجویز تھی کہ ریاست کو تقسیم کیا جائے، وادیٔ کشمیر کا علاقہ، (شمول علاقہ بانہال) پاکستان کو اور رام سو سے لے کر جموں کا صوبہ ہندوستان کو دیا جائے۔



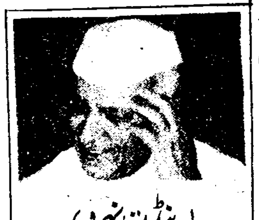
(سردار سورن سنگھ)

اس کے بدلے میں ہندوستان نے یہ تجویز پیش کی کہ تقسیم کی لکیر دریائے جہلم کو مانا جائے، دریائے جہلم کا مشرقی حصّہ ہندوستان کو اور مغربی حصّہ پاکستان کو دیا جائے۔ دونوں تجویزوں پر غور و خوض کے لیے میٹنگ ملتوی کی گئی جو تا ہنوز ملتوی ہی رہی۔

دسمبر ۱۹۶۲ء کو امریکی وزیر خارجہ ایورل ہیری مین اور برطانوی سکریٹری امور خارجہ مسٹر ڈنکن سینڈز کی مشترکہ کوششوں سے صدر ایوب خان اور پنڈت جواہر لال نہرو مسئلہ کشمیر اور دوسرے متنازعہ امور پر وزارتی سطح پر مذاکرات شروع کرنے پر رضامند ہوگئے، یہ مذاکرات چھ مختلف شہروں میں دسمبر ۱۹۶۲ء سے مئی ۶۳ ۱۹ء تک جاری رہے۔ مذاکرات شروع کرانے میں امریکہ اور برطانیہ کی کوششوں میں دونوں ممالک بھارت اور پاکستان



(صدر ایوب خان)



(پنڈت نہرو)

نے شک کا اظہار کیا لہٰذا اس بات چیت میں ڈیڈ لاک پیدا ہوگیا۔

ذوالفقار علی بھٹو اور سردار سورن سنگھ مذاکرات سے قبل ایوب نہرو مشترکہ اعلامیہ پاکستان اپنے نقطۂ نظر سے اور ہندوستان اپنے نقطۂ نظر سے اپنے ملک کے موقف کے مطابق کرانا چاہتے تھے۔

بھارت جواب تک کسی ثالثی کی تجویز قبول کرنے سے انکاری تھا وہ مسئلہ کشمیر پر ثالثی کی تجویز کو منظور کر گیا۔ بھارت کی اس اچانک تبدیلی کے بارے میں ڈاکٹر جوزف کاربل نے اپنی کتاب "ڈینجر ان کشمیر" اور "دی ہندو" مدراس نے آرٹیکل (FANTASTIC NONESENSE) کے مطابق لکھا ہے۔

"پاکستان جواب تک مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے استصواب کو اولیت دے رہا تھا۔ اس کے بارے میں گو مگو کی حالت میں رہا۔

لگتا تھا دونوں طرف کسی دباؤ یا مجبوری کے تحت مذاکرات کے لیے آمادہ تو ہیں لیکن مذاکرات سے ہرگز پر امید نہیں دوسری طرف اس میں کشمیر سے متعلقہ اقوام متحدہ کی سابقہ قراردادوں کا کوئی ذکر بھی نہ تھا، اور یہ بات ایک طرح سے اقوام متحدہ کو "BY PASS" کرنے کی کوشش تھی۔ اعلامیہ میں بات چیت کے لیے جو طریقۂ کار وضع کیا گیا تھا وہ کئی لحاظ سے ناقص مبہم اور غیر نتیجہ خیز مذاکرات کے امکانات کو سامنے لاتا تھا، اس میں نہ تو وقت کا تعین تھا اور نہ ہی اس امر کی تصریح کی گئی تھی کہ اگر مذاکرات کے دوران فریقین میں اختلافات رونما ہوئے تو متنازعہ امور میں مصالحت کنندہ کون ہوگا"

مشترکہ اعلامیہ کا ابہام اور بعض امور کے بارے میں خاموشی سے اسکو مشکوک بنا رہی تھی۔ چنانچہ دونوں ملکوں کے اعلیٰ حلقوں میں اس اعلامیے کے خلاف شدید ردِّ عمل ہوا۔ دہلی میں جن سنگھ نے ان مذاکرات کی مخالفت کی اور کہا "مسئلہ کشمیر" بھارت کا اپنا اندرونی مسئلہ ہے اس کے بارے میں پاکستان کے ساتھ کوئی بات چیت نہ کی جائے۔

کراچی میں حسین شہید سہروردی نے فرمایا:

جب تک نہرو کشمیر میں استصواب کی یقین دہانی نہیں کراتے اور شیخ عبداللہ کو رہا نہیں کرتے اس وقت تک کسی قسم کے مذاکرات نہ کیے جائیں۔

پاکستان کی جماعت اسلامی نے اس اعلامیہ کو ورسلیز کے اُس معاہدے سے تشبیہ

دی جس پر جرمنی نے جنگِ عظیم میں شکست کھانے کے بعد دستخط کیے تھے۔

حسین شہید سہروردی کے اعتراض پر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے ایک بیان میں کہا: "ماضی میں بھارت نے پاکستان کو براہ راست مذاکرات میں کئی بار مایوس کیا ہے۔ لیکن ایک آخری بار کوشش میں کیا ہرج ہے"۔

'سنڈے ٹائمز' نے اپنے نمائندہ خصوصی مقیم دہلی کے حوالے سے لکھا کہ پنڈت نہرو کی یقین دہانیوں کے باوجود کوئی بھی شخص جو بھارتی وزیر اعظم کے قریب ہے یہ یقین نہیں رکھتا کہ پنڈت نہرو کشمیر کے بارے میں کسی بڑی رعایت پر تیار ہو جائیں گے کیونکہ ان کے خیال میں کشمیر کا مسئلہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور یہ مسئلہ ۱۹۴۸ء کے خطِ متارکہ جنگ کی بنیاد پر ریاست کی تقسیم کی صورت میں حل ہو چکا ہے۔ بھارتی وزیر اعظم نے حزبِ اختلاف کے شور و غوغا کا جواب دیتے ہوئے لوگ سبھا میں واضح کر دیا کہ مشترکہ اعلامیہ کے باوجود بھارت کشمیر میں موجودہ نظام کو درہم برہم کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔

پنڈت نہرو کا یہ اعلان مذاکرات کو بے معنی بنانے کے مترادف تھا، اس کے بعد ۱۵ر دسمبر کو پنڈت نہرو نے ایک اور پیش قدمی کر کے لندن کے انڈی پنڈنٹ ٹیلی وژن پروگرام کے لیے انٹرویو ریکارڈ کرتے ہوئے فرمایا۔

"جب تک چین کے ساتھ بھارت کا سرحدی تنازعہ طے نہیں ہوتا اُس وقت تک پاکستان کے ساتھ کشمیر کے بارے میں صحیح معنوں میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا، چین کے ساتھ لڑائی میں وادیٔ کشمیر ہمارے لیے زبردست اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہ فوجی مواصلات کا اہم ذریعہ ہے چنانچہ موجودہ مرحلہ پر وادیٔ کشمیر میں کسی قسم کا سرحدی تصفیہ ممکن نہیں"۔

ادھر پاکستان کی طرف سے یہ کہا جا رہا تھا کہ گو کہ بات چیت کی بنیاد استصواب عام ہی ہوگی، لیکن بھارت اگر کوئی متبادل حل تجویز کرے تو اس پر بھی غور کرنے کو ہم تیار رہیں۔

۱۵ر دسمبر کو راولپنڈی ہی میں صدر ایوب خاں نے یہ بات دُہراتے ہوئے کہا:

"کشمیر کا اصل حل تو استصواب ہی ہے لیکن اگر دوسرے فریق کے پاس کوئی بہتر حل موجود ہے تو پاکستان اس پر غور کرنے کے لیے تیار ہوگا"۔

ذوالفقار علی بھٹو نے اس بات پر زور دیا کہ خیر سگالی کی فضا مسئلہ کشمیر کے حل سے پیدا ہوئی ہے، مگر مذاکرات کے بعد مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا اس میں سردار سورن سنگھ کا یہ موقف تسلیم کیا گیا۔ مشترکہ اعلامیہ میں دونوں ملکوں کے رہنماؤں، حکام، پریس، اور ریڈیو سے اپیل کی گئی کہ وہ کشمیر کے مسئلہ پر اختلاف ختم کرنے کے لیے دوستانہ ماحول پیدا کرنے میں مدد دیں۔

بات چیت کا اگلا دور ۱۵ر جنوری ۱۹۶۳ء کو دہلی میں کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔

دہلی کی یہ بات چیت پہلے دور کی بات چیت سے کچھ مختلف ضرور تھی، دونوں طرف کشمیر مل بانٹ کر کھانے کا ذکر کیا گیا۔ اگلے دور کی جو بات چیت کراچی میں ہوئی تو پریس ایسوسی ایشن نے یہ خبر دی۔

"دونوں ممالک بعض شرائط کے تحت کشمیر کی تقسیم کی تجویز منظور کرنے پر آمادہ ہو گئے"۔

پاکستان کی طرف سے شرائط حسب ذیل تھیں۔

(۱) تقسیم کے دوران آبادی اور مسلمانوں کی اکثریت کو اہمیت دی جائے۔

(۲) پاکستان کے اقتصادی اور دفاعی مفادات کا خیال رکھا جائے۔

(۳) یہ کشمیری باشندوں کے لیے قابل قبول ہو"۔

لندن ٹیلیگراف اور امریکہ کی نیشنل براڈ کاسٹنگ کارپوریشن کی اطلاع کے مطابق صدر ایوب خاں تقسیم کشمیر کے اس منصوبہ سے متفق تھے۔

تقسیم کشمیر پر بحث کے دوران بھارت سرینگر سمیت وادی کے ایک بہت بڑے حصے سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھا، اور پاکستان ہندو اکثریت کے علاقے چھوڑ کر ساری وادی پاکستان میں شامل کرانے پر بضد تھا۔

اگلے روز کراچی میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے سردار سورن سنگھ نے کہا۔ "پاکستان کا موقف یہ ہے کہ وہ وادیٔ کشمیر سے دست بردار نہیں ہوگا، لیکن بھارت اگر وادی کو پاکستان کے حوالے کر دے تو ایک غیر تحریری معاہدے کے تحت بھارت کو چین سے لڑائی کی صورت میں اُسی طرح وادی کے راستے لداخ تک رسائی کی سہولتیں مل سکتی ہیں جس طرح اُسے آسام کے لیے مشرقی پاکستان کے راستے فوجی نقل حمل کی سہولتیں دی

جا سکتی ہیں۔

ڈیلی ٹیلیگراف لندن ۱۶ر فروری ۱۹۶۳ء کے مطابق۔

"کشمیر کی تقسیم کا ایک منصوبہ امریکہ کا تیار کردہ بھی تھا جس کی حمایت برطانیہ کر رہا تھا، اس منصوبے کے مطابق ـــ وادی کا ایک بڑا حصہ جس میں سرینگر بھی شامل تھا، بھارت کے پاس رہتا، یعنی جنوبی حصہ مکمل طور پر بھارت کے قبضہ میں ہوا ور شمالی حصے کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ جموں سے ۲۰ میل شمال اور سرینگر سے مشرق تک کا تمام علاقہ بھارت کو مل جائے جس میں چھوٹی چھوٹی کئی جھیلیں ہیں۔"

پاکستان کے حصے میں ولر جھیل، دریائے جہلم کا منبع اور وادی کا شمال مغربی حصہ آئے، جموں اور اودھم پور کے شہر اور ریاست کا جنوب مشرقی علاقہ بھی بھارت کے پاس رہے۔ تقسیم کشمیر کے فارمولہ پر جب اندرونی اور بیرونی ممالک کے اخبارات میں تبصرے ہونے لگے تو دونوں ممالک بھارت اور پاکستان کو زبردست مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔



(مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)

جماعت اسلامی پاکستان کے امیر جماعت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ایک بیان میں کہا:۔

"کشمیر محض پہاڑوں اور وادیوں کا نام نہیں کہ اسے بے فکری سے تقسیم کر لیا جائے بلکہ وہ پچاس لاکھ جیتے جاگتے انسانوں کا نام ہے اور یہ انسان بھیڑ بکریاں نہیں جن کا سودا چکانے کا کسی کو حق پہنچتا ہو!"

نوائے وقت کے تبصرہ نگار نے یہ دلیل دی:

"سیاست میں بلاشبہ حتمیت اور قطعیت نہیں ہوتی اور اس کے نقشے میں ہر وقت تبدیلی کا امکان موجود رہتا ہے لیکن اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ایک با اصول سیاست داں کے ذہن میں ایک ایسا بنیادی خاکہ بہرحال ضرور ہوتا ہے جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل گوارا

نہیں کر سکتا، ۱۵ سال میں ہم پوری دنیا کو یہ باور کراتے رہے ہیں کہ کشمیر کو نہ ہم خود قوت کے زور سے اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہیں اور نہ یہ حق ہندوستان کو دیتے ہیں بلکہ اس امر کا فیصلہ کہ یہ خطہ ہمارے ساتھ الحاق کرے یا بھارت کے ساتھ سراسر کشمیری عوام کی مرضی پر موقوف ہے یہی ایک موقف ہے جس کی تائید عدل و انصاف اور اخلاق سے ہوتی ہے اور اس معاملے میں ہم پوری انسانیت کے ضمیر کو اپیل کر سکتے ہیں، اب اس وقت اگر ہم اپنے اخلاقی موقف کو چھوڑ کر کشمیر کی تقسیم پر رضامند ہو جائیں تو دنیا میں آخر ہماری کیا وقعت باقی رہ جائے گی۔"

رائے عامہ کے بروقت اور بھرپور اظہار نے کشمیر کی تقسیم کے منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی ناکام بنا دیا اور دونوں حکومتوں میں سے کوئی بھی جرأت نہ کر سکی کہ رائے عامہ کے اس شدید دباؤ کو نظر انداز کر کے اس سمت میں کوئی قدم اٹھا سکے۔

کراچی کے بعد دہلی میں کانفرنس میں بات چیت کو ناکامی سے بچانے کے لیے امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے یہ تجویز دونوں ملکوں کے سامنے رکھی گئی کہ وہ مذاکرات میں مصالحت کنندہ کو شامل کر لیں تاکہ متنازعہ فیہ امور پر فیصلہ کیا جا سکے، امریکی اور برطانوی ڈپلومیٹ سے تفصیلات طلب کی گئیں کہ:

"(۱) یہ واضح کیا جائے کہ کون کون سے امور مصالحت کنندہ کو سونپے جائیں گے۔

(۲) مصالحت کنندہ کو اپنی کوششوں کے لیے کتنی مدت دی جائے گی۔"

جب اس کا کوئی معقول جواب نہیں ملا تو مصالحت کنندہ کا فارمولہ آگے نہ بڑھ سکا بات چیت کا چھٹا دور جب دہلی میں شروع ہوا تو سیاسی مبصرین کا خیال تھا اب کوئی معجزہ ہی کانفرنس کو ناکامی سے بچا سکتا ہے۔

آخر ۱۶ر مئی ۱۹۶۳ء کو دہلی کے مشترکہ اعلامیہ میں بڑے افسوس کے ساتھ، یہ اعلان کیا گیا کہ "بات چیت ناکام ہو گئی ہے۔"



موئے مقدّس صلعم

کشمیر کی اجتماعی زندگی کا ایک اہم نشان

جنہیں اپنی جائے پاک سے اُٹھا کر ایک بدترین حرکت کی گئی

کھُلے تھے لب کہ اُس نے کاٹ کر زباں رکھدی
کہ ہمیشہ کے لیے بند کر کے غم کی داستاں رکھدی

موئے مُقدّس صلعم کی گمشدگی اور اُس کے اسباب

ریاست جموّں و کشمیر میں بخشی غلام محمد کی حکومت رشوت خوری، کُنبہ پروری
ٹ کھسوٹ اور ظلم و جبر کی کارروائیوں سے خاصی بدنام ہو چکی تھی۔ مرکزی سرکار کے پاس
شی برادران کے بارے میں شکایات کا ایک انبار جمع ہو گیا تھا۔ بخشی برادران کی
ی کی طرف پنڈت نہرو کی توجہ مبذول کرائی گئی تو انھوں نے شکایت کنندگان کو بتایا
شی غلام محمد کے دورِ حکومت میں جس نے جو منہ سے نگل لیا سمجھو وہ سب ضائع ہو گیا۔ البتہ
زمین جائداد اور عمارتیں موجود ہیں ان کو کسی بھی وقت قومی ملکیت میں لیا جا سکتا ہے
ڈت نہرو کی یہ دلیل اگرچہ معقول تھی لیکن تب سے اب تک کسی بھی سرکار نے لوٹ کھسوٹ
سے حاصل کی گئی زمین جائداد اور کرپشن سے بنائی گئی بلڈنگیں قومی ملکیت میں نہیں لیں۔
کزی سرکار نے کتنی بار بخشی غلام محمد سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی لیکن بھارت کے
ن ان کی وفاداری خاص طور پر شیخ عبداللہ سے نمٹنے کا ان کا کارنامہ مدنظر رکھ کر
ان پر ہاتھ ڈالنے سے احتراز کیا گیا۔

لیکن چینی حملہ میں حواس باختہ ہونے کے بعد جب ایسے بدنامِ زمانہ افراد سے نجات
نے کا فیصلہ کیا گیا تو کامراج نادار نے اس کے لیے ایک پلان بنایا۔

کامراج نے تامل ناڈو کی ریاست میں ایک لمبے عرصے تک وزیر اعلیٰ رہنے کے بعد
کزی کابینہ میں آ کر یہ فارمولہ پیش کیا کہ سبھی سینئر کانگریسی لیڈر جو مرکز یا ریاستوں میں

اقتدار کی پہلی صف میں موجود ہیں اپنے استعفے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو کو پیش کریں اور اس کے بعد اس بات کا فیصلہ وزیراعظم پر ہی چھوڑ دیا جائے کہ وہ کس کو وزارت کے منصب پر برقرار رہنے کی اجازت دیتے ہیں اور کس کا استعفیٰ منظور کر کے اسے تنظیمی محاذ پر بھیج دیتے ہیں۔

دراصل یہ جواہر لال کی اپنی تجویز تھی جسے انھوں نے کامراج کے ذریعے روبہ عمل لانے کا فیصلہ کیا۔ یہ تجویز اگست ۱۹۶۳ء میں پیش کی گئی اور اس کے تحت بعض اہم مرکزی وزراء جن میں مرارجی ڈیسائی، لال بہادر شاستری، جگ جیون رام، کامراج نادار، چندر بھان گپتا بھی شامل تھے مستعفی ہو گئے۔ مرکزی وزراء کے ساتھ ریاست جموں و کشمیر کے وزیراعظم بخشی غلام محمد نے بھی اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ اور پنڈت نہرو نے پہلی فرصت میں صرف ان کا ہی استعفیٰ منظور کر کے اس بات کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا یہ سارا کھیل محض ان کے لیے ہی کھیلا گیا تھا۔

بخشی غلام محمد کے استعفے کی خبر نشر ہوتے ہی جموں و کشمیر میں ان کے حامی ششدر رہ گئے اور انھوں نے مرکزی سرکار کی اس کارروائی کے خلاف احتجاجی جلوس نکالے۔

"پنڈت جی کچھ سوچو، استعفیٰ واپس لو"

کے نعرے لگانے والے آخر تھک ہار کر بیٹھ گئے، بخشی غلام محمد بازی ہار کر دہلی سے سرینگر آئے تو اپنی پارٹی کے عہدیداروں سے لیکر معمولی ورکروں نے بھی ان سے اس غلطی کے بارے میں بازپرس کی مگر ان کے پاس سوائے اس کے اور کوئی جواب نہ تھا کہ میں نے اپنی مرضی سے پارٹی ڈسپلن کے لیے استعفیٰ دیا ہے اور اس کو اب واپس نہیں لیا جا سکتا۔

بخشی غلام محمد سے چھٹکارا پانے کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے خواجہ غلام محمد صادق کو وزیراعظم مقرر کرنے کا فیصلہ کر لیا تو بخشی غلام محمد نے اس کی مخالفت کی، چونکہ اسمبلی میں بخشی غلام محمد کے حامیوں کی اکثریت تھی اس لیے ان کے آشیرواد کے بغیر خواجہ غلام محمد صادق کا وزیراعظم بننا مشکل تھا، پنڈت نہرو نے اس عہدے پر فائز کرنے کے لیے صادق صاحب کے لیے جتنا زور لگایا اتنا ہی بخشی غلام محمد نے اس کی مخالفت کی، بخشی غلام محمد کو اس بات کا ڈر تھا، صادق صاحب وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھال کر نہ صرف ان کے حامیوں کا قافیہ تنگ کریں گے بلکہ وہ ان کا محاسبہ بھی کرائیں گے، بخشی صاحب بخوبی جانتے تھے مرکزی

سرکار کے پاس ان کے برادران اور دوسرے احباب کی لوٹ کھسوٹ کی تمام رپورٹیں صادق صاحب ہی نے مرکز تک پہنچا دی تھیں۔

بخشی صاحب کی مخالفت سے جب صادق صاحب کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا تو بخشی صاحب سے پوچھا گیا "اگر صادق صاحب وزیراعظم نہیں تو پھر کون؟"

بخشی غلام محمد نے اپنے رشتے دار بخشی عبدالرشید کا نام تجویز کیا جو نیشنل کانفرنس کے جنرل سکریٹری تھے، مرکز نے بخشی رشید کو اس عہدے کے لیے ناموزوں سمجھ کر نامنظور کیا اور کوئی اور شخصیت تجویز کرنے کو کہا گیا۔

بخشی صاحب نے کابینہ کے ایک وزیر خواجہ شمس الدین کا نام پیش کیا جسے مرکزی سرکار نے بادلِ ناخواستہ قبول کیا۔

چنانچہ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۶۳ء کو خواجہ شمس الدین ریاست کے وزیراعظم بنائے گئے خواجہ شمس الدین محض دکھاوے کے وزیراعظم بنائے گئے تھے اصل میں ساری پاور بخشی غلام محمد نے اپنے ہاتھ میں رکھی وہ خود ریاستی منصوبہ بندی کمیشن کے چیرمین بنے رہے۔ انھوں نے سول سکریٹریٹ میں منصوبہ بندی کے چیرمین کا دفتر وزیراعظم کے دفتر کے پاس ہی رکھا جہاں سے وہ براہِ راست احکامات دیا کرتے تھے۔

شمس الدین کی کابینہ کے سارے وزراء کا تقرر بھی بخشی صاحب کے اشارے پر کیا گیا۔ انہوں نے غلام محمد صادق، ڈی پی در، گردھاری لال ڈوگرہ اور سید میر قاسم کو بھی کابینہ سے ڈراپ کیا۔ اس طرح حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھ دی۔

خواجہ شمس الدین کو وزیراعظم مقرر کیا گیا تو بخشی رشید نے اسے اپنی توہین کے مترادف سمجھا، ان کے ہوتے ہوئے ایک غیر معروف شخص کو وزیراعظم کے عہدے پر مامور کرنا ان کے لیے زہر کے گھونٹ پینے کے برابر تھا جو انھوں نے وقتی طور پر تو پی لیا لیکن اب وہ اس دن کا انتظار کرنے لگا جب وہ مرکزی سرکار سے اس توہین کا بدلہ لے کر انھیں اپنے سامنے جھکنے کے لیے مجبور کرے۔

اس کے لیے انھوں نے موئے مقدس صلعم کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کا پلان بنایا دسمبر جیسی زمستان میں حضرت بل کے آستانے سے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے شریف کی گمشدگی کی خبر نے وادی کشمیر میں آگ سی لگا دی۔

۲۷ر دسمبر ۱۹۶۳ء کی صبح کو موئے شریفؐ کی گمشدگی کی خبر سے لوگ ششدر رہ گئے۔

۲۶ر دسمبر کو کسی صاحبِ اثر ورسوخ کے کہنے پر مجاور درگاہ عبدالرحیم بانڈے نے اس موئے شریفؐ کا نجی طور پر دیدار کرایا تھا۔ دراصل یہ نجی دیدار اس کی نشاندہی کے لیے کیا گیا تھا۔ صبح کو اس کمرے کا دروازہ کا قفل توڑا پایا گیا۔ جس کمرے میں موئے مقدسؐ چوب دار صندوقچے میں ہوا کرتا تھا۔ اس چوبی صندوقچے کو کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔

موئے مقدسؐ کی گمشدگی کی خبر آناً فاناً چاروں طرف پھیل گئی۔ یہ موسم کشمیر میں سردیوں کے نقطۂ عروج یعنی 'چلّہ کلاں' کا زمانہ تھا اور برف باری ہو رہی تھی۔ کشمیر کے کونے کونے میں یہ خبر پھیل گئی تو پہلے لوگ اس جھٹکے سے دم بخود ہو گئے پھر وہ اس گمشدگی کی خبر کے بارے میں تصدیق کرنے لگے۔ تفصیلات آنے کے ساتھ ساتھ لوگ سڑکوں گلی کوچوں میں جمع ہونے لگے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس بدبختانہ حرکت کے خلاف لوگ واویلا اور احتجاج کرنے لگے۔ حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن شروع ہو گیا۔ تو ریاستی سرکار کے ساتھ مرکزی سرکار لرز اُٹھی، ہر طرف ایک کہرام مچ گیا۔ مرد و زن بوڑھے اور بچّے نوحہ کناں سڑکوں پر اُمنڈ آئے۔ چلّہ کلاں کی زمہریری اور ٹھنڈی ہوائیں عقیدت کے شعلوں کو بجھانے کے بجائے انہیں اور بھڑکانے لگیں، ساری وادی میں مکمل ہڑتال ہو گئی، کاروباری ادارے بند ہو گئے، احتجاجی اور ماتمی مظاہروں کا لامثال سلسلہ شروع ہو گیا۔ حکومت عضوِ معطّل بن کر رہ گئی۔

سرینگر میں ایک بہت بڑا جلوس جب لال چوک پہنچا تو بخشی عبدالرشید جو لال چوک کے لیبر یونین کے دفتر میں تاک میں بیٹھا تھا۔ نیچے آیا اور ایک جیپ گاڑی میں بیٹھ کر بڑی تیزی سے عوام کے سامنے آ گیا اور ان کی قیادت کرنے کی آڑ میں جیپ کے بونٹ پر کھڑا ہوا ابھی وہ کچھ بولنے ہی والا تھا کہ ایک کانگڑی لہراتی ہوئی آ کر اس کے سینے کے ساتھ ٹکرائی، پھر کیا تھا کانگڑیوں کی گویا ان پر بارش ہو گئی اور وہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر رفوچکّر ہو گئے، اس جمگھٹے میں بخشی رشید پر ایسی مار پڑ گئی کہ وہ پھر اُٹھ نہ سکے اور نہ ہی مرتے دم تک پبلک کے سامنے آ سکے۔ بخشی رشید جان بچانے میں کامیاب تو ہوئے لیکن مشتعل ہجوم نے بخشی برادران کی پراپرٹی نذرِ آتش کرنے میں جو پہل کی اس نے

[...]شتری کو حرکت میں آنے کا موقع فراہم کر دیا، لیکن عوامی غیض وغضب کے سامنے [...]کی ایک نہ چلی۔

وادیٔ کشمیر میں موئے مقدّس صلعم کی گمشدگی کے ساتھ بخشی برادران کی املاک کو نذر [آتش] کرانے کی خبر ساری دُنیا میں پھیل گئی ہمرکزی سرکار کے ایوان میں ایک زلزلہ سا آ گیا۔

[...] لال بہادر شاستری کے ساتھ سُراغ رسانی کے کئی اعلیٰ [...] [سری]نگر روانہ کیے گئے۔



(لال بہادر شاستری)

[ا]س دوران سارا کشمیر احتجاجی مظاہروں کی لپیٹ میں [...] ٹھٹھرتی سردی میں تمام لوگوں نے گھربار کو خیرباد [...]کوں پر بسیرا شروع کر دیا۔ جگہ جگہ لنگر لگائے گئے [...]ہاں پیٹ کی آگ بجھا کر مرد، عورتیں بوڑھے اور بچّے [م]وئے شریفؐ کے حصول کے لیے واویلا، گریہ وزاری کے ساتھ احتجاجی مظاہرے [کرتے] تھے۔

وادی کے تمام قصبوں اور دیہاتوں سے سرینگر کی طرف لوگوں کا پیدل مارچ شروع [...] دیہات سے چاول آٹا اور دوسری خوردنی چیزیں بڑی مقدار میں آنے لگیں۔ [...]اروں اور کاروباری اداروں کی طرف سے فراخ دلی کے مظاہرے میں کھانے [...]ی لازمی اشیاء کی قیمتیں یکایک زمین پر آ گئیں۔ برادری اور اُخوّت کے وہ مظاہرے [...]نے میں آئے جن کی مثال ملنی مشکل ہے۔ مسلمانوں کے دو بڑے مکتب خیال لوگ [...] اور سنّی ہم آواز و ہم پرواز ہو گئے۔ پانچ روز کی شائستہ منظم اور باوقار احتجی [...] کے بعد جب منتظمین کی طرف سے کفن پہن کر حصولِ موئے مقدّسؐ کے لیے جان [...]ن کر دینے کا اعلان کیا گیا تو موئے مقدّس کی بازیافت ہو گئی۔

[۴]ر جنوری ۱۹۶۴ء کو ریڈیو کشمیر سرینگر سے اس بازیافت کا اعلان کیا گیا تو [...]رح کا سیلاب رُک گیا۔

ڈاکٹر کرن سنگھ، لال بہادر شاستری، مسٹر وشوا ناتھن اور آئی، بی کے ڈائرکٹر [...]ن ملک کی موجودگی میں وادی کے بعض سیاستدانوں اور مولویوں سے اس موئے [...]ؐ کی شناخت کرائی گئی اور اس کے ملزم کو پیش کرنے کا اعلان بار بار دُہرایا گیا۔

اگرچہ سرکاری طور پر موئے شریف کو اپنی جائے پاک سے اُٹھانے والے کی آج تک نشا
نہیں کی گئی۔ لیکن اس کے لیے موئے شریف کی گمشدگی کے ساتھ ہی علاقہ ترال کے
عبدالرشید نامی ایک ایگریکلچر اسسٹنٹ کو حراست میں لیا گیا تھا، کیونکہ یہ پہلا شخص
تھا جو سرینگر میں قیام کے دوران ایسی المناک خبر سُن کر سب سے پہلے حضرت بل گیا اور و
پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔

ویسے موئے مقدسؐ کی بازیابی کے جو چشم دید گواہ ہیں ان میں بی، این ملک، ڈاکٹر
کرن سنگھ سرِفہرست ہیں، موئے مقدسؐ کی بازیابی بخشی
عبدالرشید کی نشاندہی پر مسکین باغ کے ایک ہاؤس بوٹ کے
تیسرے کمرے سے ہوگئی۔ اس کمرے کے شلف میں یہ ایک سبز
رنگ کے مخمل کے کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیا گیا تھا۔ مسکین باغ میں
جہاں یہ ہاؤس بوٹ تھا وہاں پاس ہی بخشی عبدالمجید کی رہائش گاہ
بھی تھی۔


(بخشی عبدالرشید)

اس روز صبح سویرے بخشی عبدالرشید کو ہتھکڑیاں پہنا کر
مسکین باغ لایا گیا۔ سُراغ رساں کتّے نے کئی دوڑیں لگا کر جب
ہاؤس بوٹ کے پاس بار بار رُک کر زمین کھرچنی شروع کی تو بخشی
عبدالرشید نے اقرار کر لیا اور ان کی نشاندہی پر ہاؤس بوٹ کے تیسرے کمرے کے
شلف سے موئے مقدسؐ حاصل کیا گیا۔

موئے مقدس کو حاصل کر لینے کے بعد بخشی رشید کو ایک جیپ میں بٹھا دیا گیا قبل
اس کے کہ یہ جیپ یہاں سے روانہ ہو جاتی ڈاکٹر کرن سنگھ کی ہدایت پر اس جیپ کے
فرنٹ شیشے پر کیچڑ مَل دی گئی تاکہ راستے میں اس کے اندر بیٹھنے والوں کو کوئی پہچان نہ
سکے، صرف ڈرائیور کے سامنے شیشے کا ایک حصّہ صاف رکھا گیا۔ بی، این، ملک نے
بخشی رشید کو جیپ میں اپنی تحویل میں رکھ دیا۔ مسکین باغ سے جیپ نکال کر ڈلگیٹ
کے راستے صدرِ ریاست کی قیام گاہ پر لائی گئی۔

بخشی رشید سے اس حرکت کے بارے میں تفتیش ہو رہی تھی اور ادھر سرکاری
طور پر ریڈیو کے ذریعے موئے مقدس کی بازیابی کا اعلان بار بار دُہرایا جاتا رہا، عوام

ملزم کا نام بتانے کا یقین دلایا جا رہا تھا، بخشی رشید نے دورانِ تفتیش جب
جواہر لال نہرو کو اپنے بچاؤ کے لیے اس میں ملوث کر دیا تو ایک گمبھیر مسئلہ کھڑا
ہوا۔ پنڈت نہرو کے ساتھ ٹیلیفون پر رابطہ قائم کر کے جب انھیں اس صورتحال
گاہ کیا گیا تو پنڈت نہرو اس جھوٹ پر سخت تلملا اُٹھے، لیکن بخشی رشید کو اپنے
کے لیے جو ہتھیار مل گیا وہ اس کا استعمال کرنے لگے۔ بخشی رشید نے تفتیش کنندگان
واضح کر دیا اگر مجھے اس کیس میں ملوث کیا گیا تو میں یہ کہنے میں ہرگز نہیں
گا۔" ایسا کرنے کے لیے مجھ سے پنڈت نہرو نے کہا۔"

اس صورتِ حال کو مدِنظر رکھ کر موئے مقدسؐ کے اصلی ملزم کا افشا ملتوی ہو گیا
ستہ آہستہ یہ التواء اتنا طول پکڑ گیا کہ برسوں کے بعد بھی اصلی ملزم کو پیش
کیا گیا۔ اور نہ کیا جائے گا۔


خواجہ ثناء اللہ بٹ

سرینگر کے ایک نامور اخبار روزنامہ "آفتاب" کے مدیرِ اعلیٰ
ثناء اللہ بٹ نے اپنی کتاب "کشمیر ۱۹۴۷ سے ۱۹۷۷ء تک" میں
مبارکؐ کی گمشدگی اور بازیابی کے بارے میں جو تفصیلات
اس کے مطابق موئے مقدس کی بازیابی نہ صرف مشکوک
ی گئی بلکہ اس کے اصلی ہونے کے شکوک بھی پیدا کیے گئے۔
سلسلے میں بٹ صاحب نے جو دلیل دی ہے اس کی معقولیت سے
ر نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے لکھا ہے:

"...... لال بہادر شاستری ۳۰ جنوری ۱۹۶۴ء کو دوبارہ سرینگر
آئے اور یہاں انھوں نے مولانا مسعودی، شیخ فاروق، مولوی فاروق
اور دوسرے علماء، بخشی غلام محمد، وزیر اعظم شمس الدین اور اعلیٰ
افسروں کے ساتھ الگ الگ ملاقاتیں کیں۔

مسٹر شاستری کی آمد کے دو دن بعد مولانا مسعودی نے مجھے بتایا
کہ حکومت کا یہ منصوبہ ہے کہ ۵ فروری کو زبردست اور کڑے پہرے
میں مسلّمہ روایات کے خلاف سرکاری اہتمام کے ساتھ موئے مبارک
کا دیدار کرانے کا انتظام کیا جائے، جس کے بہت بُرے نتائج نکل سکتے ہیں

اور خون خرابہ ہو سکتا ہے۔

چنانچہ میں اسی دن بخشی صاحب سے ملا۔ میں نے انہیں بتایا کہ موئے مبارک کی باقاعدہ شناخت اور تصدیق کے بغیر دیدار کا اہتمام بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس معاملے پر خون خرابہ ہو لیکن بخشی صاحب موئے مبارک کی شناخت یا ان کی تصدیق کروانے کے لیے بالکل تیار نہ تھے اور انہوں نے کہا ایسا کسی صورت میں نہیں ہو سکتا اور اگر ایسا ہوا یعنی موئے مبارک کی شناخت اور تصدیق حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تو اس پر اس سے کہیں زیادہ خون خرابہ ہونے کا احتمال ہے جو شناخت اور تصدیق کے بغیر ان کے دیدار کے موقع پر ہو سکتا ہے اس لیے آپ کو بھی چاہیے کہ آپ شناخت اور تصدیق کی وکالت سے باز رہیں میں نے بڑی عاجزی کے ساتھ ان سے کہا کہ اگر اس معاملے کی باقاعدہ شناخت اور تصدیق نہ کروائی گئی تو یہ بہت بڑی بدقسمتی ہوگی کیونکہ اس طرح یہاں کے مسلمانوں میں نسل در نسل شک و شبہات اور اختلافات قایم رہیں گے۔ لیکن اس کے باوجود بخشی صاحب اپنے فیصلے پر قائم رہے اور کہا۔ موئے مبارک کی شناخت اور تصدیق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جب لوگوں سے ان کی تصدیق یا شناخت کروائی جائے گی وہ انہیں اصلی تسلیم نہیں کریں گے اور کوئی حکومت ایسا خطرہ مول لینے پر تیار نہیں ہو سکتی۔

اس اگلے دو روز کے اندر در پردہ اور خفیہ طور پر جو کچھ ہوتا رہا اس کے نتیجے میں ۳ فروری ۱۹۶۴ء کو نہایت پُر اثر اور ڈرامائی انداز میں اور بالکل اچانک طور پر مولانا سعید مسعودی، مولوی محمد فاروق، شالیمار کے سید میرک شاہ کاشانی اور ایکشن کمیٹی کے کچھ ممبروں کو درگاہ حضرت بل پہنچایا گیا۔ جہاں لال بہادر شاستری ریاست کے وزیر اعظم شمس الدین انسپکٹر جنرل پولیس اور بہت سے دوسرے اعلیٰ آفیسر بھی موجود تھے چنانچہ درگاہ کے حجرہ خاص کے باہر مسجد میں سب لوگ ادب و احترام کے ساتھ بیٹھ

گئے اور ان سب کی موجودگی میں درگاہ کے متولی خواجہ نور الدین بانڈے ایک صندوق اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے حجرۂ خاص سے باہر آئے جہاں سب لوگ موجود تھے، ان کے آتے ہی مولانا مسعودی نے اُن کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کہا:

نور صاحب! آپ اور ہم سب اس وقت خدا کے گھر میں ہیں اور قرآن کریم آپ کے سامنے کھلا ہوا رکھا ہوا ہے، اس لیے آپ جو کچھ کہیں گے خدا کو حاضر و ناضر جان کر سچ کہیں گے۔

اس پر نور الدین بانڈے نے کہا۔ میں خدا اور رسول صلعم کو حاضر و ناضر جان کر سچ کہتا ہوں کہ میری دانست میں یہ موئے مبارک رسول اللہ ص کے ہیں۔

اس پر سب مسلمان حاضرین نے بلند آواز میں درود و سلام اور مولانا میرک شاہ کاشانی نے برجستہ طور پر یہ شعر پڑھا ؎

کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمدؐ کا نور ہے

درگاہ حضرت بل میں تقریباً چالیس منٹ تک کی اس مختصر مگر مخصوص تقریب کے بعد یہ اعلان کر دیا گیا کہ موئے مبارک کی شناخت اور تصدیق ہو گئی ہے، اور ان کا دیدار عام ۵ اور ۶ فروری کو کروایا جا رہا ہے۔ اس اعلان کو لوگوں نے نہایت مجبوری، بے دلی، تذبذب شک و شبہے اور محتاط طریقے پر سُنا لوگوں کے دل اس اعلان کو سچ تسلیم نہیں کرتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ خاموش رہے اسی دن شام کو نئی دہلی میں اعلان کیا گیا کہ وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے لال بہادر شاستری کو امور خارجہ کا پورٹ فولیو عطا کیا تب تک شاستری وزیر بے محکمہ تھے۔

سرینگر میں ۶ فروری کو عرس چہار یار رضی کی تقریب سعید پر موئے مبارک کا دیدار عام کروایا جا رہا تھا، اور ادھر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اسی دن کشمیر کے سوال اور موئے مبارک کی گمشدگی پر

پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور ہندوستان کے نمائندے مسٹر کریم بھائی چھاگلہ کے درمیان بحث و تکرار ہو رہی تھی لیکن نہ تو کسی کو یہ بتایا گیا کہ موئے مبارکؐ کون اٹھا کر لے گیا اور نہ یہ بتایا گیا انہیں واپس درگاہ حضرت بل میں کون چھوڑ گیا تھا۔

۱۲ فروری کو ہندوستان کے وزیر داخلہ گلزاری لال نندہ نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ درگاہ حضرت بل سے موئے مبارک کی چوری کے واقعہ کی تحقیقات مکمل کرنے میں ابھی ایک اور ہفتہ لگے گا۔ اور اسکے فوراً بعد یہ معاملہ کسی عدالت میں پیش کر لیا جائے گا۔ جن لوگوں نے یہ حرکت کی وہ پولیس کی تحویل میں ہیں ان کے نام نہیں بتائے جا سکتے۔

۱۷ فروری کو پارلیمنٹ میں ایک اور بیان میں شری گلزاری لال نندہ نے اعلان کیا کہ درگاہ حضرت بل سرینگر سے موئے مبارک لے جانے کے سلسلے میں اب تک تین اشخاص کو گرفتار کیا گیا ان میں ایک درگاہ حضرت بل کے متولی عبدالرحیم بانڈے دوسرا ترال کا عبدالرشید اور تیسرا قادر بٹ ہے، (انہوں نے رمضان بٹ کے بجائے قادر بٹ بتایا۔ ش۔ ن) مسٹر نندہ نے ایوان کو بتایا کہ عبدالرشید کو اس وقت گرفتار کیا گیا تھا جب وہ موئے مبارکؐ اپنی جگہ پر واپس[1] رکھنے کے لیے درگاہ حضرت بل آیا تھا اور قادر بٹ[2] پاکستان آتا جاتا رہتا تھا، مسٹر نندہ نے یہ نہیں بتایا قادر بٹ کہاں کا رہنے والا ہے اور اُسے کہاں پکڑا گیا تھا۔ البتہ بعد میں کشمیر پولیس کے ایک متعلقہ افسر نے مجھے بتایا کہ درگاہ حضرت بل کے واقعہ

[1] حقیقت تو یہ ہے کہ عبدالرشید کو اُسی روز گرفتار کر لیا گیا جس روز موئے شریفؐ کے گم ہونے کی اطلاع ملی۔

[2] اس دوران دیالگام کا رمضان بٹ گرفتار ہوا تھا اور یہ پاکستان کی سرحد سے ہندوستان کی سرحد میں داخل ہونے کے دوران پکڑا گیا تھا، وہ پاکستان سے محاذ رائے شماری کے لیے ایک لاکھ کی رقم لایا تھا، جو ضبط کر لی گئی۔

میں ملوث قادر بٹ نام کا کوئی شخص گرفتار نہیں ہوا ہے، البتہ عبدالرحیم بانڈے اور ترال کا ایک سرکاری ملازم اسسٹنٹ ایگریکلچر عبدالرشید ہماری تحویل میں ہیں۔"

خواجہ ثناء اللہ بٹ نے مختلف لیڈروں اور آستانہ عالیہ کے متولیوں کے ساتھ ...یت کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس سے یقیناً موئے مبارکؐ کے بارے میں شکوک ...ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایک بات جو بار بار ذہن میں گونجتی ہے وہ یہ کہ بخشی صاحب کا ...یہ ختم ہونے کے بعد جب حالات بالکل مختلف ہوئے تب ان سیاسی لیڈروں ان ...یوں نے موئے مبارک کی اصلیت کے بارے میں سی لیے گئے ہونٹ کیوں نہیں کھولے ...ے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ...ش رہنے میں کیا مصلحت تھی۔



(عبدالرحیم بانڈے)



(غلام محمد بانڈے)

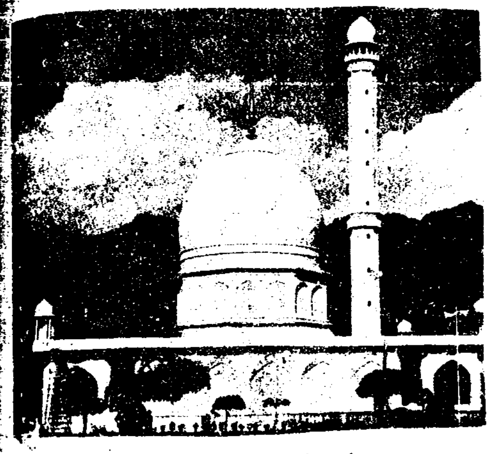
عبدالرحیم بانڈے اور ...ام محمد بانڈے نے بعد میں کتنی ...ر موئے مبارکؐ کے قریب ...ے دیدار کیے۔ اس کے بعد ...ہوں نے جو نتیجہ اخذ کیا، اس کے بارے میں خاموشی سے کیوں کام لیا؟ یا تو ان کا شک ...رہوا ہوگا یا اس کے بارے میں ان کی بھی نیت صاف نہیں۔

بہر حال عوام اور خواص نے اس کو اصلی جان کر قبول کر لیا اور اسی عقیدت و احترام ...ے اس کے دیدار کیے جس طرح کرتے آئے ہیں۔

شیخ صاحب نے رہائی کے فوراً بعد نہ صرف موئے مقدس صلعم کو محفوظ رکھنے ...عادہ کیا بلکہ آستانہ عالیہ کو شہید کر کے ایک نئی اور شاندار عمارت بنانے کا فیصلہ ...ا۔ آستانۂ عالیہ کی تعمیر نو کے لیے انہوں نے عوام سے چندے کی اپیل کی، سرمایہ ...داروں کے پاس جا کر منہ مانگی رقم وصول کر لی۔

اِس نئی عمارت کی بنیاد ۱۹۶۹ء میں فقیر میرک شاہ کاشانی کے ہاتھوں رکھوائی گئی ...گاہ حضرت بل کی یہ عمارت دس سال میں مکمل ہوئی۔ ۲۳ر جون ۱۹۷۸ء کو اللہ اکبر ایمان افروز نعروں کی گونج میں موئے مقدسؐ نئے حجرے میں منتقل کیا گیا۔

اُس دن کی تقریب میں شیخ محمد عبداللہ نے موئے مقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی تاریخ بیان کی۔ ہزاروں لوگوں نے نمازِ جمعہ پڑھی، اور انھوں نے مُوئے مقدّس ؐ کے اصلی مجرموں کو پکڑنے کا مطالبہ دُہرایا



(درگاہ شریف حضرت بل)

موئے مقدس صلعم کو نئی عمارت کے حجرۂ خاص میں منتقل کرنے کے لیے خاص انتظامات کیے گئے ہزاروں آنکھیں موئے مقدس کی نئی عمارت میں منتقلی کا روح پرور منظر دیکھ رہی تھیں۔ سخت ترین گرمی اور دن بھر کے انتظار کے بعد موئے مقدس ؐ نئی عمارت میں لایا گیا تو ساری فضا درود و سلام سے منوّر ہوگئی۔

ایک جمِّ غفیر یہ منظر دیکھنے کے لیے چشم براہ تھا، شیخ صاحب، بیگ صاحب اور حسام الدین بانڈے کے ساتھ دوسرے دینی و مذہبی علمار اور کئی عمائدین وہاں موجود تھے۔

اُسی دن شام کو شہر میں چراغاں کیا گیا، اور آتش بازی چھوڑی گئی، عام گھرانوں میں اُس روز خاص پکوان پکائے گئے تھے اور ایک طرح سے عید جیسی خوشیاں منائی گئیں۔

ئے مقدّس صلعم کی تصدیق سے متعلق دستاویز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حلیہ مقدسہ حضرت عنبر بوئی موئی گیسوئی مقدس نبوی صلعم

موئی مبارک خوبی ایک بلوری شیشہ مبارک میں معلق ہے۔ جو کہ خمدار۔ اور بحیثیت
رنگ زردہ دو حصہ والا نمایاں ہوتا ہے۔ الا قندیلہ مبارک میں سے موئی مقدس کی [illegible]
زیارت صرف ایک طرف سے ہو سکتی ہے۔ دوسرا طرف قندیلہ شریف
نا شفتہ ہے۔ جسکے اوپر ایک نقرۂ صراحی گردن ڈھکنہ مبارک ہے۔ جسکے اوپر
ایک نقرئی غنچہ لگا ہوا ہے۔ شیشہ مبارک کا نچلا حصہ بھی چاندی کا ہے۔ جو کہ
گول ہے۔ چاندی کے یہ دو حصے قندیلہ مبارک بلوری کے ساتھ بند ہیں۔ تخمیناً
قندیلہ مبارک مع چاندی کے لمبائی پانچ انچ تک ہوگی۔ اسکے ساتھ چاندی کی ایک
گلستنی [illegible] حلقہ گردش ہوا کرتی ہے۔ یہ نعمت عظمیٰ مع قندیلہ مبارک [illegible]
نوری غلاف شریف ہے۔ یہ غلاف مبارک ابتدائی ورود مسعود حضرت موئی مبارک
کے ساتھ ہے۔ اس غلاف شریف کے دہانہ پر ایک [illegible] کی ڈوری لگی ہوئی ہے۔ جسکے کھینچنے
غلاف شریف بند ہوتا ہے۔ یہ موئی مقدس اس غلاف شریف کے معیت سبز مخمل کی
غلاف شریف میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اسکے بعد یہ نعمت عظمیٰ ایک صندوقچہ مبارک میں
جو کہ ابتدائی ورود مسعود کے ساتھ ہے۔ رکھا جاتا ہے۔ صندوقچہ مبارک کے متعلق تاریخ [illegible]
[illegible] میں یوں [illegible] ہے۔ (علما۔ فضلا۔ [illegible]) [illegible]
[illegible]

[illegible]

یہ آج گلستاں سے اُٹھتا ہے دھواں کیسا؟
کیا میرے نشیمن کو پھر برق جلا آئی

پنڈت نہرو کی نئی حکمتِ عملی
مولوی فاروق کی قلابازی

موئے مقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی گمشدگی کے دوران کشمیری عوام کی یک جہتی یگانگت باہم اتفاق یقیناً حکومتِ ہند کے لیے یہ صورتِ حال تشویشناک بن گئی۔ اس طرح کشمیر سوال جو سرد خانے میں پڑا ہوا تھا، ایکبار پھر عالمی سطح پر اُبھر آیا۔ مرکزی لیڈروں کو احساس ہوگیا کہ سترہ سال تک جس مسئلہ کو دبانے کے لیے انھوں نے تمام حربے استعمال میں لائے وہ صرف ایک جھٹکے میں ختم ہوگئے، لالچ دباؤ اور ترغیب سے تحریکِ حریّت کو دبا کر مرکزی اور ریاستی سرکار بظاہر مطمئن نظر آرہی تھی، لیکن موئے مقدس صلعم کے منہ چھیڑ چھاڑ نے تحریکِ حریّت میں ایک نئی جان ڈالدی، تحریک موئے مبارک کی مجلس عمل جس میں سید میرک شاہ کاشانی، مولانا محمد سعید مسعودی جیسے پیر بزرگان کے ساتھ نوعمر مولانا فاروق اور فاروق عبداللہ بھی شامل تھے۔

شیخ عبداللہ جیسے بلند قامت لیڈر کے ناطے فاروق عبداللہ عام لوگوں کے جانے پہچانے تھے، مولوی فاروق مولوی خاندان سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ایک محدود دائرے میں قابلِ قبول تھے، البتہ حصول موئے مبارک کی تحریک کے دوران جب وہ اسٹیج پر نمودار ہوئے تو لوگ ان کے شجرِ نسب سے واقف ہوگئے اور مولوی خاندان کے چشم و چراغ کے طور پر عوام نے انہیں قبول کرلیا، مولوی فاروق اور شیخ فاروق سنِ بلوغ میں داخل ہو رہے تھے۔ دوسرے بزرگانِ دین اور سنیئر سیاست دانوں کی سربراہی میں مولوی

[illegible]

فاروق اور شیخ فاروق حصول موئے مبارکؐ کی تحریک کے بعد "اصلی مجرم کو پیش کرو" کی مانگ لے کر حقِ خودارادیت کا مطالبہ کرنے لگے، عام لوگوں نے اسے دل کی آواز سمجھ کر اس پر لبیک کہا۔ حقِ خودارادیت کا مطالبہ ریاستی سرکار کے ساتھ مرکزی سرکار کے لیے باعثِ تشویش بن گیا۔ نئی دہلی میں خواجہ شمس الدین کو ہٹا کر خواجہ غلام محمد صادق کو وزیر اعظم بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔

غلام محمد صادق نے ۲۸ر فروری ۱۹۶۴ء کو ریاست جموں وکشمیر کی وزارت عظمیٰ کا بوجھ ان کٹھن اور مشکل حالات میں سنبھالا جبکہ ریاست اپنی تاریخ کے ایک نازک دور سے گزر رہی تھی۔ ریاست کے اندر اور باہر کچھ ایسی الجھنیں پیدا ہوگئی تھیں جنہوں نے ریاست کے پورے سیاسی اور انتظامی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اب کی بار بخشی ایک خاموش تماشائی بن کر رہ گئے۔

عنانِ حکومت سنبھالتے ہی صادق صاحب نے شیخ محمد عبداللہ کو رہا کرنے کا فیصلہ کیا۔ حالانکہ مرکزی سرکار وادیٔ کشمیر میں "حق خودارادیت" کے مطالبے سے پیدا شدہ صورتِ حال سے بخوبی واقف تھی اور انھوں نے صادق صاحب کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا تھا، لیکن صادق صاحب نے اس کے باوجود بھی شیخ عبداللہ کو رہا کرنے اور سیاسی سطح پر ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کا اعادہ کیا۔

وزیر اعظم خواجہ غلام محمد صادق کی طرف سے شیخ عبداللہ کی رہائی کے اعلان سے وادی بھر میں مسرت کی لہر سی دوڑ گئی۔

موئے مقدس صلعم کی بازیابی کے سلسلے میں تحریک چلانے کے لیے کشمیر کی نو سیاسی و مذہبی جماعتوں نے قومی اتحاد کی شکل اختیار کر لی تھی اور اس کا نام مجلس عمل برائے حصول موئے مقدس صلعم رکھا گیا تھا۔

حق خودارادیت کے حصول کی خاطر عوام کے جذبۂ حریت کو دیکھ کر مجلس عمل نے ریاست کے سیاسی سوال کو حل کرنے کے لیے جدوجہد جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سلسلے میں ۴ر مارچ ۱۹۶۴ء کو جامع مسجد میں مجلس عمل کے زیر اہتمام ایک جلسہ منعقد کیا گیا اور متفقہ طور پر ایک قرارداد پاس کی جس کے مطابق ریاستی عوام کے لیے حق خودارادیت اور آزاد و غیر جانبدار رائے شماری کے مطالبات کیے گئے۔

ہندوستان اور پاکستان سے کہا گیا کہ وہ کشمیری عوام کے ساتھ کیا گیا اپنا وعدہ پورا کرنے میں سامنے آئے۔ نیز اقوام متحدہ کی قراردادوں کے تحت مسئلہ الحاق طے کرانے کے لیے عوام کی خواہشات معلوم کرنے کی خاطر ایک آزاد رائے شماری عمل میں لانے کا مطالبہ دہرایا گیا۔ ۱۳ر مارچ کو مجلس عمل کی ایک میٹنگ میرواعظ منزل پر منعقد ہوئی۔ میٹنگ میں مولانا مسعودی، خواجہ غلام محی الدین قرہ، غلام محی الدین رہبر، پیر افضل مخدومی، مولانا ہمدانی جیسے بزرگوں کے ساتھ مولوی فاروق اور شیخ فاروق نے بھی شرکت کی، یہ میٹنگ کوئی تین گھنٹے تک جاری رہی اور فیصلہ ہوا کہ ۱۰ر مارچ کو مجلس عمل کی طرف سے ایک اجتماع منعقد کیا جائے گا۔ اعلامیہ میں کہا گیا اجلاس میں مجلس عمل "کشمیر کا مسئلہ" حل کرنے کا مطالبہ پیش کرکے حقِ خودارادیت کے حصول کے لیے جدوجہد کا آغاز کرے گی۔

مجلسِ عمل، محاذ رائے شماری اور پولیٹکل کانفرنس کے ساتھ جمعیت ہمدانیہ اور جماعتِ اسلامی، ۱۰ر مارچ کے اجلاس میں شرکت کیلئے زور و شور سے تیاریاں کرنے لگیں اس اعلامیہ نے مرکزی سرکار اور ریاستی سرکار کو سخت پریشان کر دیا۔

وزیر اعظم خواجہ غلام محمد صادق اور بشری ڈی، پی در کو فوری طور پر دہلی طلب کیا گیا۔ دہلی میں مجلس عمل کے اعلامیہ پر غور و خوض کیا گیا تو گلزاری لال نندہ نے مجلس عمل کے ساتھ وابستہ تمام چھوٹے بڑے لیڈروں کو گرفتار کرنے کا مشورہ دیا لیکن صادق صاحب نے اس تجویز کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ ان کا عذر تھا کہ ایک طرف ہم نے شیخ عبد اللہ کی رہائی کا اعلان کیا دوسری طرف ہم مجلس عمل کے ساتھ وابستہ افراد کو گرفتار کریں گے ایک مذاق ہوگا۔ ڈی، پی در نے مجلس عمل میں پھوٹ ڈالنے کا مشورہ دیا اور یہ کام اپنے ذمے لیا۔ دہلی سے واپسی پر ڈی، پی در نے پہلے مولانا مسعودی سے ملاقات کی اس کے بعد وہ مولانا فاروق سے ملنے گئے۔

اگلے روز نور الدین اور محمد جمال مولوی فاروق کی طرف سے ڈی پی در سے ملے اور ان سے اور باتوں کے علاوہ مولوی فاروق اور ڈی پی در کے درمیان میٹنگ کا وقت مقرر کیا۔

اسی روز مجلس عمل کی طرف سے ۱۰ر مارچ کا اجلاس ۲۲ر مارچ کو کرنے کا اعلان کیا گیا۔ یعنی اجلاس میں صریحاً رخنہ ڈالا گیا۔



(ڈی، پی در)

ڈی پی ور ۲۰ مارچ کی شام کو مولانا مولوی فاروق کے ہاں گئے اور ان کے ساتھ موجودہ حالات پر تفصیلی گفتگو کی، ان کے درمیان ہوئی گفتگو کے بارے میں اگر مکمل تفصیلات دستیاب نہیں ہو سکی لیکن ۲۱ مارچ کی صبح کو مولوی محمد فاروق نے مجلس عمل کے عہدیداروں کی میٹنگ میں ۲۲ مارچ کا اجلاس ملتوی کرنے کا اپنا فیصلہ سنا دیا تو یہ ایک طرح سے ڈی پی ور کے ساتھ بات چیت کا ماحول تھا۔



(مولوی فاروق)

کشمیر کی حق خود ارادیت پر کشمیر کے مسلم رہنماؤں کا مکمل اجلاس جو ۲۲ مارچ ۱۹۶۴ء کو حسب پروگرام جڈی بل میں ہونیوالا تھا وہ مولانا محمد فاروق کے کنارہ کش ہونے سے پھوٹ کا شکار رہا۔ بعض مسلم رہنماؤں نے اجلاس کو ملتوی کرنے سے انکار کیا۔ چنانچہ اجلاس کی ابتدائی کارروائی کے ساتھ ہی دنگا فساد شروع ہو گیا۔ پولٹیکل کانفرنس کے صدر خواجہ غلام محی الدین قرہ جوں ہی مائک کے سامنے آئے تو کسی نے اسٹیج پر چڑھ کر ان کے سامنے سے مائک چھین لیا اور انھیں نیچے دھکیل دیا گیا۔ مولوی یاسین ہملانی کو دو ہلٹ بازوں نے اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ مولوی محمد سعید مسعودی کو خوب زدکوب کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ مار دھاڑ شروع ہو گئی کہ اسٹیج پر بیٹھے ہوئے معززین کو گھسیٹتے ہوئے نیچے اُتارا گیا۔ جنہوں نے وہاں سے بھاگنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی اس طرح یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔



مسئلہ کشمیر حق خود ارادیت کی بنیاد پر حل کرنے کا اہم اور تاریخی اجلاس جس ابتدا کے ساتھ اختتام کو پہنچ گیا اس سے جہاں کشمیر کے مسلم رہنماؤں کو شرمندگی اور ندامت ہوئی وہاں مرکزی سرکار ڈی۔ پی۔ ور سے اس کارنامے سے بہت خوش ہوئی۔ حالاں کہ اس میں ڈی۔ پی۔ ور کا اتنا ہاتھ نہیں تھا جتنا کہ

اہرلال نہرو کے اس خط کا تھا۔ جو ڈی۔ پی۔ ور کے ذریعے مولانا محمد فاروق کو گیا تھا۔ اس خط کو مولوی صاحب تک پہنچانے میں ڈی پی ور سے انکار ہو سکا۔ البتہ انھوں نے نفس مضمون کو بتانے سے صاف انکار کیا۔ کچھ بھی ہو کارروائی سے مسلم اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔

مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہونے کے بعد مرکز نے اطمینان کا سانس تو لیا لیکن ن سے مکمل طور پر چھٹکارا نہیں پا سکا۔ البتہ مرکز کی نظروں میں شری ڈی، پی در کا بڑھ گیا اور وہ ان کی اہمیت کے قائل ہو گئے۔

ایک ایمرجنسی میٹنگ میں پنڈت جواہر لال نہرو نے جو ان کی کوٹھی پر بلائی گئی تھی اس زیر اعظم کے علاوہ مرارجی ڈیسائی، لال بہادر شاستری، گلزاری لال نندہ، ٹی ٹی اچاری، اے، کے سین، بلدیو سنگھ، آئی، وی گند بویا، بی، این ملک اور کئی ہری کے ساتھ محکمہ سراغ رسانی کے چند آفیسر بھی موجود تھے۔

وزیر اعظم نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"اگر پندرہ برس کے ملاپ کے باوجود کشمیر ایک ایسی غیر مستحکم صورتحال سے دوچار ہو کر موئے مبارک جیسا سادہ مسئلہ عوام کو اس حد تک مشتعل کر سکتا ہے کہ وہ حکومت کے خلاف بغاوت پر اٹھ کھڑے ہوں پھر تو ہمیں کشمیر کے بارے میں ایک نیا اپروچ اختیار کرنا ہوگا اور ہمارے نقطہ نظر میں ایک ترقی پسندانہ تبدیلی لازمی بن جاتی ہے۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ شیخ عبداللہ کو کشمیری عوام پر ایک سخت اور مضبوط گرفت حاصل ہے اور بدلے ہوئے حالات میں ان کو اعتماد میں لیے بغیر وادی کشمیر میں کسی قسم کے سیاسی حل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اس لیے یہ رائے مناسب رہے گی کہ شیخ عبداللہ کو رہا کیا جائے"

میٹنگ میں کافی غور و خوص کے بعد پنڈت نہرو کی اس رائے کی تائید کی گئی کہ شیخ اللہ کو رہا کیا جائے اور "مسئلہ کشمیر" کو حل کرنے کے لیے اُن کے ساتھ بات چیت

کی جائے تاکہ ہمیشہ کے لیے یہ دردِ سر اُتر جائے اور اس جھنجھٹ سے نجات مل سکے۔

میٹنگ میں یہ بھی فیصلہ ہوا کہ شیخ صاحب کو خوش کرنے کے لیے حق خود ارادیت اور رائے شماری کے بدلے وہ مراعات دی جائیں جس کی بدولت وہ بھارت کے ساتھ رہ سکیں، اگر وہ بھارت کے ساتھ دفاع، رسل و رسائل اور داخلی امور مان لیں تو ہم انھیں اندرونی خودمختاری کی گارنٹی دیدیں گے اور اس کے لیے ان کے ساتھ ایک معاہدہ بھی کرنا پڑے تو کریں گے۔

ٹی ٹی کرشنم آچاری کا خیال تھا جن حالات میں ہم شیخ عبداللہ کو رہا کر رہے ہیں، مجھے نہیں لگتا کہ وہ رائے شماری سے کم کا کوئی اور مطالبہ مانیں گے۔ کرشنم آچاری کی رائے کی تائید گلزاری لال نندہ نے بھی کی۔ نندہ صاحب کا خیال تھا شیخ عبداللہ ان حالات میں ہم سے جو مانگیں گے وہ ہمیں ان کو دینا پڑے گا۔

لال بہادر شاستری نے رائے دی کہ اُن کو رائے شماری کے بدلے اندرونی خود مختاری دی جائے تاکہ کشمیر اپنے زیر اثر رہ سکے، مرارجی ڈیسائی نے شاستری کی رائے کی حمایت کی۔ پنڈت نہرو کے خیال میں ــــ کچھ بھی ہو اب یہ مسئلہ حل ہونا چاہیے اس کے لیے ہمیں جو بھی قربانی دینا پڑے اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اے، کے سین اور آئی، دی گندیویا کی رائے یہ تھی کہ اپنی طرف سے کوئی سجھاؤ ان کو دینے کے بجائے پہلے اُن کی رائے معلوم کی جانی چاہیئے پھر اس رائے کی روشنی میں غور کیا جا سکتا ہے۔ ان دونوں کی رائے کے ساتھ اتفاق کرنے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ شیخ عبداللہ کے نام پنڈت نہرو ایک خط لکھدیں اور انہیں رہائی ملتے ہی بات چیت کیلئے دہلی آنیکی دعوت دی جائے۔ چنانچہ پنڈت نہرو نے خط لکھکر گندیویا کے حوالے کیا اور اسی کے ساتھ خواجہ غلام محمّد صادق کو شیخ عبداللہ کی رہائی کی ہری جھنڈی دکھائی گئی۔

وزیر اعظم خواجہ غلام محمد صادق نے ۵ اپریل ۱۹۶۴ء کو شیخ عبداللہ کی رہائی اور مقدمہ سازش کیس واپس لیے جانے کا اعلان کیا، انہوں نے کابینہ کی میٹنگ میں شیخ عبداللہ کے ساتھ تعلقات نارمل بنانے کا اعادہ کیا ــــ کانگریس پارلیمانی پارٹی کی مجلس عاملہ کے ایک جلسہ میں مرارجی ڈیسائی نے واضح الفاظ میں کہا: "اگر شیخ عبداللہ زیادہ خودمختاری کی تجویز پیش کریں تو اس پر بات چیت ہو سکتی ہے۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے کبھی محکوم اگر
پھر سُلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

شیخ عبداللہ کی رہائی اور مسئلہ کشمیر پر مرکز کے ساتھ بات چیت

اپریل کی ۸ تاریخ کو شیخ محمد عبداللہ رہا کیے گئے، رہائی کے ساتھ جب انہیں مقدمہ سازش کیس واپس لیے جانے کا مژدہ سنایا تو شاید انھوں نے اپنے ساتھ فیصلہ کر لیا کہ اب دوبارہ گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے، انھوں نے جیل کی تنہائی سے اُکتا کر مرکز کے ساتھ صلح کرنے کا بھی خیال کیا ہو کیونکہ انھوں نے اب کی بار رہائی پر نہ صرف بستر لیا بلکہ انھوں نے دیگر سرکاری سامان پر بھی ہاتھ مارا۔

جموں میں جیل سے ملحق کوٹھی جس میں مقدمے کی کارروائی ہو رہی تھی اس کوٹھی کا قیمتی ساز و سامان جس میں قالین، پردے، بستر، فرنیچر، برتن چمچے اور پیالوں کے ساتھ ٹیپ ریکارڈر، ریڈیو، ٹائپ مشین اور اسٹیشنری شامل ہے۔ ڈنگل وین میں بھروایا اس ڈنگل وین کو سرینگر روانہ کیا۔ کسی ایک نے بھی ان سے نہیں پوچھا یہ سارا سرکاری سامان آپ کہاں اور کیوں لے جا رہے ہیں۔ سرینگر آکر انھوں نے ڈنگل وین ایک برطانوی وکیل کے نام سے منسوب تھی سرکار کو واپس کرنے کے بجائے ساڑھے ... ہزار روپے میں فروخت کی۔ محکمہ تو اضع کا سامان مدتوں باعث تنازعہ بنا رہا آخر ... صاحب کی ہدایت پر اسے WRITTEN-OFF کرا کے اسٹور کیپر کے کندھے سے یہ بارا بوجھ اُتارا گیا۔

سرینگر پہنچنے پر ۱۹ اپریل ۱۹۶۴ء کو شیخ عبداللہ نے ایک اخباری کانفرنس کے ... اس بات کا انکشاف کیا کہ ۱۷ اپریل کو مجھے پنڈت نہرو کا دعوت نامہ دیا گیا چونکہ

سرینگر میں میرے ہزاروں دوستوں نے میرے استقبال کا پروگرام ترتیب دیا تھا اس لیے میں دہلی نہیں جا سکا اگر یہ دعوت نامہ مجھے وقت پر دیا گیا ہوتا تو میں سرینگر آنے کے بجائے پنڈت جی کے لیے دہلی کا رُخ کر لیتا۔

انھوں نے اخباری نمائندوں کے سوالات کے جو جوابات دیئے اس کا نچوڑ یہ ہے:



"میرے دل میں ہندوستان کے بارے میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ میں پنڈت نہرو کو اب بھی اپنا قیمتی دوست مانتا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے درمیان جو اختلافات ہیں وہ دور ہو جائیں گے۔ بھارت کے ساتھ الحاق کے بارے میں ہمارا کوئی تنازعہ نہیں ہے اور باہم مذاکرات سے رائے شماری کا متبادل ڈھونڈا جا سکتا ہے، بھارت کے ساتھ جو ہمارا مسئلہ ہے وہ ایک اندرونی مسئلہ ہے اس کے لیے کسی بیرونی مداخلت کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔"

شیخ عبداللہ کے اس اخباری بیان سے مرکز کے حکمرانوں کی خوشی سے باچھیں کھِل گئیں۔ غیر متوقع طور پر شیخ صاحب نے انھیں جو خوش خبری سنا دی اس سے ان کو یقیناً ایسا لگا گویا میدانِ جنگ میں جہاں انھیں پسپائی کا خدشہ لاحق ہو چکا تھا وہاں اچانک پانسہ پلٹ گیا اور اس محاذ سے فتح کی خبر سن کر اُن کی جو خوشی ہوئی تھی وہ واضح ہو گئی۔

مرکزی سرکار نہ صرف اندرونی خود مختاری حتّٰی کہ صرف دفاع، رسل و رسائل اور امور خارجہ اپنے پاس رکھنے تک آمادہ ہو چکا تھا۔ لیکن شیخ عبداللہ کے اس اخباری بیان سے اس پر پانی پھیر گیا۔

شیخ عبداللہ ذرا سا دم لیتے اور کچھ دیر کے لیے حقِ خود ارادیت پر قائم رہتے تو بہت ساری مراعات حاصل کر سکتے لیکن جیل سے چھوٹتے ہی وہ بالکل ہلکے ثابت ہوئے اور مرکزی

نے بھی ان کے ساتھ ہلکا وطیرہ اختیار کر لیا۔ گندیوا نے اعتراف کر لیا، شیخ محمد عبداللہ ان بیان سے کشمیر نے زیادہ سے زیادہ اندرونی خود مختاری کھو دی۔

مرکز کے حاکموں کو شیخ عبداللہ کی طرف سے جن مطالبات کا خدشہ تھا۔ شیخ صاحب خود ہی اپنے بیانات سے انھیں ان خدشات سے نکال دیا، اب وہ اطمینان کا سانس لیکر ان کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ البتہ ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو شیخ صاحب کے ہند موافق ان پر بھی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوا، ان کا خیال تھا شیخ عبداللہ کل کو اپنی رائے بدل بھی سکتے ہیں۔ خود پنڈت نہرو کا بھی یہی خیال تھا کہ شیخ عبداللہ کے بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔ کو نہ جانے وہ ہمارے سامنے کیا کیا مطالبات رکھیں گے۔

سرینگر میں آمد کے دوسرے دن شیخ صاحب اپنے رفقاء کے ہمراہ حضرت بل گئے موئے مقدس صلعم کی گمشدگی اور اس کی بازیابی کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں، شیخ عبداللہ اس بات پر خوش اور شاد تھے کہ موئے مقدس ؐ کی تحریک کی بدولت ان کی رہائی ممکن ہو سکی۔ لیکن اس خوشی کے دَوران ان کے لیے یہ تکلیف دہ بات ہوئی اس تحریک میں مولوی خاندان کا ایک نوخیز لڑکا مولوی فاروق کو شامل کیا گیا تھا۔

شیخ صاحب نے اس کی ذمہ داری مولانا مسعودی پر ڈال کر ان کی سرزنش بھی کی، اس سے قبل انھوں نے اپنی کوٹھی پر اپنے بیٹے شیخ فاروق کو بھی مولوی فاروق کو اپنے ساتھ چلانے پر خوب ڈانٹ پلائی تھی۔

تحریک میں مولوی خاندان کے ایک فرد کی شمولیت شیخ عبداللہ کے لیے ناقابلِ قبول تھی وہ سمجھتے تھے میں نے اس خاندان کے ایک ایک فرد کو سرحد کے پار بھجوا کر ان سے جو چھٹکارا پایا تھا وہ سب ان کی غیر حاضری میں اکارت ہو گیا۔

شیخ عبداللہ کی اس ناراضگی نے مجلسِ عمل میں ایک طرح کی پھوٹ ڈال دی، باہم اختلافات پیدا ہوتے ہی سنگین صورت اختیار کر گئی، چھوٹی اور بڑی پارٹی کا ہوا کھڑا کر کے جھگڑا شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے حق خود ارادیت اور رائے شماری فوراً کے نعرے شیر بکرا جھگڑے میں بدل گئے۔

جن سڑکوں اور گلی کوچوں میں حقِ خود ارادیت زندہ باد اور رائے شماری فوراً کے نعرے گونج رہے تھے، وہاں گالی گلوچ، دنگا فساد اور لاٹھیوں و پتھروں کا

آزادانہ استعمال ہونے لگا۔ مجلس عمل کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا، اور شیخ عبداللہ مولوی فاروق کو "کل کا لونڈا"، کہہ کر ان سے مخاطب ہوا۔

سانحہ موئے مقدس صلعم کے سلسلے میں مولوی فاروق پہلی بار سیاسی میدان میں اتر کر عوام کے سامنے آگئے اور بہت جلد عام لوگوں کی توجہ کے مرکز بن گئے۔

مولوی فاروق کے بارے میں شیخ عبداللہ کے کیا خیالات تھے، اسے انھوں نے اپنی کتاب "آتشِ چنار"، میں یوں بیان کیا ہے۔

"حصول موئے مقدس ؐ کی تحریک میں پہلی بار مولوی فاروق سیاست میں آگئے انہیں دو ایک سال قبل بخشی غلام محمد نے اپنی ایک شاطرانہ چال کے تحت میرواعظ کی مسند پر بٹھا دیا تھا اور اپنے ہاتھوں اس سبزۂ آغاز، نوخیز نوآموز اور دین و دنیا کے علوم و رموز سے بے خبر نوجوان کے سپر دعمامۂ فضیلت باندھ دیا تھا، اس کے نازک ہاتھوں پر مہندی رچائی تھی وہ مولوی فاروق اور ان کے اتالیقوں اور اقارب کی دامے اور درمے بھی خاطر تواضع کرتا رہا لیکن نوآموز مولوی سیاسی میدان میں کیا جمتے انہیں گلّی ڈنڈا کھیلنے اور سینما گھروں کے طواف کرنے کی جولت پڑ گئی تھی اس کا نشہ اتارنے میں کئی برس لگ گئے اور کبھی کبھی وہ عادت سے مجبور اور بے بس ہو کر عربی برقعے میں چھپ کر سینما جاتے رہے لیکن موئے مبارک کی طوفان خیز تحریک میں ایک لہر کے تھپیڑے سے یہ تنکا کشمیر کی سیاسی سطح پر ابھر آیا۔"

۲۹ اپریل کو شیخ عبداللہ دہلی پہنچ گئے تو وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے انہیں اپنا ذاتی مہمان بنایا ان کا قیام اپنی رہائش گاہ میں رکھا ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔

مسئلہ کشمیر پر بات چیت سے قبل کامن ویلتھ سکریٹری مسٹر گندیویا شیخ صاحب سے ان کے خیالات جاننے کے لیے مل گئے۔

مسٹر گندیویا اس سے قبل اس میٹنگ میں بھی شامل تھے جس میں یہ طے پایا تھا کہ کشمیر کا تنازعہ ہمیشہ کے لیے حل کرنے کے لیے اگر ریاست کو اندرونی خودمختاری کی گارنٹی

...ے تو دی جائے گی اگر وہ مرکز کی تحویل میں صرف دفاع، رسل و رسائل اور امور ... رکھنا چاہیں گے تو تسلیم کر لیا جائے گا۔

چنانچہ آج جب شیخ صاحب سے ان کی رائے جاننے کے لیے مسٹر گندیویا نے بات چیت کا آغاز کیا تو شیخ صاحب نے رائے شماری کو خارج از امکان قرار دے کر حق خود ارادیت کو زبان پر بھی نہیں لایا صرف اپنی گرفتاری اور کشمیر سازش کیس میں ملوث کرنے کی بات کا دفتر کھولا۔ شیخ عبداللہ نے جب صاف صاف کہدیا میں ہندوستان سے باہر ... کچھ سوچ بھی نہیں سکتا اور الحاق کو چیلنج بھی نہیں کر سکتا تو یہ بات لے کر گندیویا پنڈت جی کے پاس دفتر گئے۔

پنڈت نہرو کو پہلے یقین ہی نہیں آیا لیکن جب انھیں یقین دلایا گیا تو انھوں نے اس وقت مزید بات چیت کے لیے مسٹر پارتھاسارتھی (اس وقت پاکستان میں ہند کے سفیر) ...الدین طیب جی (اس وقت مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر) کو مسٹر گندیویا کے ساتھ شامل کر لیا۔

اسی دوران وزیر اعظم ہند پنڈت نہرو کے نام صدر پاکستان جنرل ایوب خاں کا تار آگیا، جس میں کہا گیا تھا کہ کشمیر کے معاملے میں پاکستان بھی ایک فریق ہے لہٰذا ہماری غیر حاضری میں کوئی فیصلہ کیا گیا تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

دوسرے دن سویرے ناشتہ کی میز پر پنڈت نہرو نے شیخ صاحب کو جنرل ایوب خاں کا تار دکھایا، تار کو پڑھ کر شیخ صاحب نے فرمایا:

"میں نہیں چاہتا کہ رائے شماری کرا کر کشمیر کو پاکستان کے حوالے کیا جائے، البتہ پاکستان کو اعتماد میں لینا ضروری ہے اس کے لیے پاکستان کے حکمرانوں کے ساتھ بات چیت کرنا پڑے گی۔ میں حق خود ارادیت پر بھی زور نہیں دے سکتا، کیونکہ کشمیر اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ وہ آزاد حیثیت میں اپنی سالمیت قائم رکھ سکے۔"

شیخ عبداللہ نے اندرونی خودمختاری کا کوئی ذکر تک نہیں کیا۔

اسی دن تین بجے پنڈت نہرو نے ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ اپنے دفتر میں رکھی میٹنگ کے دوران انھوں نے حاضرین سے پوچھا۔

"کیا آپ سمجھ گئے شیخ عبداللہ کشمیری عوام کے لیے کیا مانگ رہے ہیں"؟ تو ان سبھوں
انکار کیا۔ پنڈت نہرو بولے۔

"اگر ان کی کوئی مانگ نہیں تو پھر انھوں نے ڈاکٹر سبھرائن کو یہ سب اس و
کیوں نہیں بتایا جب انھوں نے کُد جیل میں شیخ عبداللہ سے ملاقات کی تھی"۔

اس موقع پر مسٹر گندیویا نے کہا۔

"شاید مسلسل جیل میں رہنے سے اُن کے خیالات میں تبدیلی آئی ہے، جہاں
میں سمجھتا ہوں انہیں مسئلہ کشمیر حل کرنے سے زیادہ ہند کشمیر اور پاکستان پر مشتمل ا
کنفیڈریشن کے قیام کی تجویز سے دل چسپی ہے اور بس۔"

جی پارتھا سارتھی نے کہا۔

"یہی فارمولہ لے کر وہ پاکستان جانا چاہتے ہیں اور ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ انھیں
وہاں بھیجنا مناسب رہے گا یا نہیں؟"

پنڈت نہرو نے اس بات پر غور کرنا مان لیا اور شیخ عبداللہ کی غیر موجودگی میں مس
پر غور و خوض کرنے کے لیے انہیں جنوبی ہند کے دورے پر بھیج دیا گیا۔ پنڈت نہرو
شیخ عبداللہ کے کنفیڈریشن پر اپنے ساتھیوں سے صلاح مشورہ کیا اور ان کی را
طلب کی۔ مسٹر گندیویا نے پہل کرکے ۵ نکات کا ایک فارمولا بتایا:

(۱) تاریخ میں کوئی کنفیڈریشن کامیاب نہیں رہی ہے۔

(۲) پاکستان کے صدر جنرل محمد ایوب خاں اس قسم کی تجویز کو ہرگز قبول نہیں
کریں گے۔

(۳) چونکہ صدر پاکستان اس تجویز کو رد کریں گے اس لیے ہمیں منظور کرنی چاہ
اور اس کا الزام ہم پر آنے کے بجائے پاکستان پر ہی آسکتا ہے۔

(۴) چونکہ شیخ عبداللہ اس تجویز کے ساتھ گہری دل چسپی رکھتے ہیں لہذا صد
ایوب خاں کو رضامند کرانے کے لیے انہیں وہاں بھیجنا چاہیئے۔

(۵) شیخ صاحب کے خیالات جاننے کے بعد ہماری دلچسپی صرف ایک بات میں ہ
موجودہ جنگ بندی لائن میں تبدیلی لاکر یہ مستقل بین الاقوامی سرحد میں بد
دی جائے اور اس کے لیے پاکستان کو کچھ رعایت بھی دینا پڑے تو دی جا

چاہیئے۔"

جنوبی ہند کے دورے کی واپسی پر شیخ عبداللہ کو پاکستان جانے کا مژدہ سنایا گیا
ستان جانے کی تیاری کرنے کے لیے شیخ صاحب سرینگر آگئے۔

سرینگر آکر انھوں نے ایک تقریر کے دوران عوامی اجتماع میں فرمایا:۔

"بھارت اور ہمارے درمیان کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے اور ہمیں
مسئلہ کی جانب حکومت ہند کی رائے میں دل چسپی نظر آتی ہے۔ کشمیری
عوام کو اپنی مرضی متعین کرتے ہوئے اپنے فیصلہ کے امکانی نتائج کو ذہن
میں رکھنا ہوگا جو ہند کی مسلم اقلیت اور پاکستان کی ہندو اقلیت پر
اثر انداز ہوسکتے ہیں۔

لوگوں کی مرضی دریافت کرنے کے کئی راستے ہوسکتے ہیں اگر رائے
شماری کرانے سے مشکلات پیدا ہونے کے امکانات ہیں تو دوسرے راستے
تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

آزاد اور غیر جانبدار انتخابات لوگوں کی رائے معلوم کرنے کا ایک
طریقہ ہوسکتا ہے، لیکن اس کے لیے اور بھی کئی غیر جانبدار تجویزیں
ہوسکتی ہیں"۔

شیخ عبداللہ کے یہ بیانات ان کی دوغلی پالیسی اور ان کی نیت کی خرابی کا صاف
ار تھا۔ ان بیانات کی روشنی میں ایک عام آدمی یہ آسانی سے محسوس کرسکتا ہے کہ ان
دل میں چور ہے، زبان پر جو بات ہے وہ دل میں نہیں ہے سب سے بڑی بات تو یہ
ت ہوتی ہے کہ ان میں خلوص کا فقدان ہے اسی لیے وہ عوام کے سامنے مسئلہ کشمیر کے
ے میں صاف طور پر اپنے خیالات کا اظہار نہیں کررہے ہیں۔ بلکہ اپنے موقف سے ہٹنے
تیاری کررہے ہیں۔

شیخ محمد عبداللہ کے ہوتے ہوئے کشمیری عوام کو ہر مقام پر سخت پریشانی ہزیمت
تذبذب کا شکار ہونا پڑا اس لیے کہ جو بات وہ کشمیری عوام کے سامنے کہتے وہ مرکزی
روں کے پاس نہیں لے جاتے، مسئلہ کشمیر حل کرنے میں مرکزی سرکار کوئی ٹھوس
اس لیے اٹھا نہ سکی کیونکہ شیخ عبداللہ کبھی ایک بات ایک مطالبے اور ایک نظریئے

پر قائم نہیں رہ سکے۔

شیخ عبداللہ عوامی جلسوں میں گھن گرج کے ساتھ مرکزی سرکار کو کچھ اس طرح للکارتے تھے کہ ایک دشمن بھی انہیں نڈر، بے باک اور جراٰت مند ماننے سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن مرکزی حکام کے پاس ہی کیا ریاستی سرکار کے پاس ان کی بات چیت کا طریقہ بالکل مختلف ہوتا بعض حالات میں یہ عاجزانہ بھی ہوتا۔

شیخ عبداللہ کی یہ صورتِ حال نہ صرف مرکزی سرکار کے ساتھ تھی بلکہ مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ حکمرانی میں بھی ان کا یہی طریقہ رہا کرتا تھا، جہاں تک پبلک جلسوں میں وہ ماضی میں مہاراجہ ہری سنگھ کو اور حال میں پنڈت نہرو کو للکارتے تھے وہاں انکے پاس جاکر بھیگی بلّی بن جاتے تھے، انہیں عام طور پر شیر دل کہا گیا لیکن میرے نزدیک وہ سب سے بڑا بزدل تھا۔

شیخ صاحب عوام میں اپنی نڈرتا دکھانے کے لیے جب بھی تیز طرّار تقریر کرتے تو اس تیزی کا اثر زائل کرنے کے لیے حاکم اعلیٰ کو اپنی طرف سے صفائی کی چٹھی لکھ دیتے، نہیں تو پریس کو واقعات توڑ مروڑ کر لکھنے کا دوش دے کر چھٹکارا پاتے تھے۔

شیخ عبداللہ کا تضاد جو ان کے کردار، گفتار اور رفتار میں تھا جو ان کے خیالات اور طریقۂ کار میں تھا یہ تضاد کشمیری عوام کے ہر مسئلے میں ایک زبردست رکاوٹ بنا۔ یہ اسی رکاوٹ کی وجہ ہے کہ کشمیری عوام اپنی سیاسی بیداری کے جنم کے موقع پر جہاں تھے آج بھی وہیں ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔ کیونکہ ان کے حصے میں ایک ایسی شخصیت رہنما بن کر آئی ہے جو دہلی میں سفید کپڑوں میں ملبوس ہو کر پریس کانفرنس کے سامنے کہہ رہا ہے:

"بھارت اور ہمارے درمیان کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے اور ہمیں مسئلہ کی جانب حکومت ہند کی رائے میں دلچسپی نظر آتی ہے اگر رائے شماری کرانے سے مشکلات پیدا ہونے کے امکانات ہوں تو دوسرے راستے تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ ہم نے ہندوستان کے ساتھ سوچ سمجھ کر الحاق کیا ہے۔"

دہلی میں پریس نمائندوں کے سامنے اس قسم کا بیان دینے کے بعد وہ سرینگر آتے ہیں تو انہی

کپڑوں پر سیاہ پٹی باندھ کر عوام سے فرماتے ہیں:

"یومِ سیاہ منانے کا مدّعا و مقصد کیا ہے ــــــ؟ یہ کوئی تماشہ نہیں ہے، ہمیں سبق حاصل کرنا ہے۔ ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے واقعہ نے ہمیں سبق دیا کہ کوئی





بھی معاہدہ دو طاقتور ملکوں کے درمیان ہو یا دو انسانوں کے درمیان ان میں سے اگر ایک کمزور ہو تو معاہدہ ایک بہت بڑی غلطی ہے بڑی مچھلی ہمیشہ چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ ۹ اگست نے ثابت کر دیا ہے کہ ایک طرف وہ ملک جو ساز و سامان سے لیس تھا اور بڑا ملک تھا اور دوسری طرف ایک چھوٹا غریب ملک تھا، جس کو یہ ہڑپنا چاہتا تھا۔

یہ توقع تھی کہ کبھی معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کریں گے مگر یہ غلط ثابت ہوا۔ ہمیں کیا معلوم تھا جس ملک کے لیڈروں نے معاہدوں پر زور دیا وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر ہمیں زیر کریں گے۔

۹ اگست کا واقعہ ہمیں یہ یاد دلاتی ہے کہ اپنی آزادی اور اپنی بقا کے تحفظ کی خاطر ہم آگے بڑھیں اور باطل کے ساتھ کیا گیا عارضی معاہدہ توڑ دیں۔"

اندازہ کیجیے دہلی اور سرینگر کے ان بیانات میں کتنا بڑا تضاد ہے، اور یہ تضادِ کیا کسی غیرت مند اور باشعور قوم میں چل سکتا ہے؟ کیا ایسا شخص انسانوں کا لیڈر ہو سکتا ہے؟

اس میں شک بالکل نہیں کہ شیخ صاحب کشمیری عوام کو انسان نہیں بلکہ بھیڑ بکریاں سمجھ رہے تھے ورنہ جو شخص چھوٹے اور بڑے ملک کے درمیان سمجھوتہ اور معاہدہ کی ایسی تاویل کرے لوگوں کو ایسے معاہدوں کے نقصانات اور خطرات سے آگاہ کرے اور پھر اسی طاقت ور کے ساتھ معاہدہ کرے تو اُن کے ساتھ اپنے بارے میں جو کچھ بھی کہا جا سکتا ہے جو بھی فتویٰ دیا جا سکتا ہے، بجا ہے۔

وقت پڑا اپنے مقدر آزما لیتے ہیں لوگ
ایک چہرے پر کئی چہرے لگا لیتے ہیں لوگ

محاذِ رائے شماری کے پاکستان کے ساتھ تعلقات

وادی میں آپریشن ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے بعد جو ایک نیا دور شروع ہوا اس میں کشمیری عوام کے ساتھ پاکستانی حکمرانوں کو بھی شیخ عبداللہ کی برطرفی اور گرفتاری کے بارے میں بڑی بھول ہوئی اور وہ بھی ہماری طرح سخت قسم کی غلط فہمی کا شکار ہوئے [redacted] یا ہو سکتا ہے وہ شیخ عبداللہ کی گرفتاری سے پیدا شدہ صورت حال کو اپنے موافق بنانے کی غرض سے سامنے آئے ہوں۔



(بیگم عبداللہ)

پاکستانی حکمرانوں نے اگست آپریشن کے ساتھ ہی یہاں اپنے وفود بھیجنے شروع کیے جو بیگم عبداللہ کے علاوہ نیشنل کانفرنس کے لیڈروں سے ملے جو یا تو قید سے چھوٹ گئے تھے نہیں تو قید ہونے سے بچنے کے لیے چھپ گئے تھے۔ ان لیڈروں نے پوشیدہ طور پر بیگم عبداللہ سے رابطہ قائم رکھا۔

پاکستان سے چوری چھپے ایک کے بعد ایک وفد یہاں آیا تو انھوں نے نیشنل کانفرنس کے انڈر گراؤنڈ اصحاب کے ساتھ مل کر آپس میں خط و کتابت کے لیے اہم شخصیات کے ساتھ بعض چیزوں اور جگہوں کے کوڈ نام رکھ دیئے تاکہ سرکار کو اصلیت کا پتہ نہ چل سکے، ان کوڈ ناموں کی فہرست اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہے:-

نمبر شمار	اصل نام	کوڈ نام
١-	شیخ محمد عبداللہ	عظیم - بھائی
٢-	بیگم شیخ محمد عبداللہ	عابد، زینت الاسلام، ہمشیرہ

نمبر شمار	اصل نام	کوڈ نام
۳-	مرزا افضل بیگ	عتیق، اسرائیل
۴-	صدرالدین مجاہد	رحمت
۵	محمد سعید مسعودی	وحید
۶-	صوفی محمد اکبر	وحید نعیم
۷-	حکیم حبیب اللہ	شاہسوار
۸-	غلام محی الدین ہمدانی	حیدر
۹-	مولوی یوسف شاہ	عرش
۱۰-	پیر محمد مقبول	نور۔ لالہ مہرچند
۱۱-	مبارک شاہ	کریم
۱۲-	خواجہ علی شاہ	شفیق
۱۳-	غلام محمد شاہ	اسد
۱۴-	ثناء اللہ شاہ	بہاری
۱۵-	محمد علی (وزیر اعظم)	اشرف
۱۶-	بخشی غلام محمد	ملزم
۱۷-	غلام محمد صادق	لیپی
۱۸-	میر قاسم	کمینہ
۱۹-	بخشی رشید	ہٹہ مٹہ
۲۰-	ڈی، پی، در	مشیر
۲۱-	پولیس آفیسر (مخدومی)	شیطان
۲۲-	مردولا سارابائی	شریف
۲۳-	غلام احمد عشائی	صبور
۲۵-	پریم ناتھ بزاز	منصور

نمبر	اصل نام	کوڈ نام
۱	سیکورٹی کونسل	منشی
۲-	ہندوستان	بارہمولہ
۳-	پاکستان	سوپور
۴-	سرینگر	رام پور
۵-	آثار شریف	مجلس
۶-	جامع مسجد	مکتب
۷-	آزاد کشمیر	لکھنؤ
۸-	کراچی	سمندر
۹-	کشمیر	تالاب
۱۰-	کانگریس	کانٹا
۱۱-	پوسٹر	چوب
۱۲-	اسٹیج	چاٹ
۱۳-	بنگولہ	کانگڑی
۱۴-	جلسہ	مولود
۱۵-	ہڑتال	حیلہ
۱۶-	جلوس	گھڑی
۱۷-	نعرہ	سرور
۱۸-	گرفتاری	شیریں
۱۹-	اسلحہ وغیرہ	میوہ
۲۰-	قتل	شاخ تراشی
۲۱-	روپے	اخروٹ۔ پوری۔ انڈے
۲۲-	ڈکٹیٹر	خرو
۲۳-	اسمبلی ممبر	کاشتکار
۲۴-	مسلم کانفرنس	خدمت

۲۵۔	پولیٹیکل کانفرنس	چاند
۲۶۔	کشمیری پنڈت	سوداگر
۲۷۔	پاکستان پیوپلز پارٹی	لپا
۲۸۔	اپوزیشن اسمبلی پارٹی	مادھورام
۲۹۔	ہمارا کارندہ	سری کانت
۳۰۔	دہلی کا کارندہ	فوٹو والا
۳۱۔	ڈی۔ ایس۔ پی راولپنڈی	ابراہیم

اصل اور کوڈ ناموں کی یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ اس لیے کہ پاکستان اور کشمیر کے درمیان جو خط و کتابت دستیاب ہو سکی ہے ان میں بعض ایسے نام بھی ہیں جو کوڈ لسٹ میں درج نہیں ہیں۔ اس لیے اغلب ہے کہ دوسری لسٹ بھی ہو گی جو تلاش بسیار کے باوجود حاصل نہ ہو سکی اس سلسلے میں مسٹر بی۔ این ملک کی کتاب "نہرو کے ساتھ میرے سال" سے استفادہ کا ذکر کرنا ضروری ہے جس کے مطالعہ کے بغیر یہ ساری معلومات حاصل کرنا قدرے مشکل تھا۔

پاکستان اور کشمیر کے درمیان جو خط و کتابت ہو رہی تھی وہ کنٹریکٹر جے اینڈ کے فرم یعنی نیشنل کانفرنس (جو بعد میں محاذ رائے شماری بنی) اور کنٹریکٹر خواجہ فرم یعنی پاکستان کے درمیان ہو رہی تھی۔

آپریشن اگست ۱۹۵۳ء کے بعد جو خط کشمیر سے پاکستان گیا ہے وہ ۳ستمبر ۱۹۵۳ء کا ہے جو کنٹریکٹر خواجہ فرم کو بھیجا گیا ہے۔

" کنٹریکٹر خواجہ فرم

آپ کی طرف سے دوسرا ..... موصول ہوا، بہت شکریہ! کنٹریکٹ (یعنی الحاق) کے بارے میں آپ کے ہمدردانہ خیالات سے متاثر ہوں حالانکہ میں نے حتی المقدور کوشش کی ہمارا فیچر (پروگرام) آپ تک اور آپ کے جی ایم (حاکم اعلیٰ) تک پہنچے لیکن جیسا آپ کو معلوم ہے اس کی صحت ٹھیک نہیں۔ بہرحال جو آدمی آپ تک یہ (خط) پہنچا رہا ہے ہمارا اپنا آدمی ہے اس کا نام انیل پاکن ہے اور وہ آپ سے ذاتی طور پر کنٹریکٹ

(الحاق) کے بارے میں بات کرے گا، اس لیے آپ اس کو اپنے جی ایم (حاکم اعلیٰ) کے پاس لے جا سکتے ہیں، بات کرنے کے بعد مجھے کہہ دیجئے کہ آپ کے جی ایم کے ساتھ کیا فیصلہ ہوا، حالانکہ میں نے ایک دوسرا ہی آدمی آپ کے پاس کوئی دو ہفتے پہلے بھیجا تھا تاکہ دو چیزوں پر بات کرے جو انیل پاکن آپ کو سمجھائے گا۔ وہ ہمارا ہی آدمی ہے لیکن اس کو کنٹریکٹ کے بارے میں بات کرنے کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ یہ معاملہ اس کے درجے کے برابر نہیں ہے۔

میں اس بات کا بہت خواہشمند ہوں کہ کنٹریکٹ (الحاق) مضبوط بنیاد پر چلتا رہے، جمعدار بھی ہمارا ہی آدمی ہے، وہ مجھے ملا اور بہت سی باتیں سمجھا دیں۔

کنٹریکٹر جے اینڈ کے فرم "

۲۳ستمبر کو پاکستان سے جو خط آیا وہ کسی اکبر خاں کے نام تھا اور اس کا مضمون یہ تھا:

"مجھے افسوس ہے کہ میں بہت دیر سے نہ آپ کو کچھ لکھ سکا اور نہ ہی کوئی پیغام بھیج سکا۔ کیونکہ اس طرف ان معاملات پر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور اس طرف اس معاملے کو طول دے کر وقت نکل گیا مجھے یہ خیال رہا کہ میں بہت جلد فارغ ہو جاؤں گا، بہرحال معاملے پر بہت جلد فیصلہ ہو جائے گا۔ معاملات اطمینان بخش نظر آرہے ہیں، آپ لوگوں کو پیسے کی تنگی ہو گی۔ لہٰذا میں پاکستانی کرنسی میں دو سو روپے اور ہندوستانی کرنسی میں ایک سو مقبول (پیر مقبول گیلانی) کو دے رہا ہوں، پاکستانی کرنسی میں سے مقبول کو کچھ رقم سفر خرچ وغیرہ میں کام آئے گی..... مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی تک آپ لوگوں کے پاس کیوں نہ پہنچ سکا۔ میں حالات سے مجبور ہوں میں ضروری چیزیں اپنے ساتھ لاؤں گا۔"

آپ کا

(دستخط انگریزی)

ایک خط جو کسی حسن جو نے غلام محمد کو لکھا۔

" میں نے آپ کا خط وصول کیا جس کا جواب میں نے دے دیا، میں اُن دنوں یہاں پر نہیں تھا۔ میں نے وہ تجویز پسند کی جو آپ نے کی ہے کتنا اچھا ہوتا اگر کام پہلے ہی سے شروع کیا گیا ہوتا، میرے آدمی آ رہے ہیں آپ اُن سے بات کریں اگر آپ بہتر سمجھیں تو ایک میٹنگ بلانے کی کوشش کریں موسم بدل رہا ہے اور شاید یہ ممکن نہ ہوگا کہ یہ کام کچھ دیر کے لیے رُک سکے میں نے اپنے آدمیوں کو زبانی سب کچھ سمجھا دیا ہے۔

آپ کا

حُسن جُو

۲۱ر اگست ۱۹۵۵ء کو پاکستانی سراغ رساں ایجنسی کے ایک آفیسر کا خط سرینگر دستی روانہ کیا گیا۔ چٹھی رساں کے لیے جو ہدایت تھیں وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

" سرینگر پہنچنے کے بعد آپ محی الدین صاحب (ہمدانی) اور مرزا افضل بیگ سے ملیں اور اس کے بعد میرے پاس آنا اُن سے مفصل رپورٹ حاصل کرنے کے ساتھ یہ ضروری ہے۔ اگر آپ سے ہو سکے تو اُن کی طرف سے ایک خط لائیں۔ اگر تمہیں کسی امداد کی ضرورت ہو......"

دستخط

تاج الدین خواجہ

بیگم شیخ عبداللہ نے جو خط پاکستان روانہ کیا اس طرح ہے:۔

" محترم برادر ابراہیم صاحب!

مبارک ہو، آپ کا پانچ سو روپے کا تحفہ جس کی رسید ہماری جی (ذینار اللہ شاہ) نے ۱۴ر نومبر ۱۹۵۵ء کو بھیجی تھی مجھے ملا اس کے لیے میری طرف سے دِلی شکریہ قبول فرماویں۔

ہمارے دوسرے معاملات ہماری جی آپ کو رپورٹ کریں گے۔

آپ کی خیر اندیش

زینت الاسلام"

مرزا افضل بیگ نے اپنی رہائی پر نیشنل کانفرنس کو توڑ کر محاذ رائے شماری

اور یہ محاذ خفیہ طور پر پاکستان کے ساتھ رابطہ بنائے ہوئے تھا۔ ریاست میں غلام محمد نے اپنے پاؤں مضبوط کر لیے تھے اور کسی حد تک انہوں نے اپنا کھویا وقار بحال کر لیا تھا لوگوں کی اکثریت ان سے ناراض تھی ہی اس کے باوجود انہوں ۱۹۵۷ء میں اسمبلی انتخابات کا اعلان کیا، یہ اعلان ہوتے ہی محاذ رائے شماری کی تنظیم حرکت میں آ گئی اور پاکستان کے ساتھ رابطہ رکھ کر دونوں نے کشمیر میں وغارت کا ایک پلان بنایا۔

عام انتخابات سے پہلے پہلے ریاست کی کابینہ خاص طور پر کشمیر کے منسٹروں کو سے ختم کر دینے کا فیصلہ لیا گیا جموں کے منسٹروں کو قتل کے منصوبے سے علیحدہ رکھا تاکہ جموں کے لوگ بدلے کی کارروائی نہ کر سکیں، اس بارے میں ۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو بی (محاذ کے لیڈر) کی طرف سے محمد اکرم (پاکستانی انٹیلی جنس آفیسر) کو ایک تفصیلی لکھا گیا۔

" برادر اکرم! السلام علیکم!

آپ کی یاد آوری کا بہت ممنون ہوں، ذاتی چٹھی اس وقت تک نہیں لکھی کیونکہ بھائی صاحب عزیز جو آپ کو کماحقہ حالات سے اطلاع دیتے رہے ہیں، حاجی صاحب کے چلے جانے کے بعد ان کے جانشین کے متعلق کافی مشکلات پیش آئیں نہ "افیم" راضی ہوا نہ "فیل" چنانچہ قرعہ فال آپ کے ہی علاقے کے آدمیوں پر پڑا وہ "افیم" کے کچھ زیادہ ہی زیر اثر ہیں اور "افیم" کچھ زیادہ ڈرپوک واقع ہوئے ہیں میرا خیال ہے وہ مطابق آئین کام کیے جانے کے بہانے سے چھپاتے ہیں۔ قحط الرجال کچھ زیادہ ہی ورکروں پر پڑا ہے۔

احمد صاحب کی گفتگو والی چٹھی مطابق فہمائش اپنے چند احباب تک محدود رکھی گئی تھی مگر معلوم نہیں کہ کس طرح اس کی ایک نقل کسی اور کے ہاتھ میں آئی جس نے اس کی کاپیاں کر کے تقسیم کیں اس کا ردعمل بہت اچھا ہوا ہے اور اب ہمارے دیرینہ دشمن بھی کھلم کھلا احمد (جو شیخ عبداللہ) کی پوزیشن کو سراہ رہے ہیں..... میری ذاتی رائے یہ تھی کہ

"افیمی" بیان ۱۰ اکتوبر کو چاہیے تھا اس کی کاپیاں قبل از وقت ہی دہلی بھیجدی جائیں تاکہ وہاں بھی وہ بیان دینے کے بعد ۱۰ یا ۱۱ اکتوبر کو تقسیم کی جائیں مگر جو خلیل جو (افضل بیگ) کا پیغام آیا ہے اور پھر احمد جو (شیخ عبداللہ) کی چٹھی آئی وہ بھی تقریباً ایک جیسی ہے۔ لہذا اکثریت کی رائے پر ۲۲ اکتوبر تک معاملہ ملتوی کیا گیا۔ گفتگو کی کاپی جواحرار (صادق صاحب) کو لکھی گئی اور بیان کی کاپیاں سب حیدر خان (پاکستان) کو بھیجدی گئی ہیں۔ تاکید کی گئی ہے ان کے شائع ہونے کے ساتھ وہاں بھی روانہ کریں اور مختلف زبانوں میں اور ٹریکٹ بنا کر تقسیم کیے جائیں امید ہے یہ سب کچھ کیا جائے گا، سیکورٹی کونسل کے نام جو چٹھی تھی وہ بھی ان کو بھیجدی گئی ہے، یہ لوگ اصل اور مستند کاپی چاہتے ہیں لہذا وہ بھی بھیجدی گئی ہے مگر ان سے کہا گیا ہے کہ اصل کاپی استعمال نہ کی جائے .....

دونوں کاپیاں آپ کے ملاحظہ کے لیے شامل ہیں۔ یہ بھی حیدر خاں (پاکستان) کو روانہ کر دی گئی ہیں۔

مشکل یہ ہے کہ ڈاکخانہ جات آج بھی پٹھانکوٹ اور دہلی میں ایسے کاغذات کھول دیتے ہیں، خاص آدمی یہاں سے بھیجدیا جائے وہ بھی مشکل ہے، کیونکہ ہمارے خرچہ کرنے کے باوجود کوئی بھی ذمہ داری قبول نہیں کرتا اور پھر راستے میں اس کی تلاشی لی جاتی ہے اس مسئلے کا کوئی خاطر خواہ حل نہیں مل سکا۔ ایک معتبر آدمی پچھلے ہفتے یہاں آیا تھا اس کے ساتھ کافی دیر تک بات چیت ہوتی رہی اور ہماری پوزیشن اس پر اچھی طرح واضح کی گئی وہ کھلم کھلا سامنے آنے کے لیے تیار ہو رہا تھا میں نے اس پر واضح کر دیا کہ معاملے کو معرض التوا میں ڈالنے سے کیا نقصانات ہیں اور اغلب ہے کہ اگر اور دیر ہوئی تو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا ہوگا دوسرے میں نے اس پر یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ باغ کی شاخ تراشی (کیبنٹ منسٹروں کو مارنا) ضروری ہے۔ انھوں نے قلینچی اور دوسرا سامان (بندوقیں اور دستی بم)

بھیجدیا مگر مالی (قاتل) نہیں تھا، اس لیے اس سے کہا گیا کہ وہ گاؤں (پاکستان) سے مالی (قاتل) بھیج دے۔ کیڑے (بخشی گروپ) جو بڑے ہیں ان کے لیے فوری شاخ تراشی (جان سے مار ڈالنا) ہی کارگر ہے۔ آپ کی رائے کے بارے میں پوچھا، ان کا اگلا پروگرام کیا ہے؟ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کے متعلق بالتفصیل ہدایات بھیج دیں۔

خرچہ بہت زیادہ ہے بنک والا روپیہ تقریباً سارا ختم ہوا ہے اس لیے ہمیں اس کے لیے اور جد و جہد کرنا پڑے گی۔ امید ہے کہ اس میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ یہاں حالات خراب ہیں اس لیے حیدر خاں (پاکستان) کو ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ عزیز جو آج پندرہ دن سے ہندوستان میں اپنے صاحب زادے کو دیکھنے چلے گئے ہیں، انشاء اللہ اگلے ہفتہ واپس آئیں گے یہاں ہم آہنگی بالکل نہیں ہے اپنے آدمی کام کرنے سے جی چراتے ہیں سروری (ورکر) اور "فیل" خراب ہوگئے ہیں اور ان کے دیکھا دیکھی حالات اور بھی خراب ہوتے جا رہے ہیں، کسی وقت آدمی تمام امید کھو دیتا ہے، لیکن خدا پر بھروسہ کر کے کوئی راستہ ضرور مل جائے گا.....

تم نے اخبار میں پڑھا ہوگا۔ میجر اٹلے (اقوام متحدہ کا نمائندہ) آ رہا ہے اس کو پیش کرنے کے لیے کوئی سپاسنامہ ہونا چاہیے ورنہ وہ بھی روسی لیڈروں کی طرح کاغذی پھولوں کو مصدق سمجھے گا۔ لہذا اصل واقعات انکے سامنے رکھے جائیں، دیکھیں کہ کون ایسا کرنے کی جرات کر سکے گا۔ آپ اس کے بارے میں بھی ہدایات روانہ کریں۔

بخشی کی وزارت میں تعطل جاری ہے اور کوشش کی جا رہی ہے کہ احرار (صادق) در۔ میر قاسم، غنی ترالی اور صوفی وغیرہ کو الیکشن میں شامل نہ کیا جائے، دیکھیں کیا ہوتا ہے.....

میرا خیال ہے کہ تمام کاغذات ٹریکٹ کی صورت میں ایک نمائندہ خط کے ساتھ سیکورٹی کونسل کے پریذیڈنٹ اور بھارت کے پریذیڈنٹ کو بھیج دینی چاہیئے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔

میری طرف سے سب دوستوں اور بزرگوں کو سلام ۔

آپ کا مخلص :

جی ۔ بی

اس سلسلے میں پاکستان سے جو خط آیا حسبِ ذیل ہے ۔

" ڈیر آزاد !

اس خیال سے کہ راستے برف اور جاڑے کی وجہ سے بند نہ ہو جائیں یہ سوچا گیا ہے کہ کام جلدی ختم کیا جائے تاکہ بعد میں کوئی مشکلات نہ ہوں خداوند تعالیٰ نے ہمارے لیے موسم صاف رکھا ۔

تم بھی اپنی مجبوریوں کی وجہ سے جو تمہاری دسترس سے باہر تھے بیکس رہے ، امید ہے کہ اب تم نے کام کلّی طور پر کیا ہو گا یہ خدشہ لالہ مہرچند (پیر مقبول گیلانی) جو باہر رہے ہیں ، جس کی وجہ سے کافی رکاوٹیں ہوں گی ۔

اسرائیل جی (افضل بیگ) کے واپس آنے پر دور ہوں گی ، جو کام کو جاری رکھ سکے گا کیونکہ وہ اہل ہے ، مجھے یقین ہے کہ ہماری تحریری ہدایات کے مطابق تم نے اسرائیل جی سے مشورہ کیا ہو گا ۔ اگر ایسا ابھی تک نہیں کیا گیا ہے تو یہ آپ کے لیے ضروری ہے کہ اب ایسا کریں ، کیونکہ ابراہیم جی (ڈی ، ایس پی راولپنڈی) نے خاص طور سے یہ ہدایات دی ہیں کہ کام کو آگے جاری رکھنے کے لیے اسرائیل جی سے مشورہ کیا جانا چاہیئے تاکہ کام اُن کی ہدایت کے مطابق کیا جائے لہٰذا میں اسرائیل جی کے نام آپ کو علیحدہ ایک خط بھیج رہا ہوں ، اگر اس کا مشورہ نہیں لیا گیا ہے تو آپ کو اب تین یا چار روز کے اندر ان سے صلاح مشورہ کرنا چاہیئے ۔ . . . . .

آپ کا پیارا میرے ساتھ ہے اور وہ ٹھیک ہے ۔ آپ کو سلام بھیجا ہے وہ کہتا ہے کہ اس کے پاس کسی کو بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ اُسے کوئی مشکل بھی درپیش نہیں وہ یعقوب خان کے ساتھ یہاں پہنچ

گئے ہیں ۔ بڑی میاں کو میرا اسلام کہنا ۔ ہمیں اس کی بیماری کی فکر ہے خدا اُسے اچھی صحت عطا کرے ۔

میرے لیے کوئی حکم ۔

آپ کا کارندہ ۔ ابراہیم "

(اُن) جو (یعنی میجر اصغر علی آف پاکستان) کا خط محاذ رائے شماری کشمیر کے نام ۔

" ڈیر ۔ معراج الدّین صاحب !

سلام !

آپ کا خط جس میں آپ نے اپنے اچھّے حالات کے بارے میں لکھا تھا اور جس کے ساتھ ایک اور خط ملا ، دونوں خطوط کو بغور پڑھا گیا ۔ ہم اس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے اور یہ سب ایک اتفاق تھا میں جلدی ہی تمام واقعات پر ایک سرسری جائزہ بھیجوں گا یا خود ساتھ لاؤں گا کیونکہ وقت آگیا ہے جب کام اچھی طرح کیا جانا چاہیئے ۔ شاید اس بات کا پورا فیصلہ دو یا تین ہفتوں میں کیا جائے گا ، خدا نے چاہا تو آپ کے بھائی کا پورا خیال رکھا جائے گا ۔ میں نے علاقائی آفیسروں کو سمجھایا ہے جس طرح آپ خود ہی نیک نیتی اور قابلیت سے کام کر رہے ہیں ۔ وہ سب کو معلوم ہے دوسرا خط اُن کے لیے جب آپ کو وقت ملے تو یہ اس کو بھیج دینا ۔ کوڈ ناموں کا استعمال کریں "

آپ کا : حسن جو

مندرجہ بالا خط سے ظاہر ہے کہ کشمیر میں تخریبی کاروائیاں کر کے کیبنٹ منسٹروں کو مارنے کا پلان بنایا گیا تھا ، اس پر محاذ رائے شماری کی طرف سے یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہو گا کہ کہیں ان کارروائی سے ہمارے بھی آدمی مر نہ جائیں اس پر پاکستان کی طرف سے اس بات کی یقین دہانی کرائی گئی کہ آپ کے بھائی کا پورا خیال رکھا جائے گا ۔ اس سلسلے کا ایک اور خط جو پاکستان سے آیا یوں ہے ۔

" ڈیر ، آزاد صاحب !

سلام ! میں مہرچند (پیر مقبول گیلانی) کے نام ایک خط لکھ بھیجتا ہوں اس میں لفظ ملیشن کا مطلب ہندوستانی فوج اور شیر خان

کا پاکستانی حکومت ہے، اتحاد گروپ (یونائیٹڈ فرنٹ) کو چاہیے کہ وہ ضرور اپنے پروگرام میں بیرونی فوج کے انخلاء کو رکھے، پاکستانی حکومت آپ کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے آزاد اور صاف حق رائے دہندگی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گی، جیسا آپ نے کہا ہے، مشینوں (سامانِ حرب) کو لانا مشکل بلکہ ناممکن ہے، اس لیے مشینوں کو ہمارے اڈوانس ہیڈ کوارٹر پر رکھا جائے گا۔ دستاویزات جو بنانی ضروری ہیں اور تعداد جو ضروری ہے آپ کو باضابطہ پرنٹ کر کے آپ کی ضرورت کے مطابق بھیج دیا جائے گا، جونہی اس کا مسودہ ہمارے ہیڈ کوارٹر پر پہنچ جائے گا اس صورت میں سب جماعتوں کے لیے یہ موزوں رہے گا۔ آپ کا جواب آتے ہی اڈوانس ہیڈ کوارٹر پر اسٹیشنری (دستی بم) بھیجنے کا انتظام کریں گے، اس منصوبے سے سانپ مر جائے گا اور لاٹھی نہیں ٹوٹے گی۔

اپنے حالات اور مروّجہ حالات کے بارے میں مجھے لکھتے رہئے جب آپ خطوط بھیجیں تو ملک صاحب یا شاہ صاحب کے نام مت بھیجنا بلکہ کسی ذات عہدہ یا نام کا اشارہ کیے بغیر لکھیں تاکہ مکتوب کی اصلیت ظاہر نہ ہو، زیادہ سے زیادہ ابراہیم لکھ سکتے ہیں۔

آپ کا مخلص : ابراہیم "

مسٹر کرامت حسین پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کے آفیسر کا خط محاذ کے نام

" پیارے آزاد ــ !

سلامت رہو !

آپ کے نوازش نامے سے حالات سے آگاہی ہوئی۔ میں آپ کو صحیح سلامت پا کر خوش ہوا، ہم لوگ آپ کی سلامتی کا پورا خیال رکھتے ہیں خدا سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کو نقصان سے بچائیں ہم آپ کی مفید رائے جان کر بہت خوش ہیں ناراضگی کا سوال ہی نہیں یہ آپ سے اور بہاری صاحب (ثناء اللہ شاہ آف ٹنگمرگ) سے پہلے ہی معلوم ہوا تھا کہ اس

چیز (مشین گن) کو کس راستے آسانی سے بھیجا جائے۔ آج بہاری صاحب کی ذمہ داری قبول کرنے پر یہ چیز اُن کے ذریعہ بھیج رہا ہوں۔ لالہ مہر چند (پیر مقبول گیلانی) کو یہ خبر دیجئے کہ یہ چیزیں خدا کے فضل و کرم سے بہاری لال تک دو تین روز کے اندر پہنچ جائیں گی، اس لیے چاہیے کہ جب یہ چیزیں صحیح سلامت پہنچیں تو ان کی رسید بھیجدیں تاکہ مجھے تسلی ہو جائے۔

میں حامل رقعہ کے ہاتھ دو لفافے بھیج رہا ہوں یہ ابھی ابھی موصول ہوئے ہیں، دونوں لالہ صاحب کو دینے مطلوب ہیں۔ ٹائپ کیے ہوئے لفافے میں "محمد حسین،، کا مطلب آفتاب احمد خاں (پاکستانی فارن سروس) سے ہے اور "جے معصومہ،، کا مطلب نیویارک ہے۔ یہ آپ لالہ صاحب کو زبانی سمجھائیں تاکہ اُنھیں خط کو منزل مقصود تک پہنچانے میں مشکل نہ ہو، لالہ صاحب سے ان دو خطوط کی رسید حاصل کریں۔ . . . . خدا تعالیٰ ہمیں اپنے پاک مقصد میں کامیابی عطا کرے۔

والسلام

آپ کا ۔ کرامت حسین شاہ

ذِ رائے شماری کے ایک اہم رکن کی طرف سے محاذ رائے شماری کے صدر مرزا محمد افضل ک کے نام جو ذاتی خط لکھا گیا، اختصار کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔

" میرے پیارے بھائی ۔!

آپ چاہتے ہوں گے کہ میں یہاں کے موجودہ سیاسی حالات کے بارے میں آپ کو جائزہ دیدوں۔ خلیل نے آپ کو ایک خط پہلے ہی لکھا ہے . . . . .

مجھے یہ خط ایک نا امیدی نظر آتی ہے، اس کی نقل معہ رقعہ ساتھ ہے۔ اگر وہ اپنے چہیتے بچے PETCHILD کا خیال رکھنا چاہتا ہے۔ تو اس سے ہمارے نہ چاہتے ہوئے بھی دو فرنٹوں میں ٹکراؤ پیدا ہو گا۔ میں نے شیر گاندربلی سے اس کے بارے میں گفتگو کی . . . خلیل کا خط

موجودہ حالات پر ایک جزوی جائزہ ہے، لیکن ان کے خیالات آپ کی قید سے آزادی پر قابلِ غور ہیں۔

یہ سوال ہمیں پھر دہرانا چاہیئے کہ آپ کی آزادی پر دہلی کا رویہ کیا ہوگا۔ لازمی طور پر وہ چاہیں گے کہ آپ ان کے نقشِ قدم پر چلیں ...... ان مخالف کھچاؤں کا شیخ صاحب کی رہائی پر کیا اثر ہوگا میرا خیال ہے اچھا ہی ہوگا۔ اس کے علاوہ انھیں ہمیشہ کے لیے بھی بند نہیں رکھا جا سکتا...... مادرِ مہربان اور میں نے مسٹر پکھار سے خطوط لیے ہیں، جس میں وہ ہماری طرف سے اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کا بھروسہ چاہتے ہیں۔ مولانا مسعودی اپنی پوری صلاحیت سے ہمیں اپنے موقف سے ہٹانا چاہتے ہیں...... میرا رویہ اس بارے میں وہی ہوگا جو آج تک ہوتا آیا ہے۔

ہمارے کارکنوں کو بدستور پریشان کیا جا رہا ہے..... کچھ ہماری "رائے شماری" کی پالیسی کو نہیں مانتے ہیں۔ شاید وہ نیک نیتی سے یہ مانتے ہوں پہلے لیڈر کی رہائی ہو اور پھر عمل۔

- میرا پیارا بچہ (محاذ رائے شماری) ایک لائبریری (سامانِ حرب کا ذخیرہ) چاہتا ہے۔ مادرِ مہربان کے پاس کوئی پچاس ساٹھ کتابیں (دستی بم) ہیں جس سے وہ بچے (تنظیم) کو خوش کر سکتی ہے، وہ اچھی صحت میں (بڑے کارآمد) ہیں۔

ہمارا خیال ایک وائینٹر کارپوریشن ایک رائے شماری جوان (یوتھ فورس) بنانے کا بھی ہے، لیکن ہمارے لوگوں کا بنیادی کردار ہمارے راستے میں حائل ہے۔ پھر بھی ہم کوشش کریں گے....

آپ کا اپنا

خواجہ علی شاہ ؒ

مندرجہ بالا ان بعض خطوط کے مطالعہ سے محاذ رائے شماری کے اور پاکستان

کے درمیان خفیہ تعلقات کے بارے میں کچھ تفصیلات ملتی ہیں۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کشمیر کی محاذ رائے شماری جس کے روح رواں مرزا محمد افضل بیگ اور ان کے ساتھ بیگم شیخ محمد عبداللہ تھیں، یہ لوگ پاکستان کے ساتھ سازباز کر کے وہاں سے بندوقیں، پستول، دستی بم، حتیٰ کہ مشین گن بھی منگوا رہے تھے، "تاکہ بخشی وزارت کے ارکان قتل کر دیئے جائیں، پاکستان سے سامان حرب تو آ گیا لیکن اس سامان کو استعمال کرنے کے لیے انہیں ایک بھی فرد نہیں ملا۔ بعد میں انھوں نے پاکستان سے وہ آدمی بھیجنے کی گزارش کی جو بخشی کی کیبنٹ کو قتل کر سکے۔

پاکستان سے اس کام کے لیے کوئی شخص آیا یا نہیں؟ اس کے بارے میں واقعات خاموش ہیں۔ کسی کشمیری باشندے نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ کیا یہ لوگ سرے سے ہی بزدل ہیں یا کسی کو قتل کرنا ان کی فطرت سے بعید ہے؟

یہ کچھ ایسے سوالات ہیں جن پر تحقیق کی ضرورت ہے۔



چند روزہ وزیر اعظم

خواجہ شمس الدین

تمام عمر کجروی سے رہا ایک ربط خاص
ہم بے اصول لوگ بھی کیا با اصول تھے

پاکستان اور محاذ رائے شماری کے درمیان لین دین کا رابطہ

اگست ۱۹۵۳ء کے آپریشن کے بعد شیخ عبداللہ کی پارٹی جو پہلے نیشنل کانفرنس کہلاتی تھی اور پھر محاذ رائے شماری بن گئی، ہندوستان کے رہنماؤں کی کاروائی سے سخت متنفر ہوگئی اور وہ پاکستان کو اپنا دوست ظاہر کر کے خفیہ طور پر اس کے ساتھ الحاق کرنے کی کاروائی کرنے لگی، اگست ۱۹۵۳ء کے بعد محاذ رائے شماری کی لیڈر شپ کو اب اپنی نجات صرف پاکستان میں نظر آنے لگی۔ اب وہ باضابطہ طور پر پاکستان



کے ساتھ لین دین کرنے لگے، یہ لوگ وہاں سے رقومات اور ہتھیار حاصل کرنے لگے، یہ اور ہتھیار حاصل کر کے ہندوستان کے خلاف استعمال میں لائے جانے لگے جبں پاکستان کے بارے میں کشمیر کے عوامی رہنما شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کہا کرتے تھے۔

"(۱) میں موت کو گوارہ کر سکتا ہوں لیکن پاکستان کے ساتھ شامل ہونا گوارہ نہیں کر سکتا، ہم ایسے ملک کو منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتے جو ہمیں غلام بنانا چاہتا تھا، پاکستان کو ہماری آزادی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہے پاکستان کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ کشمیر میں ایک غیر جانبدار انتظامیہ ہونا چاہیے۔ میں جموں و کشمیر کے معاملات میں پاکستان کو بطور ایک فریق تسلیم کرنے سے انکار کرتا

ہوں۔ (۵ر فروری ۱۹۴۸ء سلامتی کونسل میں بیان)

(۲) ہمارے ملک کو پاکستان کے حملے کا نشانہ بننا پڑا، یہ حملہ آور دو قوموں کی تھیوری کے منافرت انگیز اسلحہ سے لیس تھے۔ میرا عقیدہ ہے کہ دو قوموں کا نظریہ نہ صرف معاشرتی اور جمہوری اصولوں کے خلاف ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی رضا کے بھی منافی ہے۔"

(تقریر: جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسہ مئی ۱۹۴۹ء)

(۳) ہمارے اعتقادات اور پاکستان کے خیالات میں کوئی بات مشترک نہیں ہے، پاکستان کا وجود انسانی نفرت پر ہے، مقاصد اور نظریات کی مماثلت نے نیشنل کانفرنس اور انڈین کانگریس کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے۔"

(ریڈیو کشمیر کی پہلی سالگرہ، ۲ر مئی ۱۹۵۰ء کی نشری تقریر)

(۴) کشمیر ہندوستان میں قطعی طور پر شامل ہو چکا ہے جس طرح دو متوازی خطوط کبھی نہیں مل سکتے اسی طرح کشمیر اور پاکستان کا ملاپ ممکن نہیں ہے ہماری پالیسی اور پروگرام ہندوستان کی پالیسی اور پروگرام کے مطابق ہے۔" نیا کشمیر" اور پاکستان کبھی آپس میں نہیں مل سکتے، پاکستان تو استحصالی عناصر کی جنت ہے ہماری ان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں۔

(ریڈیو کشمیر کی دوسری سالگرہ جولائی ۱۹۵۱ء کی نشری تقریر)

(۵) ترجیحی بنیاد پر کشمیر کو ہندوستان میں شامل رہنا چاہیئے نہ کہ پاکستان میں کیونکہ فرسودہ قرآنی نقطۂ نظر رکھنے والی حکومت (پاکستان) کے تسلط میں جانا کشمیر کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا۔

(امریکی سفیر لائے اینڈرسن کے سامنے بیان ۱۹۵۰ء) "

پاکستان کے بارے میں اس قسم کے خیالات رکھنے، اتنی زیادہ نفرت کرنے اور اُسے مکمل دھوکہ فریب اور فراڈ سے تعبیر کرنے، اُسے اسلامی ملک ماننے سے انکار اور اُس مسلمان ملک کے قرآن کو فرسودہ قرآن کہنے، پاکستان کو تمام برائیوں کی جڑ ماننے کے بعد (ہندوستان کے ساتھ لاکھ اختلاف کے باوجود) پاکستان سے ہتھیار اور دولت حاصل کرنے کا کونسا اخلاقی جواز تھا؟

ہندوستان کی کاروائی کے باوجود انہیں ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس پاکستان کی طرف رجوع کرے جس پاکستان کے بارے میں ان کے اندر نفرت کوٹ کوٹ کر بھری پڑی تھی پاکستان کے بارے میں شیخ عبداللہ کے وچار ایسے ہی تھے جو راون کے بارے میں رام کے تھے۔ راون کو ظالم جابر، ہتھیارا اور لٹیرا ماننے کے بعد ان کے ضمیر اور غیرت نے پاکستان کے ساتھ سازباز کرنے کی اجازت کیسے دی؟ سمجھ سے بالاتر ہے۔

شیخ صاحب جیل میں تھے یا جیل سے باہر پاکستان کے ساتھ اس سازباز سے ہرگز غافل نہ تھے، وہ جیل میں ہی محاذ رائے شماری کے لیے ہدایات دیا کرتے تھے اس کی مثال اس خط سے مل سکتی ہے جو پاکستان سے کشمیر بھیجا گیا۔

ایک خط جو مسٹر نیازی (پاکستان کے انٹلی جنس بیورو آفیسر) نے بیگم عبداللہ کو بھیجا تھا:۔

" محترمہ! سلامت رہو!

السّلام علیکم

میں آپ کے پاس ملک صاحب کو بھیج رہا ہوں یہ آدمی میرا عزیز اور مہربان بھی ہے، آپکی خدمت میں بھیج کر عرض ہے کہ آپ براہ نوازش ان کے ذریعے مشورہ کر سکے جناب شیر کشمیر صاحب و ان کے دیگر احباب اپنے ذمّے لیں تاکہ حامل ھذا آپ کی خط وکتابت ہمارے پاس پہنچا کر جواب آپ تک لے جائیں، نیز روپیہ و دیگر ضروری چیزیں جو جماعت کے لیے مخصوص ہوں آپ تک پہنچائے، اگر آپ یہ ذمّہ داری قبول کرنے پر تیّار نہ ہوں تو اسی محبت سے احباب مذکورہ صدر کی خدمت ہماری جانب سے عرض کی جائے کہ وہ اس معاملہ میں کس صاحب کو معمور کریں اور اس کا فوٹو و دستخط کے نمونے دفتری طریقہ جس پر اُسے روپیہ باہم پہنچایا جا سکے۔ نہایت مفصّل تحریر کر کے بھجوائیں اس سلسلہ کی تحریر منجانب مرزا صاحب

یاخواجہ علی شاہ صاحب ہونی لازم ہے اور اگر جنابِ والا شان جناب شیر کشمیر کی جانب سے ہو تو کیا کہنے ۔

آپ کا مخلص بھائی

نیازی "

مسٹر نیازی (پاکستانی انٹیلی جنس بیورو) کا ایک اور خط بیگم عبداللہ کے نام :-

محترمہ ہمشیرہ صاحبہ !

بعد آداب عرض ہے کہ آپ کی جانب سے دس ہزار کی رسید موصول ہوئی لیکن خط نہیں آیا ۔ براہِ نوازش مفصل حالات سے مطلع فرماویں ۔ محترم بھائی صاحب (شیخ صاحب) کی خدمت میں ایک خط دوسرے ذریعہ سے بھجوایا تھا ۔ ان کے جواب کا سخت انتظار ہے اس خط کی ایک نقل بھیج رہا ہوں امید ہے کہ جواب جلد دیا جائے گا ۔

پچیس ہزار روپے مولوی (غلام مصطفٰے) صاحب کے ہاتھ بھیج دیئے ہیں امید ہے اس خط کے ساتھ مل جائیں گے ۔

مزید ضروریات سے مطلع کریں ۔

آپ کا بھائی

نیازی "

26-9-55

محترم بھائی صاحب !

سلام مسنون

[illegible]

[illegible]



بیگ صاحب



بیگم عبداللہ

اس خط سے صاف ظاہر ہے کہ محاذ رائے شماری کے بارے میں ہدایات شیخ محمد عبداللہ جیل سے بھیج دیتے تھے اور محاذ رائے شماری کی ساری باگ ڈور انھوں نے بیگ صاحب اور بیگم صاحبہ کے ہاتھ میں رکھدی تھی۔ محاذ رائے شماری کے لیے جو رقومات پاکستان سے آتی تھیں وہ بیگم صاحبہ وصول کرلیتی تھیں اس کے چند ایک نمونے یہاں شامل کیے جارہے ہیں۔

EX. P-212

P-212

Q 22

[illegible]

Q 22

[illegible]

EX. P-31

محترم برادرم ... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ -

آپکا خط ... [illegible]

... وصول ہوئے ... [illegible] ... شکریہ

آپکا خیر خواہ

EX. P-207

33 محترم ... السلام علیکم ورحمۃ اللہ - P.207

... امانت دے دیجیے -

شکر گزار - Q1

EX. P-210

وصول پائے پانچ درجن P 210

انڈے - شکریہ -

EX. P-208

34 P 208

وصول پائے بیس[1] درجن انڈے (تین کم) ... راستہ میں ٹوٹ گئے تھے - مشکور

Q5 1-5-58

---

[1] بیس ہزار روپے میں سے تین ہزار کم تھے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں انڈے مراد روپے ہیں۔

27

[illegible] Q 34

[illegible]

[illegible]

تمام احباب کو تسلیمات

[illegible]

[illegible]

محترمہ ہمشیرہ صاحبہ

EX. P-206

[illegible]

Q 14

السلام [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

B-157

EX. P-257

EX. P-203

28 92 P.203

باعث تحریر آنکہ مبلغ بیس ہزار روپیہ
بذریعہ مولوی صاحب [illegible] مشکور ہیں۔
آپکی ہمشیرہ
10.10.57

EX. P-201

P.201

باعث تحریر آنکہ
Rs 10,000
مبلغ دس ہزار روپیہ از آن ملک۔
وصول پائے فقط
آپکی ہمشیرہ

EX. P-202

P.202

محترمہ ہمشیرہ صاحبہ

[illegible] کہ آپکی جانب سے دس ہزار کا
[illegible] آیا ہمراہ [illegible]
[illegible]
ذریعہ سے بھجوا دیا تھا [illegible] جواب کا [illegible] انتظار
[illegible]
[illegible] جواب جلد دیا جائے [illegible]

پاکستان سے مختلف اوقات پر اور مختلف افراد کے ذریعے جو دولت یہاں
اس کو انھوں نے ایک وہائٹ پیپر کے مطابق ۵ کروڑ بتائی ہے، پاکستان سے
کی رقم حاصل کرنے کے بعد اُن کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ کسی سے پوشید



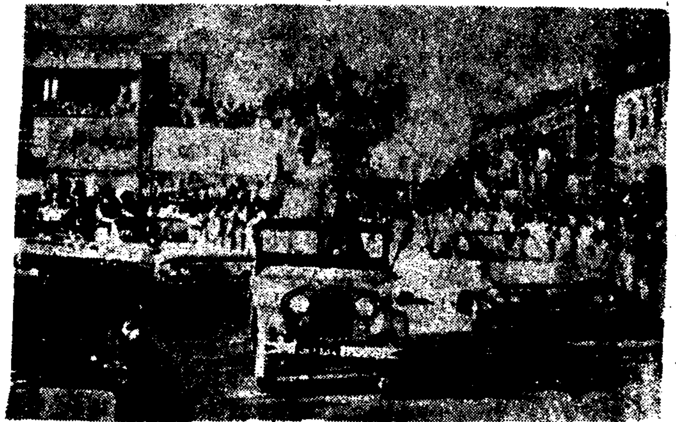
کشمیر کا تنازعہ حل کرنے کے لئے
پنڈت جواہر لال نہرو شیخ صاحب کو
صدر ایوب خاں سے بات چیت کرنے کے لئے
پاکستان روانہ کر رہے ہیں۔



شیخ محمد عبداللہ ۱۹۶۴ء میں دورۂ پاکستان کے دوران فیلڈ مارشل ایوب خاں کے ساتھ



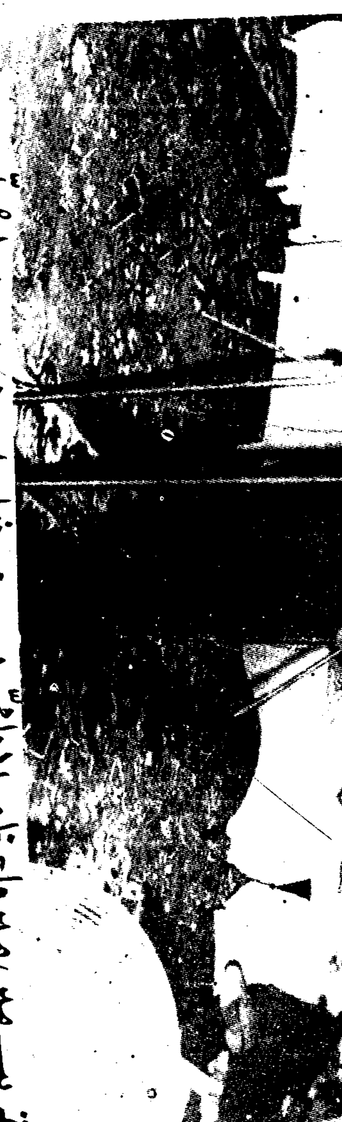
پاکستان میں شیخ عبداللہ نے مرزا افضل بیگ اور مولانا مسعودی کے ہمراہ صدر ایوب خان
سے ملاقات کی تھی



راولپنڈی میں ۲۴ مئی ۱۹۶۴ء کو شیخ کا شاندار استقبال



شیخ عبداللہ کی راولپنڈی میں آمد



ایک تقریب میں میرواعظ مولانا محمدؐ یوسف شاہ اور ذوالفقار علی بھٹو بھی موجود ہیں
شیخ عبداللہ مائک پر کھڑے ہوئے

اپنی عظمت کے قصیدے خود سنائیں گے آپ
حلقۂ اہلِ نظر میں خاک ہو جائیں گے آپ

کشمیری رہنما کا دورۂ پاکستان

پنڈت نہرو کی وفات

پاکستان کے لیے شیخ محمد عبداللہ کی روانگی ۲۴ مئی ۱۹۶۴ء کو ہوئی، ان کے ہمراہ مرزا محمد افضل بیگ، مولانا محمد سعید مسعودی، خواجہ مبارک شاہ بارہ مولہ، فاروق عبداللہ خواجہ مبارک شاہ نقشبندی اور چوہدری محمد شفیع تھے۔

پاکستان روانہ ہوتے سے ایک روز قبل شیخ عبداللہ نے پنڈت جواہر لال نہرو سے کوئی ۳۵ منٹ تک خفیہ بات چیت کی اور اس کے بعد خود نہرو دہرہ دون کے لیے روانہ ہوگئے۔ دہرہ دون کی روانگی سے قبل انھوں نے اخباری نمائندوں کو بتایا:

"شیخ عبداللہ سیکولرازم کے اصول پر پختہ یقین رکھتے ہیں اور کوئی ایسا قدم اٹھانا نہیں چاہتے جن سے ان اصولوں کو کسی قسم کا خطرہ پہنچنے کا احتمال ہو، وہ اس دو قومی نظریے کو بھی نہیں مانتے جو قیام پاکستان کی اساس ہے وہ ہندوستان کے لئے اپنے اصولوں پر اب بھی قایم ہیں وہ پاکستان



کے ساتھ امن و آشتی کے ساتھ رہنے کے خواہشمند ہیں اور مجھے امید ہے اس طرح دونوں ملکوں کے لیے ایک دوسرے

کے قریب آنے اور دوستانہ تعلقات قایم کرنے میں مدد مل سکتی ہے، شیخ محمد عبداللہ اگر یہ سب کرا سکتے ہیں تو وہ دونوں ملکوں کی عظیم خدمت انجام دیں گے اس مقصد کے حصول کی کوشش میں ہم ہر طرح کی امداد کرنے کو تیار رہیں "۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ پاکستان روانہ کرنے سے پہلے شیخ محمد عبداللہ کا اچھّی طرح سے "برین واش" کیا گیا اور اندر سے وہ سارے جراثیم نکال دیئے گئے جو ہندوستان کے لیے PARASITE بن گئے تھے، ان جراثیم کے بدلے ان کے اندر دو ملکوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا مادہ بھر دیا گیا جس کی کوئی ٹھوس بنیاد ہی نہ تھی۔

پنڈت نہرو کا یہ کہنا کہ شیخ عبداللہ اب بھی اپنے اصول پر قایم ہیں اس سے صاف ظاہر ہے، شیخ صاحب کا یہ دورہ محض سیر و تفریح تک محدود تھا۔

شیخ عبداللہ اپنے ساتھ مسئلہ کشمیر کا کوئی حل لینے کے بجائے کچھ تحفے اور تحائف لے کر روانہ ہوئے یہی وجہ ہے کہ وہ کچھ تحفے اُن کو دینے اور کچھ تحفے وہاں سے لینے کے سوا اور کوئی کام نہ کر سکے، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر پنڈت نہرو وفات نہیں پاتے تو مسئلہ کشمیر حل ہو گیا ہوتا۔ وہ محض خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔

پاکستان کے بارے میں شیخ عبداللہ کے خیالات اور نظریات کو مدّ نظر رکھ کر دیکھا جائے تو وہ پاکستان جانے کی بات ایک طرف رکھ کر اُس کا نام بھی زبان پر لانے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے دل اور دماغ پر پاکستان کی نفرت کوٹ کوٹ کر بھری پڑی تھی، پاکستان کے بارے میں انھوں نے اب تک وہ سارے الفاظ استعمال کیے تھے جو ایک بدترین دشمن کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ پاکستان جانے کے لیے تیار کیوں ہوئے۔؟

اس بارے میں بہت سارے لوگوں کا خیال ہوگا کہ وہ پاکستان کے بغیر مسئلہ کشمیر کا حل ناپائیدار سمجھ کر پاکستانی حکمرانوں کو منانے کے لیے وہاں گئے تاکہ کشمیر کا تنازعہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو سکے۔

لیکن یہ بات درست نہیں، شیخ عبداللہ پاکستان کو مسئلہ کشمیر کا فریق ماننے کے لیے اب بھی تیار نہیں تھے۔ جبکہ زبان سے وہ اس کا برملا اظہار کر رہے تھے۔

دہرہ دون کی واپسی پر جب پنڈت جواہر لال نہرو سے جن سنگھ کے صدر نے پوچھا:

"آپ نے مسئلہ کشمیر کو زندہ کر کے شیخ عبداللہ کو کیوں پاکستان بھیج دیا تو پنڈت نہرو نے ان سے صاف صاف کہدیا، مسئلہ کشمیر طے شدہ ہے اور شیخ عبداللہ وہاں جا کر اسی دائرے کے اندر بات چیت کریں گے "۔

شیخ محمد عبداللہ کا مشن بس اس بات تک محدود تھا کہ پاکستان اور ہندوستان پرانی تلخیوں کو بھول کر ایک دوسرے کے نزدیک آئیں، لیکن ان دونوں کو ایک دوسرے کے نزدیک لانے کا ان کے پاس کوئی معقول فارمولہ ہی نہ تھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بات یہی ہے تو پھر وہ پاکستان کیا کرنے گئے تھے؟

جہاں تک میں سمجھتا ہوں شیخ صاحب جیل سے چھوٹ کر گھر آئے تو ان کے سامنے دولت کے اُس انبار کی تفصیل رکھدی گئی جو دولت ۹/ اگست ۱۹۵۳ء کے آپریشن کے بعد سے اب تک محاذ رائے شماری کے نام پاکستان سے لاکر ان کے گھر پہنچا دی گئی تھی۔

پاکستان نے اس دولت کی تفصیل کروڑوں روپے میں بتائی ہے اور اتنی ساری دولت کو دیکھ کر دولت بھیجنے والے کا شکریہ ادا نہ کرنا یقیناً کم ظرفی کے مترادف ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس ساری دولت کے عوض میں پاکستان جا کر انھیں ہندوستان کے ساتھ صلح صفائی کرنے کی دعوت دینا ایک طرح سے قرض اُتارنے کے برابر تھا۔ لہٰذا شیخ صاحب یہ قرض اُتارنے گیا جو یقیناً ان کے لیے ایک قرض بنتا تھا۔

چونکہ کشمیری عوام کی طرح پاکستان میں مقیم کشمیری مہاجرین اور ان کے لیڈر اصلی حالات سے بے خبر تھے اس لیے جس طرح یہاں شیخ عبداللہ کو وفد کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے رخصت کیا گیا اس سے بڑھ کر پاکستان میں ان کی آمد پر ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ اور جگہ جگہ ان کا سواگت کیا گیا۔

کشمیر کے لیڈروں میں سے خاص طور پر چوہدری غلام عباس خان اور مولوی محمد یوسف شاہ نے ان کو گلے لگایا۔ چوہدری عباس نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے جب انہیں مخاطب ہو کر فرمایا:

"ہمیں خوشی ہے کہ شیخ محمد عبداللہ دیر کے بعد ہی سہی دو قومی نظریے کے قایل ہو گئے ہیں"۔

توشیخ صاحب نے فوراً اس کی تردید کر کے حاضرین کو مایوس کر دیا۔

چوہدری عباس خاں اور دوسرے کشمیری لیڈروں کو شیخ عبداللہ کی طرف سے کورا جواب مل گیا تو وہ ان کے مشن کے بارے میں مایوس ہو گئے۔

شیخ عبداللہ نے صدر ایوب خان کے ساتھ ملاقات کے دوران کنفیڈریشن کا ذکر چھیڑا تو حسبِ توقع جنرل ایوب خاں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ شیخ صاحب نے بھارت کے ساتھ صلح صفائی کرنے اور دونوں ملکوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے کا مشورہ دیا تو صدر ایوب خان نے جواب دیا۔

"مسئلہ کشمیر ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اگر یہ رکاوٹ دور ہوتی ہے تو ہم ضرور ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں اس کے لیے اگر مجھے خود دہلی جانا پڑے تو میں ضرور جاؤں گا تاکہ پنڈت نہرو کے ساتھ افہام وتفہیم ہو سکے۔"

چونکہ شیخ عبداللہ کے کھاتے میں "مسئلہ کشمیر" تھا ہی نہیں اس لیے بات آئی اور گئی۔

قیام پاکستان کے دوران جہاں کہیں بھی شیخ عبداللہ نے تقریر کی، انٹرویو دیا یا اخباری بیان دیا اس میں انھوں نے ہندوستان اور پاکستان کو نزدیک آنے کا مشورہ ضرور دیا لیکن پاکستان اور ہندوستان کے درمیان دوری کی جو بنیاد تھی اس کے بارے میں انھوں نے ہر جگہ ٹال مٹول سے کام لیا اس کے بجائے انھوں جو کچھ بھی کہا اس کا لب لباب یہ تھا:۔

"تجربے نے پاکستانیوں کو یہ بات سکھا دی ہوگی اور انہیں اس بات کا اندازہ ہوا ہوگا کہ اُن کے لیے مناسب یہی ہے کہ کشمیر کے حل کے لیے وہ کسی بیرونی ملک پر تکیہ کرنے کے بجائے اپنی نگاہیں صرف ہندوستان کی طرف ہی اُٹھائیں ان کا مفاد اس تدبیر میں پوشیدہ ہے اس سے پہلے پاکستان امریکہ اور برطانیہ پر بھروسہ کرنے کا خمیازہ بھگت چکا ہے، اب چین کو اپنا مشکل کشا ماننا غلطیوں کو دہرانے کے مترادف ہوگا، بین الاقوامی سیاسیات میں دوستی کی بنیاد مشترکہ مفادات ہوتے ہیں، وہ ختم ہو گئے تو دوستی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس ہندوستان

اور پاکستان کے مفادات مشترکہ ہیں۔"

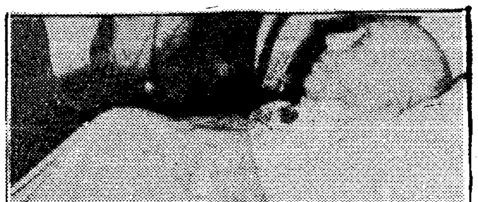
شیخ عبداللہ نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں امریکہ برطانیہ اور دوسرے ممالک کے ساتھ چین کا نظریہ بھی مسترد کیا اور پاکستان کو مشورہ دیا کہ وہ ان ممالک پر تکیہ کرنے کے بجائے ہندوستان کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کر کے ہندوستان میں ہی اپنی عافیت سمجھے۔

بظاہر یہ ایک معقول دلیل نظر آتی ہے مگر اس میں سچائی اور خلوص کا فقدان ہے اوّل یہ کہ ہندوستان "مسئلہ کشمیر" کو طے شدہ مانتا ہے، وہ اس سلسلے میں پاکستان کو فریق ہی تسلیم نہیں کرتا۔ ہندوستان کے اس قسم کے کٹّر رویّے کا توڑ کرنے کے لیے انھوں نے مؤثر دوسرے ممالک کی طرف دیکھا اور ان کی مدد طلب کی۔

ان حالات میں خود پاکستان کو نصیحت کرنے والے شیخ عبداللہ نے بھی یہی کیا ہے جو پاکستان کر چکا تھا۔ پاکستان کے اس دورے کے بعد جب انھوں نے بیرونی ممالک کا سفر کیا تو انہی بیرونی ممالک کی امداد حاصل کرنے کی پاداش میں انہیں جلاوطنی کا شکار ہونا پڑا۔

خود کو فضیحت اور دوسروں کو نصیحت کے مصداق شیخ عبداللہ کا یہ بیان بھی کسی کے حلق سے نیچے نہیں اتر سکا، شیخ عبداللہ نے پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ بات چیت کے دوران یہ تاثر ضرور دیا کہ وہ مسئلہ کشمیر پر بات چیت کرنے سے زیادہ اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ پاکستان چین کے دائرے سے باہر نکل کر ہندوستان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے — دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے لیے چونکہ وہ بنیادی مسئلہ کو پسِ پشت ڈال رہے تھے، لہٰذا یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکی۔

پاکستان کے دورے کے اگلے پڑاؤ کے طور پر شیخ عبداللہ وفد کے ہمراہ مظفر آباد کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستے میں جب انھیں پنڈت نہرو کے انتقال کی خبر سنائی گئی تو وہ سکتے میں آگئے اور ان کا مشن جو بظاہر دونوں ملکوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا تھا



پنڈت نہرو کے ساتھ فوت ہو گیا۔

مظفر آباد پہنچ کر لوگوں کے ایک اجتماع میں انھیں پنڈت نہرو کے تئیں خراجِ عقیدت ادا کرنے پر ہی اکتفا کرنا پڑا، کیونکہ ایسے موقع پر اور کچھ کہنا سننا مناسب بھی نہیں تھا۔

مظفر آباد سے رخصت ہوتے وقت وہاں کی محاذ رائے شماری اور کشمیر لبریشن فرنٹ کی طرف سے کشمیر کے رہنما کو ایک ایک لاکھ کے دو چیک پیش کیے گئے محاذ رائے شماری کی طرف سے چیک کے ایچ خورشید اور لبریشن فرنٹ کی طرف سے محمد مقبول بٹ نے پیش کیے۔

مظفر آباد سے شیخ صاحب وفد کے ہمراہ اسلام آباد آگئے اور پنڈت نہرو کی وفات سے پیدا شدہ صورتِ حال کے بارے میں صدر ایوب خاں کے ساتھ مختصر گفتگو کی۔

چونکہ شیخ عبداللہ اپنا (ناپائیدار) مشن ادھورا چھوڑ کر واپس دہلی جا رہے تھے اس لیے صدر ایوب خان نے تعزیت پرسی کے لیے پاکستان کا ایک ڈیلی گیشن شیخ صاحب کے ہمراہ دہلی روانہ کیا اس ڈیلی گیشن کی قیادت وزیرِ خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کر رہے تھے۔

پاکستان میں دوران قیام ذوالفقار علی بھٹو نے شیخ فاروق کا ذہن ایک خاص نکتہ پر مرکوز کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں وہ اقتدار کے لیے اپنے باپ کے نقشِ قدم پر ہی چلے۔


(لال بہادر شاستری)

کشمیری وفد کے ساتھ پاکستانی وفد دہلی آیا تو انھوں نے دیکھا پنڈت نہرو کی موت نے سارے ہندوستان کو غمزدہ کر دیا تھا۔

ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم دور ختم ہو چکا۔ پنڈت نہرو کو سپردِ آگ کیا گیا تو شیخ عبداللہ نے ہندوستان کے جواہر اور کشمیر کے لال کی اپنے حصہ کی استھیاں سرینگر لائیں۔ ان استھیوں کو دریائے سندھ اور دریائے جہلم کے سنگم میں بہا دیا گیا، مرحوم کی یاد میں پرتاپ پارک میں ایک ماتمی جلسے کا انعقاد کیا گیا۔

جواہر لال نہرو کی موت کے فوراً بعد گلزاری لال نندہ کو سینئر وزیر کی حیثیت میں قائمقام وزیرِ اعظم مقرر کیا گیا۔ لیکن بعد میں کامراج نادار کی مدد سے لال بہادر شاستری کو وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سونپ دیا گیا۔

لال بہادر شاستری ایک نرم دل، شریف النفس اور اعتدال پسند مدبر تھے انھوں نے وزیرِ اعظم بننے کے بعد جواہر لال نہرو کے نقشِ قدم پر چلنے کا اعادہ کیا۔

حالات آہستہ آہستہ نارمل ہو گئے تو شیخ عبداللہ لال بہادر شاستری سے ملنے دہلی گئے اور ان سے ادھورا کام پورا کرنے کا تعاون مانگا۔ شاستری جی نے شیخ صاحب کو تعاون کا یقین دلایا، البتہ گلزاری لال نندہ نے شاستری جی کو اس مسئلے کو کچھ مدت تک ملتوی رکھنے کا مشورہ دیا جو انھوں نے قبول کر لیا۔ اس طرح (ناپائیدار) مسئلہ لٹک گیا۔



وزیراعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق

نفرتوں کی آندھیاں پہلے بھی چلتی تھیں مگر
پیار کے اشجار بے برگ و ثمر ایسے نہ تھے

غلام محمدؐ صادق کا دورِ حکمرانی
بخشی غلام محمدؐ کی گرفتاری

خواجہ غلام محمد صادق نے ۲۸ فروری ۱۹۶۴ء کو ریاست جموں وکشمیر کی وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا، اس وقت نہ صرف ریاستی بلکہ ملکی حالات دگرگوں تھے۔ انتشار، بدامنی اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ریاست کے اندر اور باہر موئے مقدس صلعم کی گمشدگی سے ایسی الجھنیں پیدا ہوگئی تھیں جنہوں نے ریاست کے سارے سیاسی اور انتظامی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وقت اور حالات کا یہ سب سے بڑا چیلنج تھا، اور یہ تقاضا پیدا ہوگیا تھا کہ ریاست کے سماجی، سیاسی اقتصادی اور انتظامی استحکام کے لیے حکومت کی قیادت ایک ایسی شخصیت کے ہاتھ میں دی جائے جو بے لاگ ہو اور تدبّر و شائستگی کے ساتھ ان مشکلات سے ریاستی عوام کو نکال سکے۔

صادق صاحب کی شخصیت کشمیر کی سیاسیات میں اُن تمہوں سے جُدا، خلوص، شائستگی کی اُنہی شریف تہذیبی اور انسانی قدروں کا مکمل آدرش پیش کرتی ہے جس کے سارے معاشرے میں کافی فقدان ہے۔

غلام محمد صادق اپنی اصول پروری، ثابت قدمی اور دیانتداری کے لیے مثالی شخصیت کے مالک تھے، ان کی زندگی میں کوئی تصنع اور بناوٹ نہیں، ان کا ظاہر اور باطن ایک اور ان کے مزاج وطبیعت میں فطری تمکنت اور خودداری کے ساتھ جمہوری احساسات اور عقلیت پسندی کا ایک ایسا امتیاز موجود تھا جو انھیں کشمیری عوام کے دوسرے رہنماؤں سے الگ کر دیتا ہے۔

آپ بازاری قسم کی تقریروں، سیاسی شعبدہ بازی اور چھچھورے پن کو پسند نہیں کرتے ان کی تقریروں میں خطابت کا وہ زور نہیں جو جذبات کو کچھ وقت کے لیے گرما دے۔ صادق صاحب نجی زندگی میں کم آمیز کم گو تھے، آپ سنتے زیادہ اور بولتے کم تھے۔ آپ کی پسند میں یہ بالکل شامل نہ تھا کہ سیاسی یا اصولی اختلاف رکھنے کی پاداش میں کسی انسان کو اس کے بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ انھوں نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالتے ہی فرمایا۔

"میری حکومت تمام شہریوں کے بنیادی حقوق اور آزادیوں کو یقینی بنانے کی پوری پوری ضمانت دے گی اور اقتصادی تعمیری اور سماجی ترقی کے میدان میں کسی امتیاز اور کسی روک ٹوک کے بغیر ہر ایک فرد کے لیے آگے بڑھنے کے راستے کھول دے گی۔"

صادق صاحب نے شہری آزادی بحال کر دی، جلسوں اور جلوسوں پر پابندیاں ہٹا دیں، مختلف سیاسی جماعتوں کے تمام نظربند رہا کر دیئے، کشمیر سازش کیس، حضرت بل کیس اور بم کیس واپس لیے گئے۔

شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کے ساتھ دوسرے سیاسی لیڈروں اور ورکروں کو بھی رہا کر دیا، اخبارات کی اشاعت پر پابندیاں ختم کر دیں۔

آپ کے دورِ حکومت میں لوگوں کو یہ محسوس ہوا کہ ان کے سر سے ایک بھاری بوجھ اُتر گیا۔ وہ خوف جو انھیں کچلا جا رہا تھا، بہت حد تک دور ہو گیا۔

آپ نے سب سے پہلے کشمیر میں فوجداری کا ترمیمی ضابطہ لاگو کر دیا۔ سماج کے ہر طبقے اور ہر شعبے کی طرف سے اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ کیونکہ فلاحی ریاست قائم کرنے کے آدرش کی جانب یہ ایک مستحسن اقدام تھا۔

خواجہ غلام محمد صادق غالباً ۱۲ مئی ۱۹۱۲ء میں بٹہ مالنہ سرینگر میں ایک آسودہ حال اور روشن خیال "وانی" گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے بزرگ تاجر پیشہ تھے۔ اور اپنی ثروت کے لیے کافی مشہور تھے، ان کے والد بزرگوار حاجی عبدالغفار وانی اپنے دو بھائیوں خواجہ احمد اللہ اور خواجہ عبدالصمد سے کئی سال بڑے تھے، ان کا شال و پشمینہ کا کاروبار تھا۔ کلکتہ شہر میں ایک بڑی عالیشان دکان تھی جو کشمیری مصنوعات اور دستکاریوں

کے لیے آرٹس ایمپوریم کا درجہ رکھتی تھی۔

صادق صاحب کا گھرانہ پیری فقیری اور آستاں پرستی سے بہت دور تھا اس معاملے میں ان کے کنبے کے افراد "اہلحدیث" مانے جاتے تھے۔

کلکتہ قیام کے ایّام میں خواجہ احمد اللہ اور خواجہ عبدالغفار کو ہندوستان میں اُبھرتی ہوئی قومی تحریک کے تیور دیکھ کر بار بار کشمیر کی مسلمان اکثریت کی معاشی اور سماجی بدحالی کچوکے دے رہی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کشمیر میں بھی لوگ اسی طرح اپنے حق کے لیے لڑنا سیکھیں۔ منظم ہونا سیکھیں اور ڈوگرہ رجواڑشاہی کے اثر و اقتدار کی شخصیتوں کے خلاف اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔

یہ دونوں کلکتہ سے واپس آئے تو خواجہ احمد اللہ نے سیاسیات کشمیر میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا شروع کر دیا تھا۔ خواجہ احمد اللہ قرّہ کے فرزندوں میں سے بڑے فرزند غلام محی الدین قرہ اُن دنوں چھوٹے تھے، البتہ اپنے بھائیوں کے مقابلے میں عقل اور ہمت میں تیز تھے۔

ان ایّام میں کشمیر کی سیاست میں مولوی قسم کے لوگ حاوی تھے اور لوگ رہنمائی کے لیے ان کی جانب زیادہ سے زیادہ اُمیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے۔

صادق صاحب نے اپنی کاوشوں اور کوششوں سے جو چند ہم جماعت اور ہم خیال نوجوان متحرک کیے ان سبھوں نے ۱۹۲۹ء میں پہلا اسٹوڈنٹس مظاہرہ منظم کیا اس میں جہاں صادق صاحب نے انقلابی جوش و عمل کا ثبوت دیا وہاں محی الدین قرہ نے دیدہ دلیری اور پھرتی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

صادق صاحب اور محی الدین صاحب کو عوام کی غیر متزلزل قوت اور غیر مفتوح طاقت پر اس قدر اعتماد بڑھ گیا کہ انھوں نے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ قربانی دینے اور مصیبتیں جھیل لینے کا عہد کیا۔ اس طرح اُنھوں نے کشمیر کی سیاست میں اپنے آپ کو تن من دھن کے ساتھ وابستہ کر لیا۔

شیخ محمد عبداللہ ان پر بھروسہ اور اعتماد کیا کرتے تھے، ریاست کی تحریکِ حریّت میں کوئی بھی سیاسی واقعہ رونما ہوتا صادق صاحب کو اس کی قیادت سونپ دی جاتی ریاست میں جب پہلی قانون ساز اسمبلی بنائی گئی تو اس کے سربراہ صادق

صاحب بنائے گئے۔ ۹ راگست ۱۹۵۳ء کے آپریشن سے قبل اگر صادق صاحب نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ قبول کر لیا ہوتا تو بخشی غلام محمد ان کے نائب ہوتے۔

خواجہ غلام محمد صادق شیخ محمد عبداللہ اور بخشی غلام محمد کے مقابلے میں بالکل بے لاگ تھے۔ ان پر کسی قسم کی دھاندلی، کرپشن اور کنبہ پروری کا کوئی الزام نہیں لگ سکا۔ صادق صاحب کی ایمانداری کا یہ عالم تھا کہ ان کی موت کرایہ کی کوٹھی میں ہوئی جبکہ ان کے پیشرؤوں نے بے شمار جائیداد بنائی اور وہ بھی صریحاً ناجائز طریقے سے۔

صادق صاحب کا حکومت کرنے کا طریقہ بالکل مختلف تھا وہ زور و جبر اور قید و بند کے خلاف تھے ان کا نظریہ یہ تھا کہ مخالف کو طاقت کے بجائے کردار اور گفتار سے قائل کیا جائے، وہ سیاست دانوں کے ساتھ زور زبردستی کے بجائے سیاسی طور پر نمٹ لینے میں یقین رکھتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں اگر اگست ۱۹۵۳ء کے واقعہ کے دوران غلام محمد صادق بخشی غلام محمد کی جگہ وزارتِ عظمیٰ پر براجمان ہوئے ہوتے تو ریاست میں کرپشن، لوٹ کھسوٹ اور کنبہ پروری کا ہرگز اتنا بول بالا نہیں ہوتا، نہ ہی اتنا خون خرابہ ہوا ہوتا اور نہ ہی شیخ عبداللہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو برسوں تک قید و بند میں رہنا پڑتا۔

تحریک موئے مقدسؐ کے ساتھ غلام محمد صادق کو وزارتِ عظمیٰ سونپ کر مرکزی حکمرانوں نے ایک طرف بخشی غلام محمد کا زور ختم کر دیا اور دوسری طرف صادق وزارت پر ایسا خوف طاری کر دیا کہ وہ اپنی وزارت کو ناپائیدار جاننے لگے۔ اپنی ناپائیدار وزارت کو پائیدار بنانے کے لیے مرکز کے حکمرانوں نے صادق صاحب سے جو قیمت مانگی یہ قیمت دینے کے لیے وہ تیار ہو گئے۔ اس طرح ان کے اصول پر اقتدار غالب آ گیا۔

پہلے مرحلے پر ریاست میں انہوں نے کانگریس کی بنیاد ڈالی اور اس کے بعد مرکزی سرکار نے ان کے ہاتھ میں ایک کلہاڑا دیا جس سے وہ ریاست کی خصوصی پوزیشن دفعہ ۳۷۰ کی جڑیں کاٹنے لگے، صادق صاحب نے اقتدار کے لیے کلہاڑا ہاتھ میں لیکر پہلے اپنے ضمیر کو کاٹ کر رکھ دیا اور پھر ریاست کی خصوصی پوزیشن کو کاٹ کر اپنی اس وزارت کو پائیدار بنانے لگا جو وزارت موت نے ان سے چھین لی۔

صادق صاحب نے صدر ریاست اور وزیر اعظم کا عہدہ گورنر اور وزیر اعلیٰ

میں تبدیل کر کے کشمیر کی خصوصی پوزیشن کو کھوکھلا بنا دیا اور اس کے ساتھ انھوں نے اپنی عاقبت بھی خراب کر دی۔ صادق صاحب کی اس حرکت سے شہ پا کر ایک کٹر پاکستانی اور مسلم لیگی محمد شفیع قریشی نے وادی میں پہلی بار کانگریس کا پرچم اٹھا کر پاکستان کے ساتھ مسلم لیگ کے خلاف آواز بلند کی، محمد شفیع قریشی نے وادی کشمیر میں باضابطہ طور پر کانگریس کی ایک شاخ قائم کر کے اپنے لیے مرکز میں ایک پوزیشن بنوائی، اسی پوزیشن نے انہیں مرکز میں ایک عہدہ تفویض کرایا۔



(محمد شفیع قریشی)

غلام محمد صادق نے اپنے دورِ حکمرانی میں بخشی غلام محمد کی بدعنوانیوں، کرپشن لوٹ کھسوٹ اور کنبہ پروری پر تحقیقات کے لیے ایک کمیشن کی تقرری کا اعلان کیا، سپریم کورٹ کے ایک سابق جسٹس اینگر پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیشن نے بخشی غلام محمد کو شدید بدعنوانیوں کا مرتکب قرار دیا۔

پنڈت جواہرلال نہرو کی وفات سے بخشی غلام محمد ایک بڑی رکاوٹ کو دور ہوتے دیکھ کر اقتدار پر دوبارہ قابض ہونے کے لیے پر تولنے لگے۔ انھوں نے دوڑ دھوپ شروع کی اور ممبران اسمبلی کو اپنے دائرے میں لانے کے لیے پھنسانا شروع کیا۔

اپنی طرف سے تمام تیاریاں مکمل کر کے اسمبلی اجلاس کے موقع پر صادق صاحب پر عدم اعتماد کرنے کا فیصلہ صادق وزارت گرانے کے مترادف تھا، صادق صاحب کو اس کا پتہ چلا تو ان کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور وزارت کی عمارت زمین بوس ہونے لگی اگلے روز بخشی غلام محمد کی تمام کارروائیوں پر پانی پھیر کر انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ بخشی غلام محمد کو گرفتار کر کے جموں کے اسی تارانواس میں محبوس کیا گیا جس میں انھوں نے پہلے مرحلے پر شیخ عبداللہ کو قیدی بنا دیا تھا۔

اگست ۱۹۵۳ء میں بخشی غلام محمد بھارت سرکار کے آلہ کار بن گئے تو انھوں نے نہ صرف کشمیر کی آزادی کی شدید الفاظ میں مخالفت کی بلکہ رائے شماری کا نام لینے والوں کو کچلنے میں

کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ان کارناموں کے طفیل بخشی غلام محمد بھارتی حکمرانوں کی نظروں میں ایک ہیرو بن گئے۔ انہیں جمہوریت کا علمبردار، سیکولرازم کا دیوتا اور سوشلزم کا چمکتا ستارہ بھی کہا گیا۔ ہندوستان کے چپے چپے پر ان کی شان میں قصیدے پڑھے جانے لگے۔

بخشی غلام محمد کشمیریوں کو زیر کرنے کے صلے میں بھارتی رہنماؤں کی آنکھ کا تارا بن گئے، وہ ہندوستان کے قابل فخر دوست کہلانے لگے، دنیا میں ایسی کوئی خوبی نہ تھی جو ہندوستانیوں کو ان میں نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن جونہی کامراج پلان کے تحت انہیں وزارت سے علیحدہ ہونا پڑا ان پر فرقہ پرستی کا لیبل لگا۔ ان کے تئیں مرکزی سرکار کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی اپوزیشن پارٹیوں کے تیور بدلنے لگے۔ ان پر امن عامہ خراب کرنے کا بھی الزام لگ گیا، ان کے خلاف لوٹ کھسوٹ، رشوت خوری اور کنبہ پروری کے چرچے ہونے لگے۔ یہ سلسلہ پنڈت جواہر لال نہرو کی وفات تک جاری رہا۔ اگرچہ یہ چرچے کبھی سرد رہے اور کبھی گرم ہوئے، لیکن صادق وزارت گرانے کی پاداش میں ان پر نہ صرف افراتفری پھیلانے کا الزام لگ گیا بلکہ شیخ عبداللہ کے ساتھ سازش کرکے تخریب کاری کا بھی الزام ان پر لگایا گیا۔ کل کا محسن آج کا دشمن بن گیا۔

غلام محمد صادق نے اپنی حکومت کو بچانے کے لیے لال بہادر شاستری کے اشارے پر بخشی غلام محمد کو گڑبڑ پھیلانے کے الزام میں گرفتار کروالیا اور جیل میں ٹھونس دیا بخشی صاحب کی گرفتاری پر وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے بیان دیا کہ یہ معاملہ مرکزی سرکار کے بجائے ریاستی سرکار کے نظم ونسق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، بھارت سرکار کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں حالانکہ بخشی صاحب کی گرفتاری مرکزی سرکار کے ساتھ صلاح مشورہ کے بعد ہی عمل میں لائی گئی تھی۔


Bakshi Ghulam Mohd

بخشی غلام محمد گرفتاری کے سلسلے میں ریاستی سرکار کے ترجمان نے جو بیان جاری کیا اس میں صاف طور پر تسلیم کیا گیا بخشی کی گرفتاری مرکزی سرکار کی مرضی اور منشاء کے مطابق عمل میں لائی گئی ہے۔

پارلیمنٹ میں وزیر داخلہ گلزاری لال نندہ اور وزیر امور خارجہ

مسٹر مینن نے اس حقیقت کو تسلیم کرلیا کہ بخشی غلام محمد ایسی سرگرمیوں میں ملوث تھے جن کی وجہ سے کشمیر کے نظم ونسق کو شدید نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ ان کی سرگرمیوں کی وجہ سے کشمیر میں گڑبڑ اور بے چینی پھیل جانے کا خطرہ لاحق تھا۔

بخشی غلام محمد نے ممبران اسمبلی سے مل کر ایسی سازش تیار کی تھی کہ جس کا مقصد جی ایم صادق کے خلاف اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک پیش کرکے اسے اکثریت سے محروم کرانا مطلوب تھا اگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوجاتے تو نہ صرف وہ صادق وزارت کو گراتے بلکہ وہ بھارت کے ساتھ الحاق کا فتنہ بھی کھڑا کرتے۔ بخشی غلام محمد کے بارے میں خفیہ طور پر پتہ چل گیا تھا کہ وہ شیخ عبداللہ کے ساتھ مل کر ایک ایسی صورت حال پیدا کرتے کہ اس کو سنبھالنا بھارت کے لیے انتہائی مشکل ہوجاتا۔

بخشی غلام محمد کشمیر کی سیاست میں واقعی ایک عجیب اور دلچسپ عنصر تھے وہ نہایت ہی زیرک ذہین اور معاملہ فہم انسان تھے۔ لیکن انہیں گرفتار کرکے جس روپ میں پیش کیا گیا وہ بالکل مختلف تھا۔

اقتدار کے لالچ میں انھوں نے شیخ عبداللہ کو وزارت سے برطرف اور گرفتار کرانے میں ایک اہم رول ادا کیا، وقت نے ایسا ہی فیصلہ ان کے حق میں بھی دیا۔ شیخ عبداللہ بخشی غلام محمد کے ہاتھوں اقتدار سے محروم ہوکر گرفتار ہوئے، صادق صاحب کے ہاتھوں بخشی غلام محمد اقتدار کھونے کے ساتھ نظر بند کیے گئے۔

صادق صاحب کشمیر کی خصوصی پوزیشن کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے سے منکر ہوگئے ہوتے تو وہ بھی بھارتی حکمرانوں کی نظر میں فتنہ پرور سازشی عنصر اور نہ جانے کیا کیا بن کر وزارت سے محروم ہوکر نہ جانے کن کے ہاتھوں گرفتار ہوتے۔

اقتدار سے محروم ہونے اور پھر گرفتار ہونے کے بعد جب بخشی صاحب کو قید تنہائی میں اپنے ماضی کو ٹٹولنے کا موقع ملا۔ تو انھوں نے محسوس کیا بھارت کا آلہ کار بن کر انھوں نے بہت بڑی غلطی کی لیکن شیخ عبداللہ کی برطرفی اور نظر بندی کا انہیں کوئی افسوس نہیں تھا۔

اگر بخشی غلام محمد کو دوبارہ وزارت میں آنے کا موقع مل جاتا تو وہ اپنے ساتھ کیے گئے سلوک کا ضرور بدلہ لے لیتے، بدلہ لینے کا ان کے پاس ایک پلان تھا اس کا

ذکر انھوں نے اپنی ڈائری میں یوں کیا ہے :۔

"صادق صاحب پر عدم اعتماد کرنے کے بعد مجھے اسمبلی میں دو تہائی کی اکثریت مل جاتی تو سب سے پہلے بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو منسوخ کر دیتا، اس کے بعد میں وزارت سے محروم ہو کر گرفتار بھی ہو جاتا تو مجھے کوئی افسوس نہیں رہتا، بھارت کا جو بھی حاکم ہو انھیں اول اور آخر اپنے مفادات عزیز ہیں اپنے مفادات کی رکھوالی میں وہ ریاست کے حاکمِ اعلیٰ کو آج اگر عرش پر چڑھائے گا تو کل کو پھانسی پر بھی چڑھا سکتا ہے، ان سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی طوطا چشم نہیں ہے ان پر بھروسہ کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔"

اقتدار کھو جانے کے بعد بخشی صاحب بھی کم از کم وہی بولی بولنے لگے۔ جو شیخ عبداللہ برسوں تک بولا کرتے تھے اقتدار کے نشے میں یہ لوگ اپنے ماضی کے ساتھ مستقبل کو بھی بھول جاتے ہیں۔



بخشی صاحب کی گرفتاری پر وزیر خارجہ پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے جو بیان جاری کیا حسبِ ذیل ہے۔

"غلام محمد صادق اور ان کے حواریوں کو مقبوضہ کشمیر میں نوآبادیاتی حکمرانی کی بہیمانہ تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

بخشی کی گرفتاری سے مجھے تعجب نہیں ہوا ہے۔ نوآبادیاتی حکمرانی میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ افراد کسی مقصد کے لیے چنے جاتے ہیں۔ جب مقصد پورا ہو جاتا ہے تو انھیں ختم کر دیا جاتا ہے اور اُن کی جگہ دوسرے افراد منتخب کر لیے جاتے ہیں وہ دن دور نہیں جب غلام محمد صادق اور ان کے حواریوں کا بھی یہی حشر ہوگا جو اس کے پیشرؤوں کا ہوا۔"

تین مہینے تک قید میں رہنے کے بعد جب بخشی غلام محمد کو دل کا دورہ پڑا تو انہیں رہا گیا۔ رہائی کے بعد جب وہ سرینگر آئے تو وہ ٹوٹ سے گئے تھے، سیاست کے

ساتھ ساتھ وہ زندگی سے بھی بیزار نظر آتے تھے۔

صادق صاحب نے ان کا پلان فیل کر کے گویا انہیں سیاست کے امتحان سے بھی فیل کر کے رکھ دیا، اگر ان پر آئینگر کمیشن کی تلوار نہیں لٹکی ہوتی تو شاید وہ مختلف ہوتے ریاستی سرکار کے لیے بھی اور مرکزی سرکار کے لیے بھی۔



وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق
جموں میں عوامی اجتماع سے خطاب فرما رہے ہیں

باب ۳

ریاستی کانگریس کے ساتھ ترکِ موالات

پاک و ہند کے درمیان جنگ کے شعلے

تاشقند معاہدہ

اور سیاسی کنونشن

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھُٹ کے مَر جاؤں یہ مرضی میرے صیّاد کی ہے

جز :-

زندگی کرنا جہاں میں اب بھی ہے کرب وبلا
جسم کے نیزے پہ رکھا ہم نے سر کچھ اس طرح

شیخ عبداللہ کا ریاستی کانگریسیوں کے ساتھ ترکِ موالات اور جلاوطنی کے کواکب

پنڈت جواہر لال نہرو کی موت کے بعد جب مرکزی سرکار نے شیخ محمد عبداللہ کو ناقابلِ اعتبار سمجھ کر ان کے تئیں بے رخی اختیار کر لی تو جوابی کارروائی کے طور پر انھوں نے ۵ر جنوری ۱۹۶۵ء کو مقامی کانگریسیوں کے ساتھ ترکِ موالات کرنے کا اعلان کیا۔ شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں فرمایا۔

"کشمیر کے لیے حق خود ارادیت کی تائید اس وقت کے حکمران جو کانگریس کے ساتھ وابستہ تھے آج وہ کانگریس نہیں رہی، جو انڈین نیشنل کانگریس آج کشمیر میں آکر عوام کو یہ کہے کہ تمہارا حق خود ارادیت کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور چند افراد نے تمہارے حقوق کا جو سودا کیا ہے وہ تم کو قبول کرنا ہوگا ہم اسے کیسے پرانی انڈین نیشنل کانگریس کی شکل میں قبول کریں گے۔ ان حقایق کے پیشِ نظر عوام نے کانگریس کے نام سے دھوکہ کھانے سے انکار کیا اور ریاست میں کانگریس کے قیام کا اعلان کرتے ہی جب قدم قدم پر جموں و کشمیر کے امتیازی وجود کو مٹانے والے اقدامات ہونے لگے تو عوام نے محسوس کیا کہ ریاست کا وجود جو ہندوستان کے فرقہ پرستوں کو کانٹے کی طرح آنکھوں میں کھٹک رہا ہے اس کو ختم کرنے کے لیے ریاست کی موجودہ برسر اقتدار ٹولی نے اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کر دی ہیں۔

ترنگے جھنڈے کی آڑ میں جو نام نہاد کانگریس ریاست میں درآمد کی جارہی ہے اس سے دھوکہ نہ کھایا جائے اور اس نام کی آڑ میں عوام کے حق خود ارادیت کو چھیننے اور عوام کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی جو کوشش ہو رہی ہے اس کو آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے اور اگر کوئی بھولا بھٹکا ریاستی باشندہ مکر و فریب کے اس نئے جال کا شکار ہوتا ہے تو اس کو دلائل سے وہ خطرات سمجھائے جائیں جو اس پارٹی کے ہاتھوں قوم اور وطن کو درپیش آسکتے ہیں۔

اس سلسلے میں محاذِ رائے شماری کی ورکنگ کمیٹی حکومت کے ان اقدامات کی مذمت کرتی ہے جو اس نے یہاں کانگریس کی ممبرشپ کے سلسلے میں محاذ کے ارکان کو جگہ جگہ گرفتار کرنے اور عوام کو خوف زدہ کرنے کی صورت میں روا رکھے ہیں۔

یہاں کانگریس کی آمد کشمیر کی انفرادیت کے لیے ایک خطرہ ہے اور ایک بار پھر غیر مبہم طور پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ

ان فرقہ پرستوں اور رجعت پسندوں کی خواہشات کی قربان گاہ پر پہنچایا جارہا ہے جو روز بروز تقویت حاصل کرتے جارہے ہیں، ہم سمجھتے ہیں سیاسی نظریات کا پرچار اخلاقی حدود ترغیب اور آزادانہ رائے سے تجاوز نہ کرے، جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو سرکاری مشنری استعمال کرکے کانگریس کا ممبر بننے کے لیے عوام کو مجبور کر رہے ہیں ان کے ساتھ قطع تعلقات کریں اور کسی کو ان کے ساتھ بات چیت نہیں کرنی چاہیئے قدرتی طور پر اس سے کسی جھگڑے یا تصادم کی گنجائش نہ رہے۔

ہم عوام سے ان کانگریسیوں کے ساتھ "ترک موالات" کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ ترک موالات کا مطلب کسی شخص کو اس کی غلطی کا احساس دلانا ہے جو شخص آپ کے نظریات کا مخالف ہے اُسے نرمی سے سمجھایا جائے اور کہا جائے کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ کھیلے جو

عوام کے مفاد کے خلاف کام کرتے ہیں۔ اس سے لڑائی جھگڑا اور بحث و مباحثہ نہ کرو اگر وہ تم سے متفق نہ ہوں تو پھر تمہیں ان کے ساتھ ترک موالات کرنا چاہیے۔

اگر وہ اپنے رویے پر اصرار کریں تو سمجھنا چاہیے ان کا اور ہمارا راستہ الگ الگ ہے۔ اس صورت میں ان سے تعلقات منقطع کیجیے اور ترک کلام کیجیے۔ ان کے میت کے جنازے میں بھی شرکت نہ کریں"

ان دونوں لیڈران کے اس بیان نے وادی بھر میں ایک ہلچل سی مچادی۔ ملک بھر میں مرکزی سرکار، کانگریس پارٹی اور اپوزیشن نے شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کے ان بیانات کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی، وادی کشمیر میں کانگریسیوں کے خلاف یہ سماجی بائیکاٹ ان کے ساتھ شادی بیاہ اور نماز جنازہ کی ادائیگی کے بائیکاٹ کی بات انتہا تک پہنچ گئی کشمیری عوام کے درمیان نفاق کی صورت حال روز بروز سنگین صورت اختیار کر گئی، وادی میں کانگریسیوں کی تعداد مٹھی بھر تھی اور ترکِ موالات کے اعلان نے ان کو الگ تھلگ کرکے رکھ دیا، ان اقدامات سے وہ خوف زدہ ضرور ہوئے لیکن اپنی پارٹی سے منحرف نہ ہوئے۔

مرکز کی حکمرانی کانگریس پارٹی نے شیخ عبداللہ کی ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۵۳ء تک کانگریس کے بارے میں ان کے بیانات اور خیالات اجاگر کرنے کا ایک سلسلہ شروع کیا، مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگریس کو ایمان کی حد تک قبول کرنے کا ان کا کچا چٹھا نکال کر رکھ دیا۔

محاذ کے لیڈر بھی کہاں پیچھے رہنے والے تھے، انھوں نے 'ترک موالات' کی تشریح کرکے ایک طرف کانگریسیوں کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی دوسری طرف کشمیری عوام کو فلسفہ ترک موالات سے واقف کرانے کا ایک سلسلہ شروع کیا۔

۱۵ر جنوری کو حضرت بل کے آستانہ عالیہ پر عوامی اجتماع سے شیخ عبداللہ نے فرمایا:

"۔۔۔ جو لوگ ہماری صفوں اور محاذ رائے شماری سے باہر ہیں ان کو حُسنِ اخلاق سے سمجھایا جائے کہ تم دشمن (کانگریس) کے ہاتھ میں کھیل کر نہ صرف اپنا بلکہ آنے والی پود کا نقصان کر رہے ہو، ان کے ساتھ جھگڑنا

اور لڑنا نہیں ہے اگر وہ اچھے سلوک سے باز نہ آئے تو ان کے ساتھ ترک موالات کرو کیونکہ یہ لوگ اپنے فائدے کے لیے جان بوجھ کر قوم کو چھوڑ رہے ہیں۔ ترک موالات کی ہدایت پر اس طرح عمل کرو جس طرح کہ جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان دو صحابہ کے ساتھ کیا گیا تھا جو دشمنوں سے رابطہ رکھے ہوئے تھے، اگر آپ نے میری ہدایت پر عمل کیا تو میں سمجھوں گا آپ میں آزادی حاصل کرنے کی حقیقی خواہش اور تڑپ ہے ...... ایسے اشخاص جو عوام کی نمائندگی کا دعویٰ کریں اور انہیں غلامی کی زنجیروں میں مضبوطی سے جکڑنے کا سامان پیدا کریں ایسے عناصر اور آزادی کے دشمنوں کو احساس دلانے کی خاطر ان کے ساتھ ترکِ موالات کریں، ان کے ساتھ سماجی تعلقات منقطع کریں تاکہ ان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔"

۲۹ جنوری کو مجاہد منزل کی ایک تقریب کے دوران انھوں نے جلسے سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔

"..... جو لوگ قومی مفاد کے خلاف کام کرتے ہوں اور ہماری آزادی کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں ان کے پاس جا کر اخلاق اور دلائل سے سمجھاؤ کہ وہ ہمارے دشمنوں (کانگریسیوں) کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں جس سے وہ نہ صرف اپنے لیے نقصان کا باعث بن رہے ہیں بلکہ اپنے اہلِ وعیال اور ساری قوم کے لیے باعثِ عذاب بن رہے ہیں۔ ان کو کہو کہ اب بھی وقت ہے باز آجاؤ۔ اور محاذ کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ جو اس جدو جہد کی نشانی ہے جس کا مقصد اس قوم کو آزاد کرانا ہے۔ ان سے کہو کہ تمہاری ماضی کی غلطیاں معاف کی جائیں گی۔ اگر وہ مان گئے تو ان کی عزت کرو اور ان کو گلے سے لگاؤ۔ اگر انہوں نے نہیں مانا تو پھر ہمارا راستہ الگ اور ان کا راستہ الگ ......"

شیخ عبداللہ کانگریس کی جھونپڑی میں تیل ڈال کر خود حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہو گئے، انھوں نے اپنی بیگم اور مرزا افضل بیگ کو بھی اپنے ساتھ لیا۔

فریضۂ حج انجام دینے کے دوران شیخ صاحب نے یورپ ایشیا اور افریقہ کے ممالک

کا دورہ کیا، شیخ صاحب قاہرہ بھی گئے، جہاں افریقی ایشیائی ممالک سے انھوں نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے ان سے حمایت کی اپیل کی۔ قاہرہ میں شیخ صاحب سے پاکستانی سفیر نے ملاقات کی اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ الجزائر میں ہونے والی افریقی ایشیائی کانفرنس میں مسئلہ کشمیر اٹھا کر بیشتر ممالک کی حمایت حاصل کریں۔

شیخ صاحب نے یہ مشورہ قبول کیا، اگلے روز وہ قاہرہ سے الجزائر روانہ ہو گئے۔ پاکستانی سفیر نے قاہرہ ہوائی اڈے پر الجزائر کے لیے روانگی پر انھیں ایک چک پیش کیا جو ہندوستانی کرنسی میں تقریباً ایک لاکھ روپے کے قریب تھا۔

الجزائر پہنچ کر شیخ صاحب اور ان کے ساتھیوں کا خوب استقبال کیا گیا۔ الجزائر میں اپنے قیام کے دوران شیخ صاحب وہاں کی حریت پسند فاتح قیادت سے بھی ملے البتہ یہاں انھوں کانفرنس میں شمولیت کرنے سے اجتناب کیا۔

الجزائر میں قیام کے دوران صدر بن بیلا نے شیخ صاحب کو اپنے ساتھ شہید مزار پر لیا۔ کئی میل تک پھیلا ہوا یہ شہید مزار دکھانے کے دوران صدر نے شیخ صاحب، بیگ صاحب اور بیگم صاحبہ کو اپنے گھر اور اپنے خاندان کے افراد کی چالیس قبریں دکھائیں۔ صدر بن بیلا نے شیخ صاحب سے پوچھا:

"کشمیر میں تحریکِ حریت کے دوران آپ کے گھر اور خاندان کے کتنے افراد اب تک شہید ہو چکے ہیں۔؟"

جب شیخ صاحب سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تو صدر نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"لگتا ہے آپ نے قربانی نہیں دی، آپ کا کوئی قربان نہیں ہوا آزادی کیسے حاصل کر سکیں گے آپ؟"

الجزائر میں پاکستانی سفارت کار نے شیخ صاحب کو چین کے وزیر اعظم چو این لائی سے ملا دیا۔ چو این، لائی نے دوران ملاقات کشمیر کی تحریکِ حریت کے لیے نہ صرف اپنا بھرپور تعاون پیش کیا۔ بلکہ شیخ صاحب کو چین آنے کی دعوت بھی دی، جو انھوں نے قبول کر لی ــــ اس خبر کی تشہیر کے ساتھ ہی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو نے شیخ صاحب کو چین کے دورے کے سلسلے میں پاکستانی پاسپورٹ دینے کی پیش کش کی۔

شیخ محمد عبداللہ اور مرزا محمد افضل بیگ اس دورے کے دوران جن بین الاقوامی شخصیات اور سربراہانِ مملکت اور وزرائے اعظم سے ملے ان میں فرانس کے صدر، انگلستان کے وزیر اعظم کے علاوہ شہزادہ عبدالعزیز، الجزائر کے صدر بن بیلا، چین کے وزیر اعظم چو، این، لائی الجزائر کے وزیر خارجہ بوطوفیقا، کرنل حوری بومدین، مصر کے صدر کرنل ناصر، عراق کے سابق وزیر اعظم ڈاکٹر فاضل جمالی، فلسطین کے مفتیٔ اعظم امین الحسینی پاکستان کے ڈاکٹر فضل الرحمان، ایر مارشل نور خاں، مصر کے نامور اخبار الاحرام کے ایڈیٹر حسن ہیکل وغیرہ شامل ہیں "مسئلہ کشمیر" پر ان سے تبادلۂ خیال کیا۔

چین کے وزیر اعظم چو این لائی کے ساتھ شیخ عبداللہ کی بات چیت کا جب اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے چرچا ہوا تو وزیر اعظم ہند لال بہادر شاستری نے ہندوستان کے دشمن کے ساتھ شیخ صاحب کی اس ملاقات کا سخت نوٹس لیا۔ مرکز کے دیگر وزراء اور اپوزیشن لیڈروں نے شیخ عبداللہ کو حج بیت اللہ کے ساتھ دیگر ممالک میں جانے کی اجازت پر وزیر اعظم کو خوب آڑے ہاتھوں لیا، چنانچہ حکومت ہند نے شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کی سرگرمیوں اور ان کے بیانات کی سنجیدہ نوٹس لے لیا اور انھیں ۳۰ اپریل ۱۹۶۵ء تک واپس بھارت آنے کی ہدایت دی گئی۔

شیخ صاحب، مئی ۱۹۶۵ء کو اپنا دورہ مختصر کر کے دہلی کے پالم ہوائی اڈے پر جہاز سے اُترے تو ڈی، آئی، آر کے تحت انہیں نظر بند کیے جانے کا حکم سنایا گیا۔

ایک دوسرے جہاز کے ذریعہ شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کو ایک پُر فضا مقام اوٹاکمنڈ پہنچایا گیا، جہاں ایک شاندار کوٹھی میں انھیں نظر بند کیا گیا۔


(شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ)

بیگم شیخ محمد عبداللہ کے لیے کشمیر میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔

شیخ محمد عبداللہ اور ان کے دست راست مرزا افضل بیگ کو الجزائر میں وزیر اعظم چو این لائی کے ساتھ ملاقات کرنے کا موردِ الزام ٹھہرایا گیا۔ لندن، پیرس، قاہرہ اور الجزائر میں ان کی تقریروں

اور بیانات کو قابلِ اعتراض گردانا گیا۔

اپنے دورے کے دوران مختلف مقامات پر انھوں نے کہا تھا:

"..... میں اس بات کو واضح کر دینا چاہتا ہوں ایک انسان کو آزادی اور شہریت کے جو بنیادی حقوق حاصل ہیں اور جو انسانی تہذیب و تمدن اور ترقی کے سنگ میل ہیں یہ انہی کے استعمال اور استفادہ کا نتیجہ ہے کہ انسان جہالت کی تاریکیوں سے نکل کر روشنی اور ترقی کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے لیکن بدقسمتی سے کشمیر کے عوام کے لیے ان حقوق کے آزادانہ استعمال پر مہر لگا دی گئی ہے اور اس ریاست کے قوانین، قواعد اور ضوابط جو گورنمنٹ آف انڈیا کے اختیارات سے ماخذ ہیں ان کے متعلق لمبے چوڑے دعوے کیے گئے اور دنیا بھر میں ڈھنڈھورا پیٹا گیا کہ ان بنیادی حقوق کا ہر اعتبار سے احترام کیا جائے گا۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد مبینہ لبرل پالیسی میں ایک خوشگوار فضا پیدا ہوتی گئی لیکن دہلی اور ریاست کے برسر اقتدار افراد نے حقائق سے گریز کرنے کی عادت اور کشمیر کی آزادی کو اپنے لئے قابلِ برداشت تصوّر کرنے والے عناصر کے زیر اثر اپنے ان اصلی ارادوں کو بے نقاب کیا جس کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ انسانی حقوق کے استعمال کو حکمرانوں کی خواہشات اور مرضی کے تابع قرار دیا جائے۔ لیکن ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم اپنے عوام کے لیے حق خودارادیت حاصل کر کے ہی دم لیں گے ہم ریاست میں بھارت کی بالادستی کو کسی بھی صورت میں قبول نہیں کریں گے۔" (لندن)

"..... گزشتہ اٹھارہ سال سے مسلسل عوام کے اس بنیادی حق کو ٹالا جا رہا ہے جو فلسفہ سیاست کے تمام اصول و ضوابط کی بنا پر مسلمہ طور پر ریاست کے لوگوں کا بنیادی حق ہے۔ اس طویل زمانے میں ریاست کے اندر اور ریاست سے باہر حتیٰ کہ بین الاقوامی سطح پر انتہائی شدید سعی و عمل کے ذریعے اس پریشان کن مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کی گئی اور آج

انجمن اقوام عالم میں مسئلہ کشمیر پر دفتری ریکارڈ کے جو بڑے بڑے انبار لگے ہوئے ہیں وہ اپنی وسعت اور حجم کے لحاظ سے باقی تمام مسائل پر لکھی گئی تحریرات کو مات دے رہے ہیں، طوالتوں، تاخیروں اور ٹال مٹول میں الجھائے ہوئے اس پر درد اور تکلیف دہ انسانی مسئلہ نے اس دوران میں بے شمار دوسری خرابیوں اور پیچیدگیوں کو بھی جنم دیا ہے، ہندوستان کے اندر جو رجعت پسند اور انتہا پسند عناصر ہیں وہ اس مسئلہ کی طوالت کے نتیجے میں طاقتور ہوتے جا رہے ہیں جس کے نتیجہ میں برصغیر کے اندر ایک قسم کی جنگی ذہنیت معاندانہ خصومت اور کشیدگی نیز بے اطمینانی کی فضا ایک خطرناک حد تک جا پہنچی ہے۔" (پیرس)

"..... ریاست کے عوام جن پر اس افسوسناک صورت حال کا براہِ راست اور فوری اثر ہے اور جس بے یقینی اور تعطّل کے نشانہ بنائے جا چکے ہیں وہ بدترین مصائب و آلام کا ہدف بنے ہوئے ہیں ان کا دل و دماغ اور ان کی قوت و فکر خوف و ہراس سے مغلوب ہو چکی ہے اور اُن کی نظروں کے سامنے مایوسی کی تاریکیاں بکھری ہوئی ہیں خوف ہراس اور بے یقینی کی اس کشمکش نے جمہوریت کی نشو و نما اور لوگوں کے اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی ترقی کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں باقی چھوڑی، یہ مسئلہ کشمیر کے وجود کا ہی افسوس ناک نتیجہ ہے کہ اس برصغیر کے دو بڑے ملک یعنی ہندوستان اور پاکستان جن کی بہت سی باتیں آپس میں مشترک ہیں عالمی امور میں ایک دوسرے سے جداگانہ اور مختلف طرزِ عمل اختیار کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔" (قاہرہ)

"..... نئی دہلی کے برسرِ اقتدار لوگوں نے مصلحتوں کے پیشِ نظر رائے عامہ کے ذریعے مسئلہ کشمیر کو طے کرنے کے بارے میں عوام سے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر کیے ہوئے قول و قرار سے انکار کیا اور اپنے وعدے

پورا کرنے سے بے اعتنائی برتی، چنانچہ اگست ۱۹۵۳ء میں سلامتی کونسل کے فیصلوں کو بالائے طاق رکھ کر اور لوگوں کے اس حق خود ارادیت سے جس کے لیے انھوں نے سال ہا سال قربانیاں دی تھیں۔ انحراف کیا، اخلاق انسانیت کی قدریں پامال کر کے یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تاکہ ہندوستان کے اندر فرقہ پرست اور رجعت پسند عناصر کی خوشنودی حاصل کی جائے اور اس طرح ترقی پسند اور آزاد خیال عناصر کے ابھرنے اور آگے بڑھنے کے سارے امکانات روک دیئے گئے۔" (الجزائر)

"..... مسئلہ کشمیر کے ساتھ جو بنیادی حقیقت وابستہ ہے وہ ہے اخلاق اور متمدن تصوّرات کے سرچشمے سے پھوٹ کر نکلا ہوا حق یعنی خود ارادیت۔ اگر دنیا میں محض طاقت، اقتدار اور فوج کی کارفرمائی ہی کو آخری حل قرار دیا جائے اور لوگوں کے پیدائشی حق سے انہیں اختیارات اور اقتدار کے بل بوتے پر روگردانی جائز رکھی جائے تو ایک وقت ایسا آئے گا جب جنگ و جدل اور طاقت کے بل بوتے پر ہی انسانی امور طے ہونے لگیں گے۔ اس طرزِ عمل کو دورِ حاضر میں برداشت ہی نہیں کیا جا سکتا جس کا مقصد سب کو نفرت اور تشدّد کی طاقتوں کے قبضے میں دے دینا ہے۔

کشمیر کے عوام کو امن و اطمینان کی زندگی جبھی حاصل ہو گی جب انہیں تسلیم شدہ طریقۂ کار یعنی آزادانہ رائے شماری کے ذریعے اپنے مسلمہ حق یعنی خود ارادیت کے استعمال کا موقع فراہم ہو گا۔ صرف اسی طرح مسئلہ کشمیر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حل ہو کر رہ جائے گا اور تمام متعلقہ فریقوں کے درمیان مفاہمت خیرسگالی اور دوستی کے امکانات روشن ہو سکیں گے۔" (سعودیہ عربیہ)

شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ نے بیرونی ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں خیالات کا برملا اظہار تو کیا لیکن جب کسی بھی جانب سے ان خیالات کی روشنی میں کے ساتھ ہمدردی نہیں جتائی گئی اور نہ ہی کسی نے ان بیانات کی نوٹس لی، حد تو یہ

ہے کہ ملکی اخبارات نے سرسری طور پر انہیں درج تو کیا لیکن ان پر نہ کوئی تبصرہ کیا اور نہ ہی کچھ چرچا ہوا۔ اس صورت حال سے دونوں لیڈر حیران و پریشان ہو گئے۔ ہو سکتا ہے یہ دونوں یہ بھی سوچنے لگے ہوں آج ہماری آواز میں کیا اثر نہیں جو ہماری طرف کوئی اخبار خاص دھیان نہیں دے رہا ہے۔

یہ دونوں لیڈر شاید اُس گڈریے کی کہانی بھول چکے تھے۔ جو بھیڑ اور بکریاں چرانے جنگل جایا کرتا تھا اور وہاں سے گاؤں والوں کو چڑانے کے لیے 'شیر آیا، شیر آیا، پکارتا تھا گاؤں والے اس کی چیخ و پکار پر اس کو بچانے کے لیے فوراً جنگل کی طرف دوڑ پڑتے تو یہ گڈریا ہنس کر ان کا مذاق اُڑایا کرتا تھا۔ ایسا ہی ایک بار نہیں بلکہ کئی بار ہوا۔

ایک روز سچ مچ شیر آ گیا اور گڈریا پھر "شیر آیا، شیر آیا" پکارنے لگا لیکن کسی نے بھی اس کی آواز پر دھیان نہیں دیا۔ نتیجہ کے طور پر شیر نے نہ صرف اس کا خون چوس لیا بلکہ اس کی بوٹیاں بھی چبا لیں۔

شیخ ۱۹۴۸ء میں اسی طرح کشمیری عوام کی آزادی اور حق خود ارادیت کے لیے چلایا تو دیگر ممالک کے ساتھ انجمن اقوام متحدہ نے مداخلت کر کے اپنے نمائندے بھیجے، شیخ صاحب نے یہاں ان کا جو مذاق اڑایا وہ اس گڈریے سے ہرگز کم نہیں۔

۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۵۳ء تک جو بھی مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے یہاں آیا اس کو ناکام و نامراد واپس لوٹانے میں شیخ عبداللہ نے جو بھی رول ادا کیا اس کو کون بھول سکتا۔ وہ جانتے تھے، شیخ صاحب آج جس حق خود ارادیت اور رائے شماری کا واویلا کر رہے ہیں۔ اس کے یہی کٹر دشمن رہے ہیں، انجمن اقوام متحدہ کے در و دیوار گواہ ہیں وہ رائے شماری اور حقِ خود ارادیت کے زبردست مخالف تھے۔

یہ شیخ عبداللہ ہی تھے جنہوں نے کشمیری عوام کی "حق خود ارادیت" چوری کر کے بھارت کو فروخت کی۔ اب یہی شخص "حق خود ارادیت" کھونے کی رپورٹ لکھوانے تھانے میں جاتا ہے۔

بیرونی دنیا میں جا کر شیخ عبداللہ نے بھارت کے خلاف جو کچھ بھی کہا اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی نظر میں بھارت ایک ظالم و جابر ہی نہیں غاصب بھی ہے۔ لیکن پوچھا جا سکتا ہے۔ جیل سے چھوٹ کر جب آپ دہلی وزیراعظم سے ملنے گئے تب اسی بھارت

کے بارے میں یہ کیوں کہا گیا۔

"بھارت کے ساتھ ہمارا کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے، مسئلہ کشمیر طے شدہ ہے۔ ہم اپنے بارے میں بھارت سے باہر کچھ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

دُنیا والے ان حالات سے ہرگز غافل نہیں تھے۔ اسی لیے وہ ان کی چیخ و پکار کو مجذوب کی بڑ سے تعبیر کرنے لگے۔

شیخ عبداللہ نے حج بیت اللہ کی واپسی پر مرکزی سرکار کی اس حرکت پر رائے زنی کرتے ہوئے فرمایا:

"جب ہم نے ہندوستان کی طرف رُخ کیا تو حکومت یہ طے نہ کر سکی تھی کہ کیا کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ کشمیر سے مولانا محمد سعید مسعودی ہم کو سندیش بھیج رہے تھے کہ آپ کا وطن واپس آنے کے بجائے باہر رہنا ٹھیک رہے گا۔ مولوی صاحب شاید ہمیں منظر سے ہٹا کر اپنی قیادت کا بُجھا ہوا چراغ جلانا چاہتے تھے کیوں کہ ہمارے ہوتے ہوئے ان کی دال نہیں گلتی تھی۔"

مولانا مسعودی نے شیخ صاحب کے ان خیالات کو جھٹلا کر اسے ان کی دماغی اختراع قرار دے کر اس دلیل کو مسترد کر دیا۔

شیخ صاحب نے اس واقعہ کے بارے میں اپنی کتاب "آتشِ چنار" میں بتایا ہے:

"اُدھر ہمیں ہندوستانی سفارت خانے کی طرف سے بتایا گیا کہ اگر ہم فوری طور پر دورہ ادھورا چھوڑ کر واپس نہ لوٹے تو ہمارا پاسپورٹ منسوخ کر دیا جائے گا اور ہمارے سفر کی دستاویزات کی توسیع بھی نہیں کی جائے گی۔ بہر حال ہم نے بھارت واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔

ہندوستان میں ہمارے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت مہم چلائی جا رہی تھی۔ کشمیر میں محاذ رائے شماری کے خلاف پولیس ایکشن شروع ہو گیا تھا۔ حج پر روانہ ہونے سے پہلے میں نے عوام سے کہا تھا کہ وہ اُن کالی بھیڑوں سے جو قوم کے جسم سے جونکوں کی طرح چمٹی ہوتی ہیں اور اس کا خون پی پی کر موٹی ہو رہی ہیں کوئی واسطہ نہ رکھیں اور ان کے ساتھ ترک

تعلقات کر کے ان کو اخلاقی اثر میں لانے کی کوشش کریں تاکہ انھیں احساس ہو کہ وہ اپنے پانچویں کالم جیسی سرگرمیوں سے کس طرح قومی مفادات کو زک پہنچا رہے ہیں، چنانچہ لوگوں نے اس پر عمل کیا تو ان کالی بھیڑوں کی حالت قابلِ رحم بن گئی، ان کو حجامت بنوانے کے لیے نائی نہ ملتا تھا اور وہ مر جاتے تو ان کو اگرچہ مشکل سے قبرستان تک مردہ پہنچانے کے لیے چند آدمی بھی میسر ہو جاتے پھر بھی ان کے جنازے میں کوئی شامل نہیں ہوتا تھا، اس طرح یہ بات دنیا کے سامنے آگئی کہ قوم کے بڑے دھارے سے ہٹ کر یہ لوگ کتنے بے توقیر بن گئے۔

یہ لڑائی گھروں کی چار دیواریوں میں بھی پہنچ گئی کیوں کہ قومی جذبے سے معمور کئی باعزت دخترانِ کشمیر نے اپنے بے ننگ و ناموس شوہروں کے ساتھ گزر بسر سے بھی انکار کیا اور اپنے مائیکے چلی گئیں، گندے نالے کے کیڑوں کی یہ درگت دیکھ کر دلّی میں اس تحریک سے ہذیان کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

یہ تحریک مہاتما گاندھی کے عدم تشدد اور ترک موالات کے اصولوں کے عین مطابق تھی اور اس میں تشدد کا کوئی دخل نہ تھا لیکن دہلی میں سادھو سماج کے بڑے مہنت گلزاری لال نندہ جیسے لوگ بیٹھے تھے انہیں بھلا گاندھی واد سے کیا دلچسپی تھی وہ صرف طاقت کی زبان سے واقف تھے، چنانچہ محاذ کے کارکنوں کے خلاف بڑے پیمانے پر کاروائی شروع کر دی گئی اور کوئی دو ہزار نفوس کو کال کوٹھریوں میں دھکیل دیا گیا۔"

شیخ عبداللہ نے اپنی اس تحریک کے ساتھ مہاتما گاندھی کی تحریک کو جوڑ کر جو پہاڑ جیسی غلطی کی یہ اُس مہان شخصیت، اُس نڈر بیباک، جرأت مند اور سب سے بڑھ کر اُس ایماندار باضمیر اور غیرت مند کی توہین کے مترادف ہے جس نے عدم تشدد اپنا کر انگریزوں سے ٹکر لی اور ان کے چھکے چھڑا دیئے۔

مہاتما گاندھی کا ایمان پختہ تھا اور اُن کے اصول میں کوئی کھوٹ نہیں تھی لہٰذا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے، چونکہ آپ اس کے برعکس تھے اس لئے ناکام رہے۔

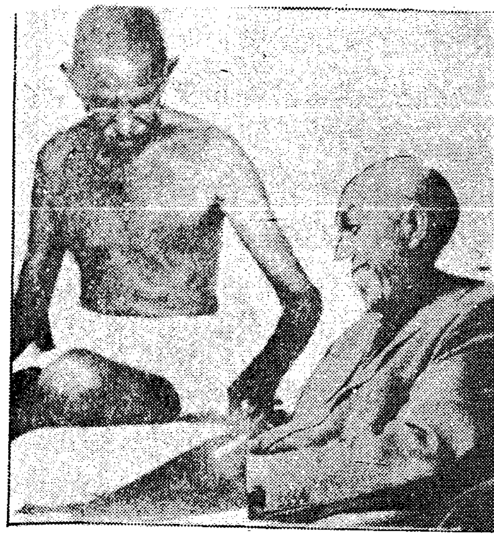
مہاتما گاندھی نے عدم تشدد کا پرچار کر کے انگریزوں کے ساتھ ترکِ موالات ضرور کیا لیکن اُن کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کیا، جبکہ آپ نے کانگریسیوں کو سیاہ بھیڑ گندے نالے کے کیڑے اور نہ جانے کیا کیا کہا۔ لیکن اقتدار کی خاطر انہی کالی بھیڑوں اور گندے نالے کے کیڑوں کو گلے لگایا اور سر آنکھوں پر رکھا۔

اقتدار سے باہر رہ کر وہ کونسی بُرائی تھی جو آپ کو کانگریسیوں میں نظر نہیں آ رہی تھی اقتدار حاصل کرنے کے بعد وہ کونسی اچھائی تھی جو ان کانگریسیوں میں آپ کو نظر نہ آئی، آپ نے کانگریسیوں کو کالی بھیڑیں اور گندے نالے کے کیڑے کہا تو آپ کو اوٹا کمنڈ کے پُرفضا مقام پر لے جا کر عالیشان کوٹھی میں رکھا گیا۔ لیکن ترکِ موالات کی پاداش میں کشمیری عوام کے ساتھ کیا کچھ گزرا، اس کو آپ نے اس وقت لمحہ بھر کے لیے بھی یاد نہیں کیا جب آپ نے اقتدار کی خاطر کانگریس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔

آپ اس سے ہرگز بے خبر نہیں تھے آپ کے ترکِ موالات کا اعلان کرنے سے لیکر اوٹا کمنڈ میں قیام پذیر ہونے تک وادیٔ کشمیر میں سرکار کے ساتھ برسرِ پیکار ہونے سے ۶ آدمی جاں بحق ۲۲۴ زخمی اور ۸۱۳ ڈیفینس آف انڈیا رولز کے تحت مختلف جیلوں میں سزا کاٹ رہے تھے۔

مہاتما گاندھی کے پیروکار اور ان کے نام لیوا زمین اور آسمان کے فرق کے ساتھ بہت اونچے اور بہت نیچے کا اعادہ کیے ہوئے تھے۔

●●



(شیخ عبداللہ اور مہاتما گاندھی)

مہاتما گاندھی انگریزوں کو ہندوستان سے اُن کا بستر گول اس لیے کرا سکے کیونکہ قوم کے تئیں ان کی نیت صاف تھی، ان کے پاس ایمان تھا ضمیر تھا، غیرت تھی اور اصول تھا، وہ پختہ ارادے کے مالک تھے اُن کے دل میں جو بات تھی وہی زبان پر بھی تھی مہاتما گاندھی ہر دس قدم کے بعد اپنا بیان بدلنے والوں میں نہیں تھے سب سے بڑی خوبی یہ ان میں تھی کہ انھیں اقتدار کا کوئی لالچ نہیں تھا۔ اقتدار کے لیے قوم کو دھوکہ دینے کا ان کے پاس سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

مہاتما گاندھی دنیا کی وہ عظیم شخصیت تھے جنھوں نے قوم پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا، وہ ایک امیرزادے تھے، اچھے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن جب وہ اس دُنیا سے چلے گئے تو ان کے جسم پر سالم کپڑے بھی نہ تھے۔ ان کے مقابلے میں جب ہمارے شیخ محمد عبداللہ تحریک میں اُترگئے تو ان کے پاس سالم کپڑے نہیں تھے، اور آپ روٹی کو چائے یا پانی کے ساتھ کھاکر گزارہ کیا کرتے تھے۔

جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کروڑوں کی جائیداد کے مالک تھے۔

مہاتما گاندھی نے ایکبار فیصلہ کر لیا کہ ہندوستان سے انگریزوں کو نکلنا ہے اور یہ سرزمین جس پر انھوں نے ناجائز قبضہ کر لیا ہے اسے خالی کر دینا ہے۔ وہ اس فیصلہ کو اپنا ایک اصول مان کر اس پر ڈٹے رہے۔

شیخ صاحب نے کشمیر کو آزادی، حق خود ارادیت اور رائے شماری دلانا اپنا اصول ہی نہیں بلکہ ایمان بھی بنایا، لیکن اس اصول اور ایمان کا جو حشر ہوا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

جس کو خلوص سمجھے ہوئے تھے وہ کیا ہوا
کتنا یقین تھا تمہیں کہ دھوکہ نہ کھاؤ گے

وادئ کشمیر میں مجاہدین کی آمد
مقامی لیڈروں کا رول

مسئلہ کشمیر کو مغربی ایشیا اور افریقہ میں اُبھارنے اور اس مسئلے کو نئے سرے سے متعارف کرانے کے بعد مرکزی سرکار کی طرف سے شیخ عبداللہ کی گرفتاری اور جلاوطنی سے وادی بھر کے لوگ مشتعل ہو گئے اور بھارت کے خلاف مظاہرے کرنے کے لیے وہ سڑکوں پر نکل آئے۔ سرینگر کے علاوہ قصبہ جات میں بھارت کی اس نئی حرکت کے خلاف اظہار ناراضگی کے طور پر لوگ حسب روایت ریاستی حکومت کے ساتھ ٹکراؤ کا راستہ اختیار کر گئے۔ ان فسادات میں کئی لوگ مارے گئے۔ سیکڑوں کی تعداد میں لوگ ڈی، آئی، آر۔ کے تحت گرفتار کر لیے گئے۔ بے شمار لوگ پولیس کے ساتھ تصادم کے دوران زخمی ہوئے۔



وادئ کشمیر کی اس شورش نے پاکستانی حکمرانوں کو ایک حوصلہ عطا کیا، بیرون ملک میں شیخ عبداللہ کی بھارت مخالف تقریریں اور اُن کی جلاوطنی کے ساتھ نظربندی نے پاکستان کو مسئلہ کشمیر میں اپنی ٹانگ اڑانے کا موقع فراہم کیا کشمیر کی اس شورش میں جلتی

پر نیل کا انتظام کرنے کے لیے پاکستانی حکمران آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے۔

خان عبدالقیوم خاں اور سر ظفر اللہ خاں نے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کو کشمیر میں مسلح مداخلت کرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ ذوالفقار علی بھٹو صدر ایوب خاں سے اس کی اجازت حاصل کرنے لگے۔

جنرل ایوب خاں نے اس سلسلے میں سینئر فوجی افسران سے مشورہ کیا تو نور خاں نے اس کی مخالفت کی جبکہ اصغر خاں اس کے لیے نیم رضامند تھے، چونکہ اکثر فوجی جنرلوں کی رائے فوجی مداخلت کے خلاف تھی اس لیے صدر ایوب خاں کے انکار سے ذوالفقار علی بھٹو کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا البتہ انھوں نے مکمل طور پر اپنی ہار تسلیم نہیں کی، اس مسئلے پر مسلسل مشورہ کرنے کے بعد کشمیر میں مجاہدین کو بھیجنے کا فیصلہ کر لیا گیا تاکہ وہ کشمیریوں سے مل کر کشمیری بن کر مسلح بغاوت کر سکیں۔

مجاہدین کو کشمیر بھیجنے سے قبل پاکستانی آرمی کے کئی ریٹائرڈ آفیسر یہاں حالات کا مشاہدہ کرنے کے لیے آ گئے ان میں بیشتر آفیسر کشمیر کے مختلف علاقوں سے ہی تعلق رکھتے تھے۔

۱۲ر جون ۱۹۶۵ء کو دو ملٹری آفیسروں نے سرینگر آ کر محاذ رائے شماری، عوامی ایکشن کمیٹی اور پولٹیکل کانفرنس کے لیڈروں نے منشی اسحٰق (محاذ) کے گھر میں ایک خفیہ میٹنگ کی، اس میٹنگ میں مقامی لیڈروں کو اپنے پلان کے بارے میں جانکاری دینے کے لیے صوبیدار میجر صادق علی اور کرنل مشتاق احمد نے انہیں چار لاکھ روپے دیئے تاکہ یہ کچھ سامانِ حرب خریدیں۔ نیز مقامی لوگوں کو دور دراز گاؤں اور قصبوں سے لانے کے لیے ایک سو بسوں کا انتظام کر سکیں۔

مقامی لیڈروں کی تجویز پر مزید دو لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا گیا۔

۱۶ر جون سے متواتر دو دو چار چار کی ٹولی میں مسلح مجاہدین وادی میں آنے شروع ہو گئے، جن کو یہاں مختلف جگہوں پر پوشیدہ رکھا گیا

پروگرام کے مطابق ۱۳ر جولائی ۱۹۶۵ء ــــــ کو یوم شہداء کے موقع پر مزار شہداء سے جلوس نکلنا تھا جس میں مسلح درانداز امیراکدل پہنچ کر اپنی کاروائی شروع کرتے۔ اس دن ۱۳ر جولائی کی جو تقریب مزار شہداء پر منائی جا رہی تھی اور جو تقریریں ہو رہی تھیں اس کو سننے والوں میں کوئی ڈیڑھ سو درانداز بھی شامل تھے۔

عین موقع پر مولوی فاروق نے جلوس امیراکدل کی طرف لے جانے سے منع کیا اور اس طرح سارا پلان ٹھپ ہو کر رہ گیا۔

اس روز شام کو میر واعظ منزل میں مولوی فاروق، منشی اسحٰق اور محی الدین قرہ کے ساتھ صوبیدار میجر صادق علی اور کرنل مشتاق احمد کے درمیان تو تو میں میں کے بعد سر پھٹول بھی ہوئی۔ جلوس کو امیراکدل نہ لیجانے کا ایک دوسرے پر الزام اور جوابی الزام کے بعد آخر طے پایا کہ یہ کاروائی اب ۹ر اگست ۱۹۶۵ء کو کی جائے گی۔

پہلی اگست سے مزید دراندازوں نے آ کر جنگلوں اور پہاڑی دروں میں قیام شروع کیا، ۸ر اگست کی رات کو انہیں سرینگر پہنچنا تھا اور ٹھیک ۹ر اگست کے روز بھارت کے خلاف مسلح بغاوت کا آغاز ہو جاتا۔

پلان کے مطابق اس روز خانیار سے ایک بہت بڑا جلوس نکالا جاتا، اس جلوس میں دیہات اور قصبہ جات سے لوگ لا کر شامل کیے جاتے، بسوں میں مقامی لوگوں کے ساتھ درانداز بھی ہوتے۔ جلوس کی روانگی کے ساتھ ہی "کشمیر چھوڑدو" کے نعرے دیے جاتے۔

سرینگر میں جو مجاہدین پہلے ہی پہنچ چکے تھے وہ مختلف جگہوں پر مورچے سنبھالے ہوئے تھے، بیک وقت ان کا ٹارگیٹ سرینگر ایئرپورٹ، ٹٹو گراؤنڈ فوجی کیمپ، پولیس اسٹیشن کوٹھی باغ اور مائسمہ تھانہ تھا۔

اسے کشمیریوں کی طرف سے مسلح بغاوت کا نام دیا جانا تھا تاکہ اقوام متحدہ یہاں اپنی فوجیں بھیجنے پر آمادہ ہو جائے۔

بھارت کے خلاف مسلح بغاوت کے لحاظ سے یہ ایسا پلان تھا جس میں ریاست جموں وکشمیر کے وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق کو اعتماد میں لیا گیا تھا۔ انہیں نہ صرف مجاہدین کی آمد کا علم تھا بلکہ وہ اُن کے پلان سے بھی کماحقہ واقف تھے۔

صادق صاحب نے ایک نجی گفتگو کے دوران اگرچہ اس پلان میں شامل ہونے سے انکار کیا لیکن ان ایام میں ان کی کوٹھی پر جو دو پاکستانی آرمی آفیسر قیام پذیر تھے اور جن میں سے ایک آفیسر نے وومنز کالج کی پروفیسر زینب کو اپنے ساتھ مظفرآباد لیا۔ ان سے وہ انکار نہیں کر سکے۔

اگر مجاہدین کا پلان کامیاب ہو جاتا تو صادق صاحب ان کی (جنہیں کشمیری مجاہدین کا نام

دیا جاتا) ان کے خلاف کارروائی کرنیکے بجائے انھیں اپنا تعاون بھی دیتے۔

مجاہدین کی آمد کا راز قبل از وقت افشا ہونے سے سارا پلان فیل ہو گیا۔

علاقہ گلمرگ میں دراندازوں کے ایک گروہ پر ایک گوجر کی نظر پڑی۔ دراندازوں نے اس گوجر کو اپنے اعتماد میں لے کر اسے سرینگر روانہ کیا تاکہ وہ ان کے لیے وہاں سے ایک سو ٹوپیاں لے آئے جو عام طور پر وادی میں دیہاتی لوگ پہنتے ہیں۔ سیکڑوں روپے لے کر جب یہ گوجر سرینگر آیا تو اس نے دراندازوں کے آنے کا راز افشا کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان سے تخریب کاروں کی آمد کا چرچا ہو گیا۔

اس کے باوجود بھی وہ درانداز جو سرینگر پہنچ چکے تھے، اپنی کارروائی کے لیے بالکل تیار کھڑے تھے، لیکن مولانا مسعودی اور مولوی فاروق کے کنارہ کش ہونے اور اگلے روز خانیار سے جلوس نکالنے کو ملتوی کرنے کے اور منع کرنے کے اعلان سے مجاہدین نہ صرف بے دست و پا ہو گئے بلکہ ان میں سے کئی لوگ گرفتار ہو گئے۔

جو لوگ سرینگر میں مجاہدین کو کئی کئی دنوں سے پناہ میں رکھے ہوئے تھے، گلمرگ میں ان کا افشا ہوتے ہی انہیں گھروں سے نکال دیا گیا۔ کتنے لوگوں نے انعام کے لالچ میں مہمانوں کو پکڑوانے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا۔

بیشتر مجاہدین کو بچانے اور سرینگر سے بھگانے میں صادق صاحب نے اہم رول ادا کیا البتہ ٹٹو گراؤنڈ فوجی کیمپ پر مسلح حملہ کرنے والے درانداز جو بٹہ مالنہ میں کئی مکانوں میں مقیم تھے ان مکانوں میں آگ لگانے کے فیصلے کو صادق صاحب رُکوا نہ سکے۔ کیونکہ اس دوران فوج نے سارے شہر کا کنٹرول خود سنبھال لیا تھا۔


(مولوی فاروق)


(مولانا مسعودی)

۹ اگست کو خانیار سے جو عظیم الشان جلوس نکلنے والا تھا اس کے بارے میں پوری تیاریاں ہونے کے باوجود جب مولانا مسعودی اور مولوی فاروق نے ۸ اگست کو ہی کسی بھی قسم کے جلسے اور جلوس کی ممانعت کی، سارے شہر میں جب یہ اعلان کرایا گیا تو ان دونوں لیڈروں کی اس حرکت سے بیزار ہو کر محاذِ رائے شماری کے قائمقام صدر منشی محمد اسحاق نے


(منشی محمد اسحٰق)

بطور احتجاج تنظیم سے استعفیٰ دیدیا اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ البتہ بعد میں یہ فیصلہ واپس لینے کے لیے پارٹی نے انہیں مجبور کیا۔

منشی اسحاق نے وادی کے ان دو لیڈروں پر عین موقع پر قوم کے کاز کے ساتھ غدّاری کرنے کا الزام لگایا۔ کچھ بھی ہو نادانستہ طور پر انھوں نے شہر سرینگر کو ایک بڑے خون خرابے سے بچا لیا

۹ اگست کے اس پلان کی چونکہ تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ لہذا اس روز ریڈیو پاکستان اور آزاد کشمیر ریڈیو نے اپنے اپنے نشریے میں کشمیر کی اس نئی صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ دونوں نے اعلان کیا کہ کشمیری عوام نے بھارت کے خلاف مسلح بغاوت کی ہے اور وہاں ایک انقلابی کونسل کا قیام عمل میں آگیا ہے۔

اس انقلابی کونسل نے اپنا ریڈیو اسٹیشن "صدائے کشمیر" کے نام سے شروع کیا ہے۔ "صدائے کشمیر" ریڈیو نے نہ صرف کشمیر کو بلکہ بھارت کے ساتھ ساری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرایا، اس کی نشریات نے جنگ میں بگل بجانے کا کام کیا۔

۵ اگست ۱۹۶۵ء کو حکومت ہند نے اعلان کیا کہ پاکستان میں ہتھیاروں سے لیس ہو کر تخریب کاروں کے دو تربیت یافتہ قافلے کشمیر میں دراندازی کر چکے ہیں اور ایک اچھی خاصی دراندازی شروع ہو چکی ہے، چند دنوں سے جنگ بندی لائن کے ساتھ ساتھ پاکستانی مسلح افواج کی گولہ باری جاری ہے۔

کشمیر میں پاکستان کی طرف سے مسلح بغاوت کے انکشاف نے بھارتی حکمرانوں کو یقیناً ششدر کر دیا اور وہ پاکستان سے اس حرکت کا بدلہ لینے اور آئندہ اس قسم کی حرکت کرنے سے روکنے کے لیے اسے ایسا سبق دینے کے بارے میں صلاح مشورہ کرنے لگے۔

بھارت کی طرف سے لاہور پر حملہ ہونے سے پندرہ روز قبل بریگیڈیر ریاض نے جنرل ایوب خاں کو مطلع کر دیا کہ بھارت کی طرف سے پاکستان پر حملہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں مگر عزیز احمد نے جو وزارت خارجہ کے سکریٹری تھے اور ذوالفقار علی بھٹو کے براہِ راست ماتحت تھے بڑی شدت سے بریگیڈیر ریاض کی رائے کی مخالفت کی اور کہا۔

"امریکہ نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ بھارت بین الاقوامی سرحد کو نہیں چھیڑیگا۔"

یکم ستمبر کو بریگیڈیر ریاض نے ہیڈ کوارٹر کو مفصّل رپورٹ بھیجدی کہ حملہ ہونے والا ہے، لیکن بقول اُن کے مجھ پر کسی نے اعتبار نہیں کیا۔

چند روز کے بعد بریگیڈیر ریاض جنرل موسیٰ سے ملے اور ان کو بتایا کہ حملہ ہونے والا ہے۔ اس وقت رانا بختیار جو لاہور زون کے کور کمانڈر تھے، وہاں موجود تھے ان سے بھی تاکید کی گئی کہ وہ امریکہ کی یقین دہانیوں پر اعتبار نہ کریں بلکہ فوری دفاعی اہتمام کریں۔

اس کے بعد ۳ ستمبر کو ریاض نے ان کے کمانڈروں کو اپنے طور سے اطلاع بھیجدی جس میں مفصّل طور پر درج تھا کہ کس کمانڈر کے مقابلے کونسا بھارتی کمانڈر ہے، یونٹ کونسا ہے آلات حرب کیا ہے اور کتنا ہے اور بھارتی کمانڈروں کی حکمتِ عملی کیا ہے۔ انکی بہادری کی کیا حیثیت ہے (یہ ساری اطلاعات خفیہ طور پر بھارتی فوج سے ہی حاصل کرلی گئی تھیں)

امریکہ جہاں پاکستانی حکمرانوں کو یقین دلارہا تھا کہ بھارت بین الاقوامی سرحد کے ساتھ چھیڑخانی نہیں کرے گا وہاں پاکستان میں مقیم ان کا سفارتی عملہ اپنی رہائش گاہوں اور سفارتخانے کے احاطے میں خندقیں یکم ستمبر سے ہی کھود رہا تھا۔

چنانچہ ۶ ستمبر کو جب لاہور پر حملہ کی اطّلاع پاکستانی حکمرانوں کو مل گئی تو امریکہ پر ان کا اعتماد ایک طرح سے اُٹھ گیا۔

پاکستانی حکمرانوں نے "رن کچھ" کے بارے میں امریکہ کی پہلے ہی چال جان لی تھی۔ میاں امیرالدین نے اپنی کتاب "یادِ ایّام" میں لکھا ہے:

"'رن کچھ' کے محاذ پر جب پاکستانی آرمی نے بھارتی فوجوں کو گھیرے میں لے لیا تو جنرل ایّوب خاں کو بتایا گیا امریکہ پاکستان کے وجود کے لیے ایک خطرناک رول ادا کر رہا ہے۔ رن کچھ کے واقعہ کے دوران امریکہ اور برطانیہ نے جو رویّہ اختیار کیا اس سے پاکستانی حکمرانوں کا یہ خدشہ صحیح ثابت ہوگیا"

رن کچھ کی جھڑپوں میں بھارت کا آرمڈ ڈویژن پاکستانی فوج نے گھیرے میں لے لیا تو جنرل ایّوب خاں کو بتایا گیا کہ امریکہ پاکستان کے وجود کے لیے ایک خطرناک رول ادا کر رہا ہے رن کچھ کے واقعہ کے دوران امریکہ اور برطانیہ نے جو رویہ اختیار کیا اس سے پاکستانی حکمرانوں کا یہ خدشہ صحیح ثابت ہوا۔ رن کچھ کی جھڑپوں میں بھارت کا آرمڈ گھیرے میں آگیا تھا اور بھارت نے دھمکی دی تھی کہ لاہور پر حملہ کر دیا جائے گا۔

امریکہ نے بظاہر بھارت کو دھمکی دی کہ خبردار جو لاہور پر حملہ کیا، اس طرح امریکہ نے ایوب خاں کا اعتماد حاصل کر لیا اور ایوب خاں سے بھارتی آرمڈ فورسز کا گھیراؤ چھوڑنے کا حکم جاری کرایا۔ اس طرح امریکہ نے زبانی ہمدردی پاکستان کے ساتھ کی، عملاً بھارت کو ذلت سے بچالیا یہی نہیں بلکہ اسی زبانی ہمدردی کے پیدا کردہ اعتماد کی بدولت پاکستان کو ستمبر کی جنگ میں دھوکہ دیا کہ بھارت لاہور پر حملہ نہیں کرے گا اور اس طرح پاکستان کو غفلت کے عالم میں بھارتی حملے کا ہدف بنادیا۔

حالانکہ امریکہ نے کھلّم کھُلّا کہا تھا اگر بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو ہم پاکستان کی مدد کریں گے۔

'رن کچھ' کے واقعہ کے بعد پاکستان کے افق پر جنگ کے بادل بدستور منڈلاتے رہے اور پاکستان کو امریکہ کی طرف سے مدد کی تسلیاں دی جارہی تھیں۔ کشمیر میں مجاہدوں کے داخلے کے دوران جب لال بہادر شاستری پاکستان کو دھمکیاں دے رہے تھے کہ بھارت جنگ میں ایک سے زیادہ محاذ کھولے گا اور اپنی پسند کے محاذ کھولے گا، امریکہ نے پاکستان سے کہا تھا کہ کشمیر پر قبضہ کر لیا جائے۔ بھارت بین الاقوامی سرحد کو نہیں چھیڑے گا اور نہ ہی کسی کو اس سرحد کے ساتھ چھیڑخانی کرنے دیا جائے گا۔ لیکن اس سرحد کا جو حشر ہوا وہ امریکہ خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔"

لاہور پر حملہ کے ساتھ ہی کئی محاذوں پر دونوں طرف جم کر لڑائی ہوئی۔ طرفین کا بے شمار جانی و مالی نقصان ہوا۔

محاذِ جنگ پر دونوں طرف اپنی اپنی کامیابی کے دعوے ہو رہے تھے۔ البتہ لاہور پر قبضہ کا پلان پاکستان آرمی کے ساتھ یہاں کے مقامی لوگوں نے ناکام بنادیا۔

سلامتی کونسل نے ہنگامی اجلاس بُلایا، پاکستان کی طرف سے ذوالفقار علی بھٹو اور ہندوستان کی طرف سے کریم بھائی چھاگلہ، سلامتی کونسل کے ہنگامی اجلاس میں شرکت کے لیے نیویارک روانہ ہوگئے۔

۱۱ ستمبر کو وزیر خارجہ کریم بھائی چھاگلہ نے غیرمشروط طور پر جنگ بندی کی پیشکش

کردی، لیکن ذوالفقار علی بھٹو نے اس کے بارے میں اپنے ملک کی طرف سے کوئی سجھاؤ نہیں دیا۔ دراصل وہ صدر ایوب خاں کی رائے کا انتظار کر رہے تھے اور امریکہ کے ساتھ برطانیہ صدر ایوب کو جنگ بندی کے لیے آمادہ کر رہے تھے۔

ادھر صدر ایوب خاں پر کابینہ کے ارکان کی طرف سے دباؤ بڑھ رہا تھا کہ وہ چند روز تک جنگ بندی کو قبول نہ کریں کیونکہ ان کے خیال کے مطابق ہندوستان اس جنگ میں حوصلہ ہار چکا تھا۔ لہٰذا اس وقت جنگ بندی پر راضی ہونا پاکستان کے لیے Slow Death ہوگا۔ صدر ایوب نے اپنی کابینہ کے ارکان کے ساتھ اپوزیشن کو بھی یقین دلایا کہ میں بھٹو صاحب کا انتظار کر رہا ہوں جو یو، این، او گئے ہوئے ہیں۔

سیکورٹی کونسل بھارت اور پاکستان کی جنگ بند کرانے کے لیے اجلاس منعقد کر رہی ہے، کہنے کو تو انھوں نے یہ سب کہدیا، لیکن اسی دوران جنگ بندی کو تسلیم کر لیا۔

وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ ساری اپوزیشن اور کابینہ کے ارکان صدر ایوب خاں کے اس فیصلے سے ناراض ہو گئے، بعد میں یہی ناراضگی ان کے زوال کا باعث بن گئی۔

اس جنگ نے ساری دنیا کو متاثر کر دیا تھا۔ پاکستان کے حامی اسلامی ممالک اس میں دلچسپی لینے لگے۔ انجمن اقوام متحدہ میں زبردست سرگرمیاں شروع ہو گئیں اور دونوں بڑی طاقتیں امریکہ اور روس بظاہر قیام امن پر زور دینے لگے۔ لیکن بہ باطن دونوں ایک دوسرے کی پیٹھ ٹھونک رہے تھے۔

سلامتی کونسل کی کئی قراردادیں ہندوستان اور پاکستان سے کہا گیا کہ وہ تین روز کے اندر اندر یعنی ۲۲ ستمبر تک جنگ بندی کر کے ۵ اگست کی پوزیشن پر واپس جائیں سیکورٹی کونسل کی قرارداد کی منظوری کے بعد ۲۳ ستمبر کو ایک مہینے کے بعد ہند و پاک کے درمیان گرجنے والی توپیں خاموش ہو گئیں اور بمباری سے خون آگ اور دھواں پھیلانے والے جہاز رک گئے۔

اس جنگ نے بھارت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا انکے دعوے غلط ثابت ہوئے پاکستان کو زیر کرنا جتنا وہ آسان سمجھا تھا اتنا آسان نہیں تھا، اس احساس نے اُسے مستقبل کے لیے چوکنّا کر دیا اور وہ اپنی ساری توجہ فوج اور سامانِ حرب کی طرف لگانے لگا۔ اس کے مقابلے میں پاکستان خوش فہمیوں میں مبتلا رہا اور اگلی بار جنگ نے اس کا سارا طلسم توڑ کے رکھ دیا۔ ●●



صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خاں

روسی صدر کی دعوت پر بات چیت کے لیے تاشقند میں



وزیراعظم ہند لال بہادر شاستری

پاک بھارت جنگ کے خاتمے پر مسئلہ کشمیر پر بات چیت کے دوران تاشقند میں

اُن کا انتقال ہوا

دائرے میں ذات کے ہوگا اگر یوں ہی اسیر
ایک دن یہ آدمی بے دست و پا ہو جائے گا

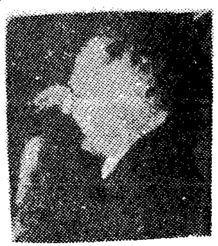
مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے روس کی مداخلت

تاشقند معاہدہ

کشمیر کے بارے میں پاکستانی موقف کی چین کی حمایت نہ صرف سوویت روس بلکہ دیگر مغربی ممالک کو بھی کھٹکتی تھی، اس لیے ان کی یہی کوشش تھی کہ پاکستان کو چین کے دائرے سے نکالا جائے یا چین کا اثر و رسوخ کم کیا جاسکے۔

بھارت اور پاکستان کے درمیان سترہ روزہ جنگ کے دوران وزیراعظم روس مسٹر کوسی گن نے صدر پاکستان جنرل ایوب خاں اور وزیراعظم ہند لال بہادر شاستری کے نام اپنے ایک خط میں دونوں سربراہوں کو دعوت دی کہ وہ کشمیر اور دوسرے باہمی تنازعات کو جنگ کے ذریعے حل کرنے کے بجائے باہمی گفت و شنید سے حل کرنے کی کوشش کریں۔

۱۷ ستمبر کو مسٹر کوسی گن نے دونوں ممالک کے سربراہوں کو ایک اور خط میں اپنی پیشکش کو دہرایا اور کہا دونوں سربراہ تاشقند کے مقام پر ملاقات کریں اور اگر فریقین رضامند ہوں تو سوویت روس کے وزیراعظم بھی بات چیت میں شریک ہو سکتے ہیں۔



(کوسی گن)

روسی وزیراعظم مسٹر کوسی گن نے بھارت اور پاکستان کے سربراہوں کے لیے تاشقند کے مقام پر ملاقات کی تجویز پیش کی تو امریکہ اور برطانیہ دونوں نے اس کی حمایت کی اور امریکی صدر جانسن نے تو اس کی کامیابی کی پیش گوئی بھی کر دی دونوں سربراہوں کو تاشقند جانے سے قبل امریکہ آنے کے لیے کہا گیا۔ امریکی محکمہ خارجہ کے پریس آفیسر مسٹر میکلوسکی نے کہا کہ

امریکی حکومت کو امید ہے کہ تاشقند کانفرنس کامیاب ثابت ہوگی۔

صدر جانسن کے نمائندہ خاص مسٹر ایورل ہیری مین جنہوں نے ۱۹۶۲ء میں بھٹو اور سورن سنگھ ملاقات کا آغاز اور اس کی نگرانی کی تھی، پشاور میں صدر ایوب سے ملاقات کی۔ پشاور کی اس ملاقات کے دوران ان کے ساتھ امریکہ کے سفیر والٹر پی میکانی بھی تھے۔

صدر ایوب خاں نے روسی وزیر اعظم کوسی گن کی دعوت قبول کر کے تاشقند جانا مان لیا تو پاکستان میں بعض سیاسی حلقے جنرل ایوب خاں سے روسی وزیر اعظم کی دعوت قبول کرنے پر ناراض ہوگئے، یہ حلقے سمجھ رہے تھے جس سویت روس نے بھارت کی حمایت میں سلامتی کونسل میں ویٹو پاور استعمال کیا اس روس سے کسی قسم کی توقع رکھنا عبث ہے۔ خاص طور پر ان حالات میں جبکہ رڑکی کے مقام پر بھارت کے وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے ایک اجتماع میں تقریر کے دوران فرمایا تھا۔

" پاک بھارت جنگ کے دوران روس نے ہماری حمایت کی تھی اس لیے ہم روسی وزیر اعظم مسٹر کوسی گن کی پیش کش کو نظر انداز نہیں کر سکتے لیکن کشمیر بھارت کا اٹوٹ حصّہ ہے جسے کسی بھی صورت میں الگ نہیں کیا جا سکتا "۔

لال بہادر شاشتری کے اس بیان سے صاف ظاہر تھا کہ وہ تاشقند میں کشمیر پر بات چیت کرنے کے لیے تیار نہیں اور اگر وہ روس کے دباؤ سے کشمیر پر بات چیت کے لیے تیار بھی ہو تو یہ محض ایک رسمی گفتگو ہوگی، البتہ تاشقند جانے سے ایک روز قبل لال شاستری نے انڈو سویت کلچرل سوسائٹی کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

" میں صدر ایوب خاں سے تاشقند میں درخواست کروں گا کہ اب ہندوستان اور پاکستان کے مابین دوبارہ جنگ نہ ہو اور صدر ایوب ہندوستان سے کبھی جنگ نہ کرنے کا یا اسی قسم کا کوئی دوسرا دوستانہ معاہدہ کر لیں "۔

ادھر صدر ایوب خان نے اپنی ماہانہ تقریر یکم جنوری ۱۹۶۶ء کو فرمایا۔

" امریکی رہنماؤں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ بھارت اور پاکستان کے درمیان تمام تر اختلافات کی بنیاد ۔۔۔ یعنی مسئلہ کشمیر کو سلامتی کونسل کی

۲۰ ستمبر اور ۵ نومبر کی قراردادوں کے مطابق حل کرنے میں مدد دیں گے۔

روسی لیڈروں نے بھی کہا ہے کہ وہ بھی یہی چاہتے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے میں تاشقند جا رہا ہوں "۔

صدر ایوب اور لال بہادر شاستری تاشقند جانے سے قبل امریکہ گئے اور صدر امریکہ مسٹر جانسن سے علیحدہ علیحدہ اور ایک ساتھ ملاقات کی، انہوں نے ان دونوں سے تاشقند کانفرنس کامیاب بنانے کی تلقین کی۔

تاشقند کے مقام پر باضابطہ طور پر ۴ جنوری ۱۹۶۶ء کو کانفرنس کا افتتاح ہوا اور کانفرنس میں اپنی افتتاحی تقریر میں لال بہادر شاستری نے فرمایا۔

" یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی کہ چیرمین کوسی گن کے طلب کردہ اجلاس میں تنازعات کے حل کے لیے طاقت کے استعمال کے خلاف سمجھوتہ ہو جائے "۔

پاکستان کے صدر ایوب خاں نے تنازعات کے حل کے لیے طاقت کے استعمال کے خلاف لال بہادر شاستری کے خیالات کی حمایت کی لیکن تنازعہ کا اصل مسئلہ "مسئلہ کشمیر" حل کرنے پر بھی زور دیا۔

بھارت پاکستان اور روس کی تقریروں اور بات چیت کا جو ماحصل رہا وہ یہ ہے

بھارت کا موقف

(ا) کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے لہذا اس پر گفتگو نہیں ہوگی۔

(ب) تاشقند میں اگر گفتگو ہو سکتی ہے تو فوجوں کی واپسی پر، جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر اور داخلی معاملات میں عدم مداخلت پر۔

پاکستان کا موقف

(ا) بھارت اور پاکستان کے تمام اختلافات کا اصل سبب مسئلہ کشمیر ہے تاشقند میں اس کے حل کی کوشش ہونی چاہیے۔

(ب) جنگ نہ کرنے کا معاہدہ اس وقت تک نہ ہوگا، جب تک مسئلہ کشمیر کے حل

کی بحالی اور دوستانہ تعلقات کا انحصار مسئلہ کشمیر کے حل پر ہے۔

رُوس کی حکمتِ عملی

(ا) فائر بندی کے انتظامات کو مضبوط بنایا جائے۔

(ب) فوجوں کی واپسی جلد عمل میں لائی جائے۔

(ج) دونوں ممالک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیں اور مشترکہ ترقیاتی اور دفاعی منصوبوں میں شریک ہو کر چین کے خلاف محاذ قائم کریں۔

اِن تجاویز کی پیش کش کے بعد ایک دوسرے کے خیالات نے جو صورت اختیار کر لی وہ یہ ہے :۔

"ہم نہیں چاہتے کہ دونوں ملکوں میں پھر جنگ کی نوبت آئے!" کوسی گن

"ہم اصولوں پر جن پر دونوں ملکوں نے اتفاق کیا ہے اپنا بنیادی مسئلہ حل کریں اور پھر جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کریں"۔ صدر ایوب خاں۔

"ہمیں دراصل آج اس مسئلے کا سامنا ہے کہ آیا کہ ہم تنازعات کے حل کا طریقہ طاقت کو سمجھتے ہیں یا ہمیں یہ فیصلہ اور اعلان کر دینا چاہیئے کہ طاقت کبھی استعمال نہ کی جائے"۔ لال بہادر شاستری۔

اس قسم کے تبادلہ خیالات کے بعد بات چیت کا ایجنڈا زیر بحث آیا۔ پاکستان کا یہ موقف تھا کہ کانفرنس شروع ہونے سے قبل ایک ایجنڈا مرتب کر لیا جائے اور اس میں مسئلہ کشمیر سرِفہرست ہو، لیکن بھارت کسی بھی صورت میں کشمیر پر بات چیت کرنے کے لیے تیار نہ ہوا، تین دنوں تک متواتر ایجنڈا مرتب کرنے میں صرف ہوئے۔ ۷ر جنوری کو مسٹر کوسی گن نے صدر ایوب خان اور لال بہادر شاستری سے الگ الگ طویل ملاقاتیں کیں، تاکہ فریقین کو کسی بات پر متفق کیا جاسکے، کیونکہ ایک تو ساری دُنیا کی نگاہیں تاشقند کانفرنس کی طرف لگی ہوئی تھیں اور دوسرا کم از کم پچاس غیر ملکی اخباری نمائندے تاشقند میں موجود تھے۔ روس کا وقار واقعی داؤ پر لگا ہوا تھا۔

۸ر جنوری تک یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ کانفرنس ناکام ہو چکی ہے اور موجودہ تعطل کے پیشِ نظر کانفرنس کے اختتام پر کسی مشترکہ اعلامیہ کا بھی امکان نہیں ۹ر جنوری کو

لال بہادر شاستری اور صدر ایوب خاں کے دستخطوں سے ایک مشترکہ اعلان جاری کر دیا گیا اس مشترکہ اعلان جسے معاہدہ تاشقند کا نام دیا گیا مسٹر کوسی گن کے دستخط بطور گواہ کرائے گئے۔

۹ نکاتی اعلان میں مندرجہ ذیل باتیں مشتہر کی گئیں۔

(۱) صدر پاکستان اور وزیر اعظم بھارت نے جموں و کشمیر پر بھی بات چیت کی اور دونوں نے اپنا اپنا موقف بیان کیا۔

(۲) دونوں ملکوں کے افواج ۲۵ر فروری تک ۵ر اگست ۱۹۶۵ء کی پوزیشن پر واپس جائیں گی۔

(۳) دونوں سربراہوں نے اقوام متحدہ کے منشور کا پابند رہنے کا عہد کیا، جس کے تحت باہم جھگڑے طاقت کے بل بوتے پر نہیں بلکہ پُرامن طریقوں سے حل ہونے چاہیئیں۔

(۴) دونوں ممالک ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا مہم بند کر دیں گے۔

(۵) صدر پاکستان اور وزیر اعظم ہند نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ایسے معاملات پر غور کرنے کے لیے جن کا تعلق براہ راست ایک دوسرے سے ہو وہ اعلیٰ سطح پر یا دوسری سطحوں پر کانفرنسیں منعقد کر کے تصفیے کریں گے۔

(۶) دونوں فریقین نے اس امر پر اتفاق کیا کہ باہمی تعلقات اس اصول پر استوار کیے جائیں کہ ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔

(۷) وزیر اعظم بھارت اور صدر پاکستان نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ اپنے متعلقہ حکام کو جنگی قیدیوں کے تبادلے کے بارے میں احکامات جاری کریں گے۔

(۸) وزیر اعظم بھارت اور صدر پاکستان نے اس امر پر اتفاق کیا کہ دونوں فریق مہاجرین کی بے دخلی اور غیر قانونی داخلے کے مسائل پر گفت و شنید جاری رکھیں گے۔ دونوں فریق ایسے حالات پیدا کریں گے جن میں عوام کے اخراج کو روکا جاسکے، جنگ کے دنوں میں فریقین نے جو مال اور دیگر اسلحہ جات حاصل کیے ان کی واپسی کے لیے بھی بات چیت کی جائے گی۔

(۹) وزیر اعظم بھارت اور صدر پاکستان نے اس بات پر اتفاق کیا کہ دونوں فریق

ان مسائل پر گفت شنید کرنے کے لیے جو ان سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں اعلیٰ اور دیگر سطحوں پر آپس میں ملاقات کریں گے، مشترکہ بھارتی اور پاکستانی تنظیمیں بنائی جائیں جو اپنی حکومتوں کو اس امر پر مشورہ دیں کہ مزید اقدامات کون سے اٹھائے جانے چاہئیں۔"

وزیر اعظم ہند اور صدر پاکستان سوویت یونین کے لیڈروں اور چیرمین یو، ایس، ایس۔ آر کے لیے تشکر کا اظہار کرتے ہیں۔

شاندار استقبال اور مہمان نوازی کے لیے ازبکستان کے انتظامیہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

اعلان تاشقند کے حق میں اور اس کے خلاف بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، ایک عام آدمی کے لیے اس کے پس پردہ حقیقی مفہوم کو سمجھنا اور اس کے اثرات و نتائج تک پہنچنا دشوار ہو کر رہ گیا۔

دونوں ممالک کے موقف کو دیکھ کر معاہدہ تاشقند کی دفعات سے صاف پتہ چلتا ہے یہ ایک رسم تھی جو پوری کی گئی اور اس میں بھارت اور پاکستان نے روسی وقار کو مد نظر رکھ کر رسمی طور پر دستخط کیے اور بس!

معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد جہاں صدر ایوب خاں سخت مایوس تھے۔ وہاں وزیر اعظم لال بہادر شاستری کی بے قراری اور اضطراب عیاں تھا۔

اس معاہدے پر دستخط کرنے سے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو صدر مملکت پر نہ صرف سخت ناراض ہو گئے بلکہ یہیں سے ان دونوں کے راستے الگ الگ ہو گئے۔

معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد رات کو وزیر اعظم ہند لال بہادر شاستری کی حالت اچانک خراب ہو گئی اور وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اس طرح امن معاہدے پر دستخط ہونے کا آغاز تو اچھا تھا پر اس کا انجام اچھا نہ رہ سکا۔

مسئلہ کشمیر پر تاشقند کانفرنس کی اہمیت کو اس لحاظ سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ

اس کانفرنس سے بھی "مسئلہ کشمیر" حل نہ ہو سکا۔ تاشقند کانفرنس میں مسئلہ کشمیر حل ہونے کی امید رکھنے والے اگرچہ ابتدا ہی میں مایوس ہو چکے تھے لیکن سوویت روس کے ساتھ امریکہ اور برطانیہ کی بھی یہی خواہش تھی کہ ہند و پاک کے سربراہ مل کر بیٹھیں اور کوئی تصفیہ کریں تاکہ پاکستان پر چین کا اثر کم کیا جا سکے۔



(مسز اندرا گاندھی)

تاشقند میں وزیر اعظم لال بہادر شاستری کی موت سے بھارت میں ایک بار اور قومی رہنما کا خلا پیدا ہو گیا۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لیے کئی امیدوار میدان میں تھے ان میں سب سے سینئر مرارجی ڈیسائی مانے جاتے تھے لیکن کامراج نادار کی مدد سے جواہر لال نہرو کی بیٹی مسز اندرا گاندھی وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہو گئیں۔



(مرارجی ڈیسائی)

مسز اندرا گاندھی نے ملک میں حالیہ جنگ کی صورتحال سے چھٹکارا پانے کے بعد ملکی مسائل پر دھیان دیا۔

مسز اندرا گاندھی نے شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کو واٹاکمنڈ سے نکال کر نئی دہلی میں ۳۔ اور ۴ کوٹلہ لین میں منتقل کرایا۔

لہو سے اُجڑے چمن کو سنوار کر ہم نے
کس اہتمام میں جشنِ خزاں منایا ہے

محاذِ رائے شماری کا سیاسی کنونشن

صدر محاذِ رائے شماری مرزا محمد افضل بیگ کی غیر موجودگی میں جولائی ۱۹۶۵ء کے پہلے ہفتے میں مجاہد منزل سرینگر میں محاذ رائے شماری کی طرف سے تین دنوں کا ایک خصوصی کنونشن منعقد کیا گیا۔



غلام محی الدین ہمدانی

۲ر جولائی کا ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا، ان چھ مفصّل تجاویز پر غور و خوض کیا گیا جو ڈیلی گیٹوں اور کارکنوں کے کنونشن میں پیش ہونے والی تھی، ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں قائم مقام صاحبِ صدر الحاج منشی محمد اسحٰق اور جنرل سکریٹری غلام محی الدین ہمدانی زہرا کے علاوہ حسبِ ذیل حضرات نے شمولیت کی۔



(منشی محمد اسحٰق)

خواجہ مبارک شاہ، حاجی محمد سبحان، غلام محمد بٹ ان کے علاوہ صدر ضلع سرینگر غلام قادر میر، صدر ضلع بارہمولہ محمد اکبر صدر ضلع اسلام آباد محمد سکندر رباہالی، ان کے ساتھ غلام حسن باباکشتواڑ، عبدالعزیز پرے پلہالن، عبدالعزیز گنائی سوپور، غلام حسن ملک اسلام آباد، غلام الدین ملک اسلام آباد اور شیخ نذیر احمد سرینگر شامل تھے۔

۳ر جولائی کو ڈیلی گیٹوں اور کارکنوں کا کنونشن شروع ہوئی اگلے روز بھی یہ اجلاس جاری رہا، اس اجلاس میں مبارک شاہ، جانکی ناتھ کرو، مولانا محمد سعید مسعودی غلام محی الدین قرہ، مولانا نورالدین اور مولوی فاروق شامل ہوئے بتفقہ طور پر

سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا فیصلہ لیا گیا۔

جن چھ مفصل تجاویز کو زیرِ غور لایا گیا وہ اس طرح ہیں۔

۵ر فروری کو شیرِ کشمیر، فخرِ کشمیر اور مادرِ مہربان پر سفرِ حج پر روانگی کے موقع پہ اور اس کے بعد......

(۱) ریاست کی موجودہ حکومت کی طرف سے ماہ فروری میں کانگریس کے ساتھ ترکِ موالات کو بہانہ بنا کر صدر محاذ صوفی محمد اکبر کی تمام کوششوں کے باوجود حکومت کا محاذ کے خلاف معاندانہ رویہ رکھنا۔

(۲) ۷ر مارچ کو محاذ کی تمام تنظیم کے رہنماؤں کو صوفی محمد اکبر اور دوسرے مرکزی عہدیداروں سے لے کر اضلاع، تحصیلات اور حلقوں تک کے صدروں، سکریٹریوں اور سرگرم کارکنوں تک پیشگی منصوبہ اور فہرست کے مطابق ایک رات میں گرفتار کر لینا، محاذ کے ساتھ دیگر حریت پرست جماعتوں ان کے سرکردہ رہنماؤں کو پابند سلاسل کر ڈالنا۔

(۳) جناب شیرِ کشمیر نے بہ دورانِ سفرِ حج مصر و حجاز، انگلستان، پیرس اور الجزائر میں کشمیری عوام کا نقطۂ نگاہ مسئلہ الحاق کے بارے میں دنیا کے سامنے رکھا تو اس پر ہندوستانی پارلیمنٹ اور مرکزی حکومت کا سیخ پا ہونا۔

(۴) ۵ر اپریل کو حکومتِ ہند کی طرف سے شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور ان کے رفقائے سفر کے کاغذات راہداری منسوخ کرنے کا اعلان۔

(۵) ۸ر مئی کو جبکہ شیرِ کشمیر، فخر اور مادرِ مہربان وارد دلی ہوئے تو اوّل الذکر دونوں کو مدراس کے مقام اوٹا کمنڈ میں نظر بند کر دینا اور مادرِ مہربان کو ریاست جموں و کشمیر میں داخل ہونے کی ممانعت کرنا۔

(۶) ۸ر مئی کے بعد، عوام کے احتجاجی مظاہروں کو دبانے کے لیے حکومت کی طرف سے اختیار کردہ پُر تشدّد اقدامات اور اس سلسلے میں محاذ رائے شماری اور دیگر حریت پرست تنظیمات کی طرف سے ایکشن کمیٹی کے متحدہ پلیٹ فارم پر عوام کی ترجمانی اور عوامی جدوجہد بشکل سول نافرمانی اجراء۔

دیا گیا۔

"(۱) نیشنل کانفرنس ہو، نیشنل کانگریس ہو یا دنیا کی اور کوئی سیاسی تنظیم ہو اس کا وجود بجائے خود اپنے ممبروں اور عہدیداروں سے کوئی علیحدہ وجود نہیں۔ جس قسم کے کارکن اور عہدیدار ہوں گے اسی قسم کی وہ تنظیم بھی ہوگی، مخلص اور نیک لوگوں سے جو تنظیم بنے گی وہ یقیناً نیک اور مفید تنظیم ہوگی۔

خود غرض موقع پرست اور مفاد پرست لوگوں اور عہدیداروں کے مجموعہ سے بنائی ہوئی تنظیم اپنے نتائج کے لحاظ سے وہی شکل اختیار کرے گی جو شکل ۱۹۵۳ء[1] سے لے کر اب تک نیشنل کانفرنس نے اختیار کر لی، وہ لوگ جو بھی نئی جماعت قائم کریں گے یا اپنائیں گے اپنے عمل سے بہت جلد اس کو ذلیل[2] کر کے چھوڑیں گے۔

(۲) نیشنل کانفرنس کو عوام کی نظروں میں جن باتوں نے ذلیل کیا ان کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ دو عنوانات کے تحت آسکتی ہیں۔

(الف) یہ کانفرنس جو جموں و کشمیر کے عوام کے حق خود ارادیت کی علمبردار تھی اس کے پلیٹ فارم سے قوم کی آزادی اور حقِ خود ارادیت کے خلاف نعرے بلند کیے گئے۔

(ب) یہ کانفرنس جو ۱۹۵۳ء تک قوم کے بہترین خادموں اور مخلص رہنماؤں کے سایہ میں عوام کی خدمت سرانجام دے رہی تھی اس پر موقعہ پرستوں اور عوام دشمن عناصر نے قبضہ کر کے ہر قسم کی خرابیاں اس کے اندر پیوست کر دی ہیں۔

(۳) آج نیشنل کانفرنس کو دفنانے کے بعد وہی لوگ کانگریس کا نام لے کر آگے آرہے ہیں جنہوں نے کانفرنس کو بدنام و ذلیل کیا اور

۱؎ ۱۹۵۳ء سے نہیں بلکہ ۱۹۳۹ء سے، جب سے اس کا جنم ہوا کہنا مناسب اور موزوں رہے گا۔
۲؎ محاذ رائے شماری کیلئے یہ دلیل صادق آتی ہے کیونکہ اس جماعت کے لیڈروں نے واقعی اسے ذلیل کر کے چھوڑا۔

عوام کے حق خود ارادیت سے انکار کرنے میں وہی مقصد ان کے پیش نظر ہے جو خود نیشنل کانفرنس کے لیے موجبِ ہلاکت ثابت ہوا۔ عوام نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا کہ عوام کی آزادی اور حق خود ارادیت جس طرح نیشنل کانفرنس کے ہاتھوں پامال ہوتے رہے اس سے کہیں زیادہ کانگریس کے ہاتھوں پامال ہونے کا خطرہ درپیش ہے۔

(۴) جموں و کشمیر کے لوگ اس سے بے خبر نہیں کہ ہندوستان میں انڈین نیشنل کانگریس کے نام سے ایک تنظیم ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی اس نے برصغیر سے غیر ملکیوں کو نکال باہر کیا اور برصغیر کے ہندوؤں مسلمانوں، سکھوں، پارسیوں اور بودھوں نے اپنی بساط سے بڑھ کر اس تنظیم کے محاذ پر قربانیاں دیں لیکن ان حقائق کو جانتے ہوئے جموں و کشمیر کے عوام محض انڈین نیشنل کانگریس کے لفظوں سے دھوکہ نہیں کھا سکتے کیونکہ وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ خود ہندوستان میں بھی وہ کانگریس نہیں جو انگریزی سامراج کے خلاف لڑنے والی کانگریس تھی، اس حقیقت کو کوئی کس طرح چھپائے گا کہ اس وقت جموں و کشمیر کے عوام کے حق خود ارادیت سے انکار کرنے کے لیے اس انڈین نیشنل کانگریس کا نام استعمال کیا جا رہا ہے جو انڈین نیشنل کانگریس آج کشمیر کے عوام کے حق خود ارادیت کو کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور چند افراد نے تمہارے حقوق کا سودا کیا ہے وہ تم کو قبول کرنا ہوگا اور اس کو عوام کیسے پرانی کانگریس کی شکل میں قبول کریں گے۔

(۵) مندرجہ بالا حقائق کے پیش نظر عوام نے کانگریس کے نام سے دھوکہ کھانے سے انکار کیا اور ریاست میں کانگریس کے قیام کا اعلان ہوتے ہی جب قدم قدم پر ریاست کے امتیازی وجود کو مٹانے والے اقدامات ہونے لگے تو شیر کشمیر اور فخر کشمیر نے عوام کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ ہدایت فرمائی کہ ترنگے جھنڈے کی آڑ میں جو نام نہاد کانگریس ریاست میں درآمد کی جا رہی ہے اس سے دھوکا نہ کھایا جائے اور اس نام کی آڑ میں حق خود ارادیت کو

چھیننے اور عوام کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی جو کوشش ہو رہی ہے اس کو آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے اور اگر کوئی بھولا بھٹکا ریاستی باشندہ مکر و فریب کے اس جال کا شکار ہوتا ہے تو ان کے ساتھ تعلقات منقطع کر لیے جائیں تاکہ عوام فتنہ فساد سے محفوظ رہیں"۔

اس سلسلے میں ورکنگ کمیٹی حکومت کے ان اقدامات کی مذمت کرتی ہے جو اس نے کانگریس کی ممبر شپ کے سلسلے میں محاذ رائے شماری کے ارکان کو جگہ جگہ گرفتار کر لے عوام کو خوف زدہ کرنے اور اپنی پارٹی کے مقاصد کے لیے پولیس کی طاقت کا اندھا دھند استعمال کرنے کی صورت میں روا رکھے ہیں۔

ورکنگ کمیٹی نے انجمن اقوام متحدہ کے نام ایک اپیل مشتہر کی جو حسب ذیل ہے:

" اٹھارہ سال گزر گئے جبکہ اقوام متحدہ نے ریاست جموں وکشمیر میں رائے شماری کرانے کی تجاویز پاس کیں تاکہ حتمی طور پر ریاست کے الحاق کا فیصلہ ہو جائے یہ تجاویز تمام متعلقہ پارٹیوں نے تسلیم کیے کیونکہ یہی جمہوری اور منصفانہ حل اس مسئلہ کا ہو سکتا ہے، بین الاقوامی سطح اقوام متحدہ جس کا کام مفلوک الحال اور محکوم قوموں میں امید اور اتحاد کی روح پھونکنا تھا اپنے فرائض اور طاقت کو جمع کرنے میں ناکام رہی اور وہ رائے شماری کی تجویز کو عمل میں نہ لا سکی، مجلس عاملہ سمجھتی ہے کہ اگر اقوام متحدہ کو اپنے بنیادی مقاصد کے لیے زندہ رہنا ہے تو اسے تمام مصلحتوں سے بالاتر رہ کر اپنے تمام فیصلہ جات پورے کرنے چاہئیں تاکہ سب مشکلات دور کی جائیں جو امن عالم کے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہیں اور غلامی کی زنجیروں کو توڑ دیا جائے تاکہ جمہوریت اور آزادی کا بول بالا ہو۔

مسئلہ کشمیر جو کہ امن عالم کے لیے ایک جوالا مکھی کی حیثیت رکھتا ہے فوری توجہ کا محتاج ہے اس لیے اقوام متحدہ کو اس طرف فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے اور وہ ہر ممکن اخلاقی اور مادی دباؤ سے ہندوستان کو مجبور کر دے کہ وہ ان سب وعدوں کو پورا کر دے جو کشمیر کے متعلق

حق خود ارادیت کے سلسلے میں اس نے کیے ہیں"۔

انجمن اقوام متحدہ کے نام ریزولیوشن بھیجنے کے بعد انجمن کے جنرل سکریٹری اوتھانٹ کے نام ایک تفصیلی تار روانہ کر دی گئی۔ کیونکہ وہ ہند و پاک کے دورے پر آ رہے تھے۔

" ہز ایکسیلنسی اوتھانٹ، سکریٹری جنرل اقوام متحدہ
(معرفت)
وزارت خارجہ گورنمنٹ آف انڈیا۔ نئی دہلی

ہم برصغیر میں آپ کی تشریف آوری پر آپ کو دلی خوش آمدید کہتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی عظمت اور وقار کے علاوہ امن عالم کی بقا کے لیے آپ کی مساعی قابل تعریف ہیں۔ لیکن ہم کشمیر کے پچاس لاکھ باشندے اقوام متحدہ کے منشور جس میں واضح اور غیر مبہم طور بتایا گیا ہے کہ دنیا کی غلام قومیں اپنے مستقبل کو اپنی منشا اور خواہشات کے مطابق متعین کرنے میں آزاد ہوں گی اس کے فوائد سے محروم ہیں، ہم گزشتہ ۱۹ برس سے اس چارٹر کے تحت بے نتیجہ اپنے پیدائشی حق کے حصول کے لیے مسلسل قربانیاں دے رہے ہیں۔ ناقابل بیان مصائب اور مشکلات برداشت کر رہے ہیں، اقوام متحدہ نے اپنے ۱۳ راگست ۱۹۴۸ء اور ۵ رجنوری ۱۹۴۹ء کی قراردادوں میں ہمارے اس حق کو بلا شرط اور واضح طور پر تسلیم کیا ہے ان قراردادوں کی عدم تعمیل ۱۹۶۵ء میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ پر منتج ہوئی اور آپ کی ان تھک مساعی جمیلہ کی وجہ سے دنیا ایک بڑی آتشیں تباہی سے بچ گئی۔ لیکن بعد میں غرض مند پارٹی نے اس رستے ناسور کی وجہ کو دور نہ کیا جو عالمی امن کے لیے خطرات سے لبریز ہے کشمیریوں کے مسلم رہنما شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور ان کے نائب مرزا محمد افضل بیگ لاتعداد رفقاء کے ساتھ جنگ کے زمانے کے قوانین کے تحت عرصۂ دراز سے نظر بندی کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ شہری آزادی نام کی کوئی شئے ریاست میں موجود نہیں ہے غیر یقینیت ملک کے اعضاء رئیسہ کو دیمک کی طرح چاٹ رہی

ہے ۔ اقتصادی بدحالی کی دُہری تلوار ہم پر لٹک رہی ہے ہم آپ کو اپنے پامال ملک میں حالات کا خود مشاہدہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں ۔ ہم آپ سے پُر زور اپیل کرتے ہیں کہ آپ دونوں ممالک پر مسئلہ کشمیر کو صلح جوئی سے حل کرنے پر زور دیں اور کشمیری عوام کو اقوام متحدہ کی زیر نگرانی غیر جانب دارانہ رائے شماری کے ذریعہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا موقع دیں تاکہ ان دونوں ممالک کے آپسی تعلقات دوستانہ اور برادرانہ ہو سکیں جس سے عوام کی حالت کو بہتر بنایا جا سکے ۔ ہم آپ سے شیر کشمیر اور ان کے دیگر رفقاء کی رہائی کو یقینی بنانے کی استدعا کرتے ہیں تاکہ وہ ان دو ممالک کے درمیان معمول اور دوستانہ تعلقات بحال کرنے میں اپنا مؤثر کردار ادا کر سکیں ۔

میر غلام قادر
قائم مقام صدر آل جموں وکشمیر
محاذ رائے شماری

محاذ رائے شماری کی ورکنگ کمیٹی کے اس ریزولیشن پر انجمن اقوام متحدہ اور انجم کے سکریٹری جنرل مسٹر اوتھانٹ نے سوائے ان کے ملنے کی رسید کے سوا اس پر اور کوئی کارروائی نہیں کی حتیٰ کہ انھوں نے اتنے بڑے انسانی مسئلے کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا دراصل انجمن اقوام متحدہ کے درو دیوار آج بھی کشمیری عوام کے ہردلعزیز لیڈر شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی ان تقریروں کی گواہی دے رہے تھے جو انھوں نے سلامتی کونسل کے کئی اجلاسوں کے دوران یہاں کی تھیں جن تقریروں میں انھوں نے ہندوستان کے ساتھ ریاست کے الحاق کو حتمی مان کر حق خود ارادیت کو مسترد کیا تھا۔

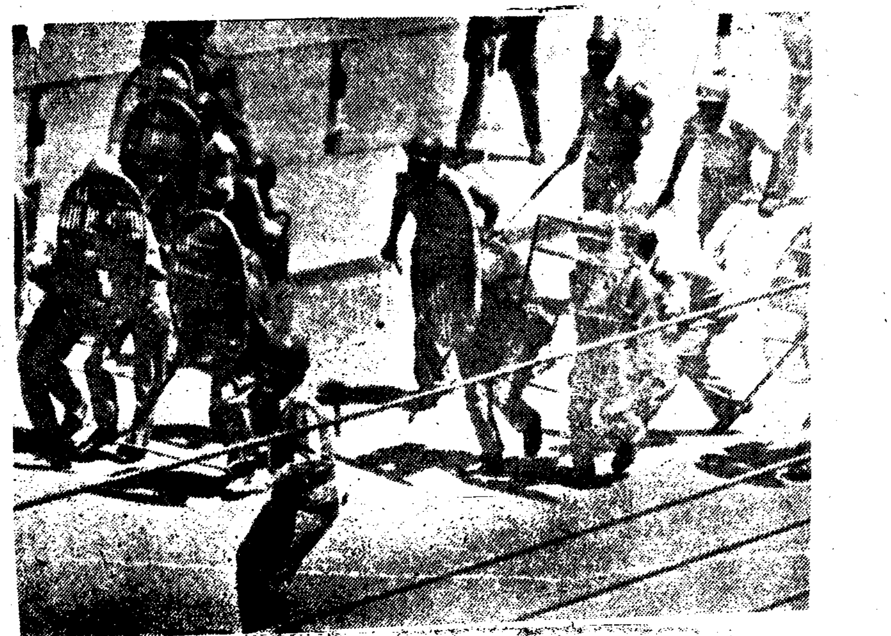
سلامتی کونسل نے "رائے شماری" کا ریزولیوشن پاس کیا تو شیر کشمیر اس کے خلاف چٹان بن کر حائل ہو گئے ، انھوں نے رائے شماری کرانے کے لیے سلامتی کونسل کے نامزد ممبران کی کارروائیوں پر پانی پھیر دیا اور انہیں ناکام و نامراد کر کے واپس بھیج دیا گیا۔

جب شیر کشمیر کی رہائی کے ساتھ ان کے نام کا واسطہ دے کر حق خود ارادیت اور

رائے شماری کا تذکرہ سلامتی کونسل سے کیا جا رہا تھا ۔ وہ سلامتی کونسل اُس شخص کو ہم سے زیادہ اچھی طرح جانتی تھی، انہیں معلوم تھا ۔ یہی وہ شخص ہے جو کشمیری عوام کی آزادی، حق خود ارادیت اور رائے شماری کا سب سے بڑا دشمن ہے جو دوستی کی قبا اوڑھ کر عوام کو دھوکہ دے رہا ہے ۔



شیخ محمد عبداللہ کی ایک نایاب تصویر





ہندو ایکشن کمیٹی کی کارروائی پر عوام اور پولیس میں جھڑپ کا منظر

مایوس و نا اُمید ہوئے جب کبھی عوام
آیا ہے انقلاب الٹ پھیر کے لیے

سرینگر میں ہندو ایکشن کمیٹی کی تحریک

ایک پنڈت لڑکی پرمیشوری نے ڈپارٹمنٹل اسٹور کے ایک ملازم مسلم نوجوان غلام رسول کنٹھ کی محبت میں اپنا مذہب تبدیل کر کے اس کے ساتھ شادی کر لی، اس شادی کی خبر جب آہستہ آہستہ قرب وجوار میں پھیل گئی تو پنڈت جاتی نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ ان کا الزام تھا کہ پرمیشوری کو تبدیل مذہب کے لیے مجبور کیا گیا۔ چنانچہ کشمیری پنڈت ایک وفد کی شکل میں انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر ڈی، این کول سے ملا۔ اور ان پر زور ڈالا گیا کہ وہ پرمیشوری کو حاصل کر کے اسے اس کی ماں کے حوالے کیا جائے، چنانچہ تھانہ میں باضابطہ غلام رسول کنٹھ کے خلاف رپورٹ درج کرانے کے بعد غلام رسول کنٹھ اور اس کی بیوی جو پرمیشوری سے پروین بن گئی تھی کو گرفتار کر کے خانیار کے پولیس اسٹیشن کی حوالات میں بند کر دیا گیا۔

لڑکی کو یہاں ایک علیحدہ کمرے میں رکھ کر چند سرکردہ پنڈت لیڈروں نے اس کی ماں اور رشتہ داروں کو ساتھ لے کر اس کے ساتھ ملاقات کی، اور اسے اس بات کے لیے مجبور کیا کہ وہ پولیس کے سامنے یہ بیان دے کہ اسے اغوا کیا گیا ہے اور زبردستی اسے مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا ہے ——— لیکن لڑکی نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا اور وہ اس بات پر ڈٹی رہی کہ اُس نے اپنی مرضی سے ہندو مذہب تبدیل کر کے غلام رسول کنٹھ کے ساتھ شادی کی ہے۔ لڑکی کی طرف سے ایسا جواب ملنے کے باوجود بھی پنڈت برادری اسے واپس ہندو دھرم میں لانے پر آمادہ کرنے لگی۔ لیکن ان کی یہ کوشش بھی ناکام رہی۔

جب لڑکی کے مسلسل انکار کا چرچا عام ہوا تو مسلمانوں کے ایک طبقے میں اِس

زور زبردستی کے خلاف غم وغصہ پھیلنا شروع ہوا، اسی دوران بعض غیر مسلم وکلاء نے لڑکی کی ماں کو مشورہ دیا کہ وہ یہ معاملہ عدالت میں پیش کرے، چنانچہ لڑکی کی ماں نے سرینگر کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں یہ درخواست پیش کی — چونکہ اس کی لڑکی نابالغ ہے اس لیے وہ اپنی مرضی سے اپنی شادی کرنے کا قانوناً کوئی اختیار نہیں رکھتی اس بناء پر عدالت سے درخواست کی گئی کہ وہ لڑکی کو پولیس کی حراست سے نکلوا کر اس کی ماں کے سپرد کردے، لڑکی کی طرف سے کئی سرکردہ کشمیری پنڈت وکلاء پیروی کے لیے عدالت میں قانونی جنگ لڑنے کے لیے آئے۔

دوسری طرف سرکردہ پنڈتوں نے "ہندو ایکشن کمیٹی" کا قیام عمل میں لا کر ایجی ٹیشن کا راستہ اختیار کیا۔

اس دوران جبکہ اسمبلی کا اجلاس جاری تھا۔ یہ معاملہ اسمبلی کے ایوان میں بھی اٹھایا گیا۔ حکومت نے اپنی پوزیشن بیان کرتے ہوئے کہا۔

"چونکہ لڑکی کی ماں یہ معاملہ باقاعدہ طور پر عدالت میں لے گئی ہے اس لیے عدالت کے فیصلے کا انتظار کیا جانا چاہیئے۔"

اسمبلی میں ممبران نے انتظار تو کیا لیکن باہر "ہندو ایکشن کمیٹی" عدالت سے درخواست واپس لے کر اس معاملے کا فیصلہ میدان جنگ میں کرنے لگی۔

اس ایجی ٹیشن کی آڑ لے کر نئی دہلی میں مقیم کشمیری پنڈت لابی نے مرکزی سرکار کو اس مسئلے میں مداخلت کے لیے مجبور کیا۔ چنانچہ کئی سرکاری آفیسروں اور مرکزی وزارت کے سکریٹری کو سرینگر روانہ کیا گیا۔ ان کے علاوہ راشٹریہ سیوک سنگھ کے کئی چوٹی کے لیڈر جن میں پروفیسر بلراج مدھوک بھی شامل تھا۔ سرینگر آگئے ان اراکین نے ہندو ایکشن کمیٹی کو بھرپور تعاون دینے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا وزارت داخلہ کے سکریٹری مسٹر ایل پی سنگھ سرینگر میں اپنے قیام کے دوران بڑے سرگرم رہے۔ انہوں نے صادق صاحب پر زور ڈالا کہ وہ لڑکی کو ماں کے حوالے کرا دیں لیکن صادق صاحب نے لڑکی کی


(بلراج مدھوک)

رضی کے خلاف قرار دیکر اس مطالبہ کو مسترد کیا، چنانچہ واپس دہلی جاکر انہوں نے مرکزی ار کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔

مسٹر وی، پی سنگھ نے ہندو ایکشن کمیٹی کی حمایت اور وزیر اعلیٰ غلام محمد دق کی حکومت کو مورد الزام ٹھہرایا۔ اس کی وجہ سے سرینگر میں ہندوؤں اور مسلمانوں درمیان کشیدگی بڑھنے لگی اگرچہ عام لوگوں کو صادق وزارت کے ساتھ کوئی ہمدردی لیکن ہندو ایکشن کمیٹی کی طرف سے اس حکومت کے خلاف الزامات کی بوچھاڑ مرکزی سرکار کی مداخلت بے جا اور فرقہ پرست تنظیموں کی دھمکیوں کے خلاف بطور اج سرینگر کے مسلمانوں نے ہڑتال کر دی — اس ہڑتال سے ہندو ایکشن کمیٹی کے ان اور باہر سے آئے ہوئے ان کے حمایتی سخت مشتعل ہوئے، چنانچہ انھوں نے اپنی روں اور اپنے طریقہ کار سے کشمیر کے فرقہ وارانہ بھائی چارے اور میل ملاپ کی یت کو توڑ کر رکھ دیا

سرینگر کے شیتل ناتھ مندر میں ہر روز جلسہ کیا جانے لگا۔ ان جلسوں میں مول کنٹھ کی شادی پرمیشوری عرف پروین کے بارے میں تفصیل بتانے کے بجائے دی کے مسلمانوں کے بارے میں اشتعال انگیزی کی جاتی تھی اور یہ تاثر دیا جانے لگا گویا ان پنڈتوں کو زبردستی مذہب تبدیل کرنے کی کاروائی کر رہے تھے۔

اس اشتعال انگیزی نے جب لا اینڈ آڈر کا مسئلہ پیدا کر دیا تو حکومت نے شہر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔ لیکن اس دفعہ کے نفاذ کے باوجود ہندو ایکشن کمیٹی جلسے کے ذریعے صادق وزارت کے ساتھ کشمیری مسلمانوں کو ہدف ملامت بنانے لگے۔


(ڈی، پی، دھر)

شری ڈی، پی، در صادق صاحب کو اس بات کے لیے آمادہ کر رہے تھے کہ لڑکی کو پولیس کی حراست سے نکال کر عدالت کے فیصلے تک اس کی ماں کے حوالے کیا جائے لیکن وہ اپنے اس مقصد میں ناکام ہو گئے، چنانچہ پنڈت لیڈروں نے


صادق صاحب

اُن کی غیرت کو للکارا، اور انھوں نے وزارت کے عہدے سے استعفیٰ دیدیا، البتہ اس قسم کی کارروائی سے بھی جب صادق صاحب ٹس سے مس نہیں ہوئے تو انھوں نے اپنا استعفیٰ واپس لے لیا۔

سرینگر میں روز بروز حالات بگڑنے لگے، اسی دوران جموں واسیوں نے ہندو ایکشن کمیٹی کے مطالبات کی حمایت میں تشدّد آمیز مظاہرے کیے، ان مظاہرین کے دوران مسلمانوں کی دکانوں پر پتھراؤ کیا گیا، تین مسلم ہوٹل لوٹ لیے گئے ان ہوٹلوں کے سامان کو نذر آتش کیا گیا۔ ایک چھاپہ خانہ کو تخریب کا نشانہ بنایا گیا۔ حالات پر قابو پانے کے لیے فوج طلب کی گئی۔ صادق صاحب کو زبردست دھمکیاں دی جانے لگیں۔

جموں کی اس صورتحال کے پیش نظر کشمیر میں کشیدگی کو بڑھنے سے روکنے کے لیے سارے شہر میں کرفیو لگا دیا گیا اور اخبارات پر سنسر بٹھا دیا گیا۔


(وائی، بی، چوہان)

سینٹرل ریزرو پولیس کے مسلح دستے جو سرینگر کی اہم شاہراہوں چوکوں ناکوں اور پُلوں پر متعین کیے گئے انہوں نے کرفیو پاس کی شناخت کے دوران مسلمانوں کو نہ صرف زدوکوب کیا بلکہ ان کو گرفتار بھی کیا گیا۔

ارتھی کے ایک جلوس کے دوران کرن نگر کے پاس جب ارتھی میں شامل پنڈتوں نے پانچ مسلم دکانوں کو نذر آتش کیا اور آس پاس کے مکانوں پر پتھراؤ کیا تو شہر میں صورت حال اور زیادہ سنگین ہوگئی، چنانچہ تمام دفاتر اور عدالتیں بھی بند ہوگئیں، اس پر نئی دلی کو تشویش لاحق ہوگئی کہ کہیں مسلمان جوابی کارروائی نہ کریں، مرکزی وزیر داخلہ مسٹر وائی، بی چوہان صورت حال کا جائزہ لینے اور مسلمانوں کی طرف سے جوابی کارروائی کو روکنے کے اقدامات کرنے سرینگر آگئے۔

سرینگر میں مسٹر چوہان کا رویہ ایک مرکزی وزیر کے بجائے ایک فرقہ پرست ہندو جیسا رہا کیونکہ انہوں نے آتے ہی دھمکی دی اگر مسلمانوں نے جوابی کارروائی کا خیال کیا تو ان کے ساتھ سختی سے نمٹ لیا جائے گا اور ان کے ذہن سے یہ بات نکال دی جائے گی کہ وہ یہاں اکثریت میں ہیں اور اکثریت کے ناطے وہ کوئی بھی من مانی

کارروائی کر سکیں گے۔ چوہان کے اس بیان سے صادق صاحب سخت مشتعل ہوئے لیکن انھوں نے وقتی طور پر یہ تلخ گھونٹ پی لیا۔

مسٹر چوہان نے ہندو ایکشن کمیٹی کی حمایت میں اس بات پر زور دیا کہ پرمیشوری کو اس کی ماں کے حوالے کیا جائے، لیکن صادق صاحب نے اس پر آمادگی ظاہر نہیں کی؛ انھوں نے قانون سے بالاتر ہو کر کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے مستعفی ہونے پر ترجیح دی۔ صادق صاحب نے مسٹر چوہان کی دھمکی کو پیش نظر رکھ کر یہ واضح کر دیا۔

"قانون کی رو سے کسی ایک مذہب کی بالغ لڑکی کا کسی دوسرے مذہب کے بالغ لڑکے سے شادی کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں اور جہاں تک متعلقہ لڑکی کے سرینگر میونسپلٹی ریکارڈ اور اسکول و سروس ریکارڈ کا تعلق ہے اس کی بنا پر وہ بالکل بالغ ہے۔ اور میں یہ تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں کہ وہ ایک نابالغ لڑکی ہے — اپنی مرضی کا کھلم کھلا اظہار کر رہی ہے وہ اپنی ماں کے پاس جانے کے لیے تیار نہیں۔ اس صورت میں اُن پر کسی قسم کی زبردستی کرنے کا ہمیں نہ قانونی اور نہ ہی اخلاقی حق ہے۔"

صادق صاحب کے اس دو ٹوک جواب سے ڈی، پی در میٹنگ سے اٹھ کر چلے گئے اور چوان نے صادق صاحب کا موڈ دیکھ کر ہندو ایکشن کمیٹی کو اس بات پر راضی کر لیا کہ عدالت کے فیصلے تک ایجی ٹیشن ملتوی رکھی جائے البتہ ان کے دوسرے مطالبات فوری طور حل کیے جائیں گے۔

کشمیر کے مسلمانوں کے بارے میں مرکزی سرکار کے ایک اہم منسٹر کے خیالات نے صادق صاحب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ مسٹر چوان کی اس دھمکی کہ یہاں کے مسلمانوں کو اپنے ذہن سے یہ بات نکال دی جانی چاہیئے کہ — وہ اکثریت میں ہیں جبکہ سارا ہندوستان یہاں کے غیر مسلموں کی پشت پر ہے۔ اس دھمکی سے صادق صاحب کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی، اور انہیں یہ جاننے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی کہ یہاں کے مسلمان جہاں پر ہیں اُن کو تسلیم کرنا پڑا کشمیر کے مسلمان یہاں محفوظ نہیں ہیں۔

خواجہ ثناء اللہ بٹ مدیر "آفتاب" نے اپنی کتاب "کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک" میں اس واقعہ کے بارے میں لکھا ہے۔

"ان تمام واقعات نے جو اس ایک ماہ کے دوران رونما ہوئے

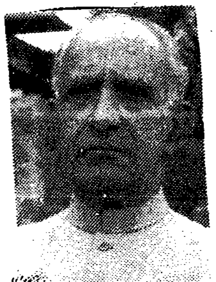
غلام محمد صادق کے سیاسی خیالات اور عقائد کو تہس نہس کر کے رکھ دیا،

ہر ہندو غلام محمد صادق کو کٹّر فرقہ پرست قرار دیتا تھا اور غلام محمد صادق کے لیے نہ صرف دُرگا پرشاد در اور کانگریس کے ہندو اراکین کا عمل ایک تازیانہ عبرت تھا بلکہ نئی دہلی کی اس معاملے میں بار بار مداخلت اور ہندوستانی پریس کے رویّے نے غلام محمد صادق کو بڑی شدّت کے ساتھ یہ محسوس کروا دیا اور جیسا کہ انھوں نے خود کہا (مسلمان اس ملک میں اقتدار میں یا اقتدار سے باہر مظلوم ہے، اگر اس ریاست میں ہزاروں مسلمانوں کو ڈیفینس آف انڈیا رولز اور دوسرے کالے قوانین کے تحت گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جائے درجنوں کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا جائے تو اس اتنے بڑے ملک میں ان پر کیے گئے اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے والا کوئی نہیں لیکن اگر کوئی مسلمان حاکم کسی غیر مسلم شہری کو معمولی طور پر ناراض کرے تو جمہوریہ ہندوستان کی ساری ہندو آبادی اس سے بیزار ہو جاتی ہے)۔

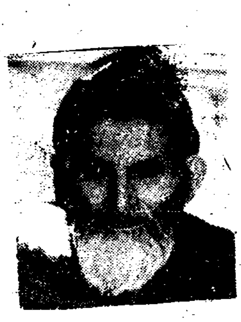
حالات نے غلام محمد صادق کی سوچ میں تبدیلی پیدا کر دی اور انھوں نے محاذِ رائے شماری، پولیٹکل کانفرنس اور عوامی مجلسِ عمل کے وہ تمام کے تمام نظر بندیکے بعد دیگرے رہا کر دیئے جو اس وقت تک رہا نہیں کیے گئے تھے۔ ان سب کو غیر مشروط طور پر رہا کیا گیا اور بعد میں یہ ہوا کہ ڈیپارٹمنٹل سٹور کی ملازم لڑکی پرمیشوری، پروین اختر بن کر ہمیشہ کے لیے غلام رسول کنتھ کی ہو گئی، البتہ نئی دہلی نے ہندو ایکشن کمیٹی کے مطالبے پر اُن کی سیاسی اور ملازمتوں وغیرہ کے بارے میں شکایات کا جائزہ لینے اور اُن کا ازالہ کرنے کی سفارشات پیش کرنے کے لیے سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ چیف جسٹس مسٹر گجندر گڈکر کی صدارت میں تین افراد پر مشتمل ایک کمیشن مقرر کر دیا۔ اس کمیشن کے دوسرے دو ممبر مسٹر شنکر پرشاد اور بدر الدین طیب جی تھے، اس کمیشن نے سرینگر اور جموں میں مختلف حلقوں کے بیانات سننے کے بعد اپنی سفارشات پیش کر دیں۔

کز کی طرف سے کشمیری ہندوؤں کی کھلم کُھلّا طرفداری اور یہاں کے مسلمانوں کی دل آزاری نے وادی دلی سی پیدا کر دی اکثر مسلمان بیزار نظر آنے لگے۔ شہر سرینگر کے نوجوانوں میں بے چینی اور شدّت اختیار کر گیا تو انہوں نے ایجی ٹیشن کی راہ اختیار کی، چنانچہ مختلف کالجوں کے طلبار ہو کر دوبارہ "حق خود ارادیت" کے لیے جدوجہد شروع کر دی، مرکزی سرکار کی یاستی سرکار کو ایجی ٹیشن سختی سے دبانے اور نوجوانوں کو کچل کر رکھ دینے کی ہدایات مل نانچہ سارے شہر کو سی، آر، پی کے حوالے کیا گیا، ۲ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو بڈشاہ چوک اور لال چوک میں ایک بہت بڑے اجتماع پر سی، آر، پی کے جوانوں کی فائرنگ سے طالب علم محمد انور لہروال ڈیڈی شبیر احمد میر قاضی مسجد موقع پر ہی ہلاک ہوئے دوسرے شدید زخمیوں کو ہسپتال میں گیا —— شہر میں دوبارہ کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ ۹ اکتوبر کو جب حالات بالکل نارمل شی اسٹیڈیم میں میچ کے بعد جب لوگ گھروں کو جا رہے تھے، سی، آر، پی کے جوانوں ی اشتعال کے راہ چلتے عوام پر فائرنگ کی جس سے کئی اشخاص ہلاک اور بہت ہو گئے ہلاک ہونے والوں میں دو آبگاہ کا ایک اسسٹنٹ انجینئر غلام محمد کچھو بھی شامل تھا۔ سرینگر میں طلبار کے ایجی ٹیشن کے دوران مولانا مسعودی، غلام محی الدین قرّہ اور اروق گرفتار کیے گئے تو ۲۰ دسمبر کو انہیں رہا کیا گیا۔

اسی دوران نئی دہلی میں شیخ محمد عبداللہ پر عائد پابندیوں کو نرم کیا گیا۔ ۲ جنوری کو انہیں رہا کیا گیا۔ لیکن وہ ۳ کوٹلہ لین کوٹھی میں ہی مقیم رہے۔



(محیؐ الدّین قرّہ)

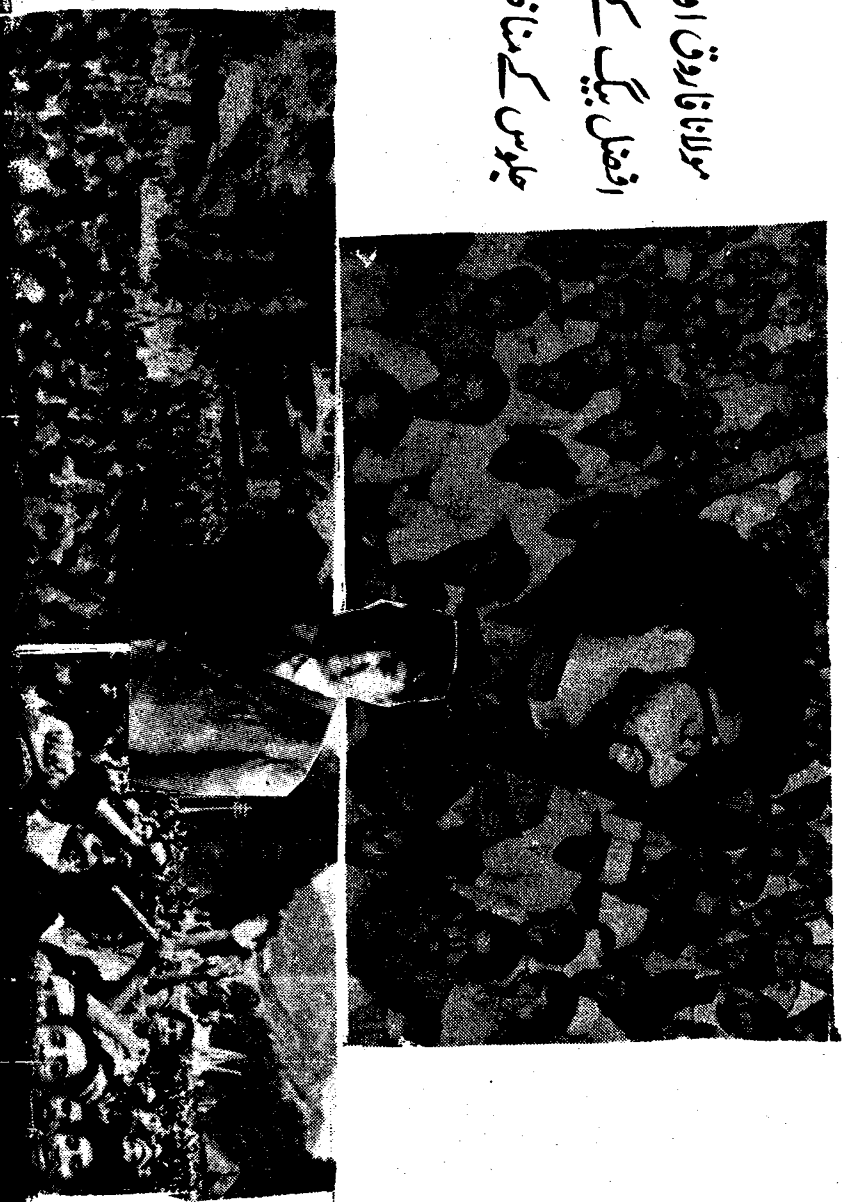


(مولانا مسعودی)



فاروق)

مولانا فاروق اور مرزا
افضل بیگ کے
جلوس کے مناظر



التجا کر گئی لہجے کا ہر اک رنگ پلید
پانی پانی تھی صدا تشنہ رسائی تھی وہی

محاذ رائے شماری اور عوامی ایکشن کمیٹی کا سیاسی مؤقف

سرنل اسلام آباد میں ۲ر اکتوبر ۱۹۶۷ء کو جموں وکشمیر محاذ رائے شماری کا خصوصی اجلاس
ارت مرزا محمد افضل بیگ منعقد ہوا، اجلاس میں ۱۹۶۵ء سے لے کر آج تک کے تمام
اور واقعات کا مفصّل جائزہ لیا گیا۔

اجلاس میں منشی محمد اسحٰق، حکیم حبیب اللہ، صدر الدین مجاہد، حسام الدین بانڈے،
دین شاہ، غلام احمد شونٹھو، غلام رسول ریشی، غلام محی الدین ہمدانی، شیخ نذیر احمد،
محمد، عبدالرشید وکیل، محمد یاسین صدّیقی، سید احمد سعید، سید غلام حسین گیلانی،
عبدالجبار، حاجی اکبر علائی، غلام نبی کوچک، محمد اکبر بٹ، عبدالصمد ٹاک، مرزا محمد
بیگ، شیخ محمد منصور، عبدالغنی وہری، ماسٹر ولی ملک، بختاور ملک، غلام
دین شال، محمد سکندر ملک، سید علاؤ الدین گیلانی، عبدالعزیز پرے، اور خواجہ
شاہ شامل ہوئے، عطاء اللہ سہروردی کسی وجہ سے
مرزا محمد افضل بیگ نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا:



(مرزا محمد افضل بیگ)

اس نازک دور میں کشمیر کے عوام خاص کر محاذ رائے
کے اراکین کو جن جن مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا
ہے پوشیدہ نہیں۔ اس قسم کے بحران جس سے ہم گزشتہ
سے بار بار دوچار ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے
مسئلہ حل طلب ہے، اس مسئلے کو کیے گئے وعدوں
ق حل کرنا ضروری ہے تاکہ ۲۰ سال کا تعطّل ختم ہو۔
ن بارے میں ہمارا موقف واضح ہے، بھارت کے ساتھ ہمارا عارضی الحاق ہے۔

اور یہ تابع رائے شماری ہے ۔ ہم ریاست میں آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب چاہتے ہیں ۔ ریاست کے عوام کے حق خودارادیت کے لیے ہم ۱۹۴۷ء سے برسرپیکار ہیں اور جب تک عوام کو یہ حق نہیں ملتا ہماری جدوجہد جاری رہے گی ۔

ہند و پاک کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے شیر کشمیر کی ذات مؤثر ثابت ہو سکتی ہے اس لیے ان کو فوری طور رہا کیا جانا چاہیئے ۔

یہاں کے عوام خاص طور پر طالب علموں نے گزشتہ بیس سال کے دوران جو قید و [illegible] اور دیگر سختیاں برداشت کیں ، اور جن لوگوں نے گولیوں کو سینہ سپر ہو کر جام شہادت نوش فرمایا ۔ ان کی قربانیاں ہرگز ضائع نہیں ہونے دی جائیں گی ۔

ریاست جموں و کشمیر کے پچاس لاکھ عوام ۱۹۴۷ء کے تقسیم ہند سے ہی غیر یقینی صورت حال کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں ۔ ملک کے دو ٹکڑے ہو گئے ، باپ بیٹے سے بیوی خاوند سے اور ماں بیٹی سے کچھ اس طرح جدا ہو گئے کہ ملنے کی کوئی صورت ہی نہیں بنتی تجارت سب سے بڑا راستہ منقطع ہونے سے ملک کی اقتصادی حالت ابتر ہو گئی دو برسرپیکار فو[جوں] کے بالمقابل ہونے سے ملک کی بیشمار آبادی پامال ہو گئی ہے ۔ ۹ اگست ۱۹۵۳ء کا [illegible] نرغہ بھی انہی غیر یقینی حالات کا نتیجہ ہے ۔

۱۹۶۳ء تک جو دار و گیر ، ظلم و تشدد ، قتل اور قید و بند اور جھوٹے مقدمات کا جو سلسلہ رہا وہ بھی اس زنجیر کی کڑی ہے ۔

۱۹۶۵ء میں جبکہ جناب شیر کشمیر اور میں مرزا محمد افضل بیگ حج بیت اللہ پر تھے ریاست میں پکڑ دھکڑ کا نیا دور پھر سے شروع ہوا اس میں ظلم و ستم کے سکھے سکھائے طریقوں کو فرسودہ قرار دیکر ایسے نئے طریقے اختیار کیے گئے جو نازی جرمنی اور زار [illegible] کے لیے بھی موجب ننگ و عار ہے ، محاذ رائے شماری کے چھوٹے بڑے کارکنوں کو اندھا دھند گرفتار کر کے جیلوں میں بند کیا گیا ریاست میں گولیوں کا آزادانہ استعمال اس بات کی شہادت ہے کہ کشمیریوں کا خون ارزاں سمجھا گیا ۔ جموں میں پولیس کے دست [درازی] دراز کرنے پر انہیں معطل کیا جاتا ہے ۔ لیکن کشمیر میں لوگوں کو مارنے اور ان پر سختیاں کرنے کے صلے میں پولیس کو تمغے دیئے جاتے ہیں ۔

غرض محاذ رائے شماری کے ہزاروں کارکنوں کے ساتھ ساتھ طالب علموں [illegible]

سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے پیشواؤں اور کارکنوں کو قید و بند اور ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا ، حتیٰ کہ جن مسلم ملازمین کی نسبت حکومت کو شبہ گزرا کہ یہ حق خود ارادیت کے حامی ہیں گزشتہ کئی برسوں سے وہ بھی دار و گیر و مصائب و آلام سے بچ نہ سکے ہیں ، ابھی تک بہت سے طالب علم اور سیاسی ، مذہبی رہنما مسلم ملازمین مختلف جیلوں میں بند پڑے ہیں ۔

حالیہ ہند و پاک ٹینشن میں جو ملازمین معطل کیے گئے تھے ان کو ملازمتوں پر بحال کیا گیا اور ان کی تنخواہیں واگزار کی گئیں لیکن گذشتہ تین برسوں میں جو مسلم ملازمین شک کی بنا پر معطل کیے گئے ہیں ان کو نہ صرف بحال کرنے سے انکار کیا گیا بلکہ وہ اب تک جیلوں میں بند ہیں ۔ کئی مقامات پر گولیوں کے آزادانہ استعمال سے کئی وطن پرستوں کو شہید کیا گیا ۔

ہم ایسے شہداء کو مخلصانہ سلام پیش کرتے ہیں اور ان تمام مجاہدین کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جو اس دوران قید و بند اور انٹروگیشن سنٹروں میں مصائب سے گزر رہے ہیں ۔

حضرت شیر کشمیر جن کی عدم موجودگی اس وقت قوم شدت کے ساتھ محسوس کر رہی ہے ریاست سے سیکڑوں میل دور نظر بند ہیں ۔ محاذ رائے شماری کے بے شمار چھوٹے بڑے کارکن ایسے بھی ہیں جو طویل قید و بند کے بعد جیل سے باہر تو ہیں لیکن ان پر پیرول کی گلوگیر پابندیاں ابھی تک عائد ہیں جس سے ملک کی سیاسی زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے یہی حال باقی سیاسی تنظیموں کے کارکنوں اور طالب علموں کا ہے ۔

ریاست میں ایسی دہشت و بربریت کی فضا میں اسمبلی انتخابات کا ڈھونگ رچایا گیا ۔ الیکشن میں کیا کچھ دھاندلیاں روا رکھی گئیں اس کے عینی گواہ شری بلراج پوری اور کئی اصحاب ہیں جنہوں نے غیر مبہم الفاظ میں بیان کیا کہ الیکشن میں جعلی ووٹوں کا آزادانہ استعمال کیا گیا اور مخالف امیدواروں کو گرانے کے لیے مختلف حربے استعمال کیے گئے ۔ رائے عامہ اور اخبارات میں بھی ان انتخابات کو محض ایک دھوکا قرار دیا گیا ان ہی خدشات کے پیش نظر محاذ رائے شماری نے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا ۔

محاذ رائے شماری بار بار اس حقیقت کا اعلان کر چکا ہے کہ جب تک ریاست کے سیاسی مسئلہ کا منصفانہ اور حتمی حل نہ ہو تب تک موجودہ فضا میں یہاں آزادانہ انتخابات یا صالح انتظامیہ کی توقع رکھنا احمقوں کی دنیا میں رہنے کے مترادف ہے ۔

١٩٦٥ء میں ہندوستان بھر کی مخالف سیاسی پارٹیوں نے ڈی، آئی۔ آر کو خلاف انسانیت قرار دیا حتیٰ کہ ہندوستان کی عدلیہ نے بھی اس کی مذمت کی جس پر حکومتِ ہند نے تمام سیاسی مخالفوں کو جو ڈی، آئی، آر کے تحت محبوس تھے رہا کیا لیکن کشمیر کے عوام پر اس کو بدستور مسلّط رکھا گیا ہے۔ ڈی، آئی، آر کا رول اب صرف کشمیریوں کو پورے دباؤ کے ساتھ دن رات روندے جا رہا ہے غرض کہ ہر پہلو سے کشمیری جمہوریت اور صالح ایڈمنسٹریشن سے بالکل محروم ہیں۔

١٩٦٥ء کے ہندوپاک تصادم کے نتیجے میں علاقہ چھمب میں بے گھر ہوئے لوگوں کی بحالی کے لیے حکومت ہند نے لاکھوں روپے صرف کر کے انہیں از سر نو بسایا یہ اقدام قابلِ تعریف ہے لیکن ساتھ ہی یہ کسقدر بے انصافی ہے کہ راجوری کے ۵، ہزار آدمی جن میں مرد عورتیں بچے بوڑھے شامل ہیں انہیں واپس اپنے گھروں میں آنے کی اجازت اس لیے نہیں دی جاتی ہے کیونکہ یہ سب مسلمان ہیں۔ یہ امتیازی سلوک انصاف کے تقاضوں کے عین منافی ہے اور اس کے دوررس نتائج بہت خطرناک اور سنگین ہو سکتے ہیں۔

مسلمانانِ کشمیر کے یہ خدشات زور پکڑنے جا رہے ہیں کہ ریاست سے مسلمانوں کی بے دخلی اور انہیں ختم کیے جانے کی ایک منظم اسکیم روبہ عمل لائی جا رہی ہے۔

حالیہ ہندو ایجی ٹیشن جو ایک معمولی واقعہ کی آڑ میں چلائی گئی رفتہ رفتہ کچھ ایسی صورت اختیار کر گئی جو اسی اسکیم کی ایک کڑی دکھائی دیتی ہے حالانکہ معاملہ ایک انفرادی نوعیت کا تھا۔ ہندو ایجی ٹیشن کے زہر آلودہ اثرات ابھی تک فضا کو مسموم کر رہے ہیں، خنجر زنی، آگ زنی، پتھراؤ اور پریشان کن افواہیں اب بھی ہو رہی ہیں۔ لا اینڈ آرڈر کے فورسز بے اثر ہو گئے ہیں۔

ریاست بھر میں مسلمانوں کے جان و مال اور عزّت و آبرو پر جو خطرات منڈلا رہے ہیں۔ اس کی مؤثر حفاظت کی جائے اور ایسے عناصر کو سر نہ اٹھانے دیا جائے جو یہاں کی تباہی و بربادی کا باعث بنیں۔ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ سرینگر میں حالیہ کرفیو کے دوران کسی شخص کا شکل یا لباس سے مسلمان دکھائی دینا جان سے ہاتھ دھونے کے برابر ہو گیا تھا، غیر ریاستی پولیس اور فوج چن چن کر مسلمانوں کے

ساتھ جو برتاؤ کیا اس سے یہاں کے عوام کا ہندوستان سے رہا سہا اعتماد بھی اٹھ گیا۔ معلوم نہیں ایسے مسلم کُش واقعات پیش آنے پر حکومتِ ہند بے حس و حرکت اور خاموش بھی ہوئی ہے۔ محاذ رائے شماری کا یہ اجلاس سختی سے محسوس کرتا ہے کہ عوام کے مال جان عزّت و آبرو کی حفاظت کے لیے موثر و اطمینان بخش اقدام کیے جائیں جس سے عوام کا اعتماد بحال ہو اور جموّں کی اقلیت کی طرف فوری توجہ دی جائے جو تذبذب میں مبتلا ہیں محاذ رائے شماری کی نوٹس میں آیا ہے کہ صوبہ جموّں میں ہزاروں فرضی اسٹیٹ سبجیکٹ سرٹیفکیٹ غیر ریاستی باشندوں کو دیئے جا رہے ہیں اور ایسا ایک سوچی سمجھی فرقہ وارانہ اسکیم کے تحت کیا جا رہا ہے تاکہ ریاست کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کیا جائے۔

حالیہ ایجی ٹیشن سے ایک اور سوال ابھر آیا ہے جس کی طرف محاذ کی توجہ مبذول ہے یہ مسئلہ ریاست میں ملازمت، کالج کی نشستوں اور دیگر ٹریننگس وغیرہ میں فرقہ وارانہ تناسب کا ہے محاذ کی رائے میں سرکاری اداروں پر کسی ایک فرقہ کا اجارہ قائم کرنا نہ صرف ایڈمنسٹریشن کے لیے مہلک ہے بلکہ دوسرے فرقوں کے لیے ابتری حالت اور احساس کمتری کا باعث بن سکتا ہے۔

گذشتہ بیس سالہ سیاسی تعطل سے ریاست کی اقتصادی حالت تباہ و برباد ہو گئی ہے۔ ہماری رائے میں اس کا واحد علاج یہ ہے کہ مزید بہانہ سازی اور موشگافی کے بغیر آزاد کشمیر، گلگت، لداخ، جموّں و کشمیر یعنی ١٩٤٧ء سے پہلے کے اضلاع و اجزائے ریاست میں منصفانہ آزادانہ رائے شماری کے ذریعے ملک کے مستقبل کا فیصلہ طے کیا جائے، ہندوستان و پاکستان اور اقوام متحدہ اس معاہدہ کا پابند ہے، انسانیت امن اور جمہوریت کا واحد راستہ ریاستی عوام کی حقِ خود ارادیت ہے۔ ہندو پاک کی دوستی کا بھی یہی ذریعہ بن سکتا ہے۔"

محاذ رائے شماری کے بعد عوامی ایکشن کمیٹی نے اگلے سال اسٹیٹ پیوپلز کنونشن کا انعقاد کیا یہ ١٠ ر تا ١٥ ر اکتوبر ١٩٦٨ء تک جاری رہا۔ اس اسٹیٹ پیوپلز کنونشن میں صدر مجلسِ عمل مولوی فاروق نے اپنا موقف واضح کیا:۔

"اس کنونیشن کی غرض و غایت جو اسٹیرنگ کمیٹی نے بارہا واضح کر دی ہے یہ ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کا جو مسئلہ گذشتہ

اکیس برس سے کھٹائی میں ڈالا گیا ہے اس کے حل کرنے کے متعلق صلاح و مشورہ کیا جائے اس کنونشن میں صرف وہی لوگ شامل نہیں ہیں جو حق خود ارادیت کے حامی ہیں بلکہ جو اس کے خلاف ہیں وہ بھی مدعو ہیں اور ایسا کرنے کا مقصد یہی ہے کہ دونوں مکتب خیال کے اہل الرائے اصحاب ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سنیں اور ایک دوسرے کے دلائل کو عدل



(مولوی محمد فاروق)

و انصاف کی کسوٹی پر پرکھ کر اس گتھی کو پُرامن طریقے سے سلجھانے کی مخلصانہ کوشش کریں۔

کشمیر کے بارے میں جو اختلاف اور نزاع اکّیس سال سے چلا آرہا ہے وہ ریاست کشمیر کے عوام کے لیے مسلسل سوہانِ رُوح بنا ہوا ہے اس نزاع کی وجہ سے اس ریاست کے عوام خواہ مسلمان ہوں یا ہندو سکھ ہوں یا بُدھ یا اور کوئی فرقہ ایک غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہے، سکون کے بجائے بے چینی اور اضطراب اور مستقبل کے بارے میں غیر یقینیت کا ایک عذاب ہے جو ہر ایک پر مسلّط ہے اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی اور پاکستان و بھارت دو جدید ملک معرضِ وجود میں آئے تو دیسی ریاستوں کو ان دو آزاد شدہ مملکتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنے کا اختیار دیا گیا باقی سب ریاستوں نے اپنے اختیارات کا فوری طور پر استعمال کیا، ان میں سے اکثر بھارت کا حصّہ بن گئیں اور چند ایک پاکستان کے ساتھ شامل ہو گئیں اور دونوں جگہ اس شمولیت اور الحاق کو جغرافیائی اور تاریخی اور ثقافتی بنیادوں پر طے کیا گیا۔ کشمیر اور حیدر آباد ایسی دو بڑی ریاستیں باقی رہ گئیں جو بر وقت الحاق کا فیصلہ نہ کر پائیں مجھے حیدر آباد کے انجام اور اس کی تفصیلات میں جانا نہیں ہے، میرے

سامنے اس وقت کشمیر کا ہی سوال ہے، کشمیر نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کے بعد کوشش کی کہ وہ کوئی ایسا راستہ نکالے جو دونوں ملکوں کے ساتھ اچھّے تعلقات استوار کرنے پر مبنی ہو، اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ کشمیری عوام کا بڑا حصّہ اگرچہ ہندوستان کے مقابلے میں بہت سے قدرتی عوامل کی وجہ سے پاکستان کے ساتھ رہنے کو زیادہ ترجیح دیتا تھا۔ لیکن دلوں میں یہ بات بھی جاگزیں تھی کہ کسی نہ کسی حد تک یہ ریاست اپنے تاریخی علیحدہ وجود کو بھی قائم رکھے اور اس کے ساتھ ہی دو میں سے کسی ایک ملک سے الحاق کرے یہ جذبہ سیاسی رہنماؤں میں ہی نہیں بلکہ اس وقت کے مہاراجہ کے دل میں بھی جاگزین تھا۔ لیکن حالات جس تیزی کے ساتھ تبدیل ہو رہے تھے اور تقسیم ہند نے دو بڑی قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی بد اعتمادی اور عداوت کی جو آگ مشتعل کر دی تھی وہ اس تیزی سے بھڑک رہی تھی کہ مرنے والوں اور گھروں سے بے گھر ہونے والوں کی چیخ و پکار کے شور و غل میں کسی مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے کی مہلت ہی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ تقسیم شدہ برصغیر کے صوبہ پنجاب کے دو حصّے مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب جموں و کشمیر کے حدود کو ہر طرف گھیرے ہوئے تھے مشرقی پنجاب سے چالیس لاکھ مسلمان بزورِ شمشیر جلا وطن کیے جا رہے تھے اور مغربی پنجاب سے بھی قریباً اتنے یا اس سے زیادہ ہندو اور سکھ اس کے ردّ عمل کا شکار ہو رہے تھے، اور اس طرح دونوں پنجابوں میں مظلوم انسانیت کے دو سیلاب بہہ رہے تھے اور مایوسیوں کے بادلوں کے نیچے غیر معین مستقبل کی طرف بڑھ رہے تھے، یہ ناممکن تھا کہ ایک کروڑ کے قریب انسان جب ریاست جموں و کشمیر کی سرحدوں کے چاروں طرف وقت کے اس خوفناک جنون میں مبتلا ہوں تو اس کا اثر ریاست جموں و کشمیر کے اندر نہ پڑے، اور وہ اثر پڑا۔ جموں، کٹھوعہ اور میرپور کے ضلعوں میں وہی صورت حال پیدا ہو گئی مہاراجہ ہری سنگھ کی فوجی طاقت ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو گئی۔

اسی دوران بھارت کے ساتھ ایک عارضی الحاق کیا گیا جو تابع رائے شماری رکھدیا گیا، جن حالات میں الحاق کا اقدام کیا گیا وہ مشروط رکھ دیا گیا۔ جن حالات میں الحاق کا اقدام کیا گیا وہ مشروط تھا اور انتہائی مجبوری کی حالت میں اٹھایا ہوا اقدام تھا۔

اگر لفظوں میں وہ شرطیں نہ بھی ہوتیں تب بھی جن حالات میں الحاق کا اقدام کیا گیا تھا، دنیا کبھی بھی اس کو ایک قوم کا رضامندانہ الحاق قرار نہ دیتی ـــ پھر اس کے بعد اس الحاق کی عارضی نوعیت کو اتنی بار دُہرایا گیا ہے۔ ہند کے پارلیمنٹ میں کیے گئے اعلانات میں اور حکومت کے ان خطوط میں جو پاکستان کو لکھے گئے اور اس حکومت کے ان بیانات میں اور تقریروں میں جو انجمن اقوام متحدہ کے اجلاسوں میں کی گئیں کہ اس کا شمار ہی مشکل ہے اور ان سب دستاویزات کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے ان حقایق کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہمارا موقف یہی ہے کہ الحاق کا فیصلہ آج تک نہیں ہوا جو کچھ ہوا وہ عارضی اور وقتی انتظام ہے اور الحاق کا آخری فیصلہ وہی ہوگا جو اس ریاست کے عوام اپنے آزادانہ ووٹ سے غیر جانبدرانہ نگرانی میں کریں گے۔

مزید اس سلسلے میں ہمارا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ آزادانہ رائے شماری ہی تنازعہ کشمیر کو ختم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، نہ صرف اس وجہ سے کہ رائے شماری دنیا کے مسلمہ اصول خودمختاری اقوام کے مطابق ہے اور انسان کے پیدائشی حق، حقِ خودارادیت کی بہترین تعبیر ہے بلکہ اس لیے بھی کہ ہندوستان نے ۱۹۴۷ء سے لے کر مسلسل کئی برسوں تک اس کا سب سے زیادہ چرچا کیا ہے پاکستان نے بھی اس اصول کو تسلیم کر لیا ہے اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء والی تجویز میں "حق خودارادیت" کے اصول کے مطابق رائے شماری کے ذریعے تنازعہ کشمیر کو طے کرنے کا فیصلہ دیا ہے۔

ان حالات میں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تنازعہ کشمیر کو حل کرنے کے لیے اس سے بہتر فارمولہ کون سا ہوگا اور کون اس فارمولے کو تلاش کرے گا، اور پھر اس نئے فارمولے کو کون منوائے گا اور کون مانے گا یہ سب باتیں جب ذہن میں آئی ہیں تو نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ جس اصول حقِ خودارادیت کو عملی شکل دینے کے لیے اور اس کی بنا پر قضیہ کشمیر کو طے کرنے کے لیے ہم اب تک جدوجہد کرتے آئے ہیں اور جس کی تائید کے لیے مسلسل قربانیاں دی گئی ہیں جس کے لیے ہمارے نوجوانوں نے بارہا سینے پر گولیاں کھائی ہیں، قید و بند کی مشکلیں برداشت کی ہیں۔ انٹروگیشن کی ذہنی روحانی اور جسمانی، دردناک اذیتیں جھیلی ہیں۔ عوام نے اپنے گھر بار لٹا دیئے ہیں اور کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا اس اصول کو منوانے کے لیے ہم مزید جدوجہد پورے صبر و استقلال کے ساتھ جاری رکھیں۔ یہی ہمارا موقف ہے۔

اتنی ساری قربانیوں کے باوجود اگر عوام کو ان کا حق نہیں ملتا تو ہمیں ان کی قیادت کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

ہندوستان کا یہ دعویٰ کہ پاکستان اس مسئلے کا کوئی فریق نہیں ہے حقائق کو جھٹلانے کے مترادف ہے، ہندوستان سمجھتا ہے کہ اگر پاکستان کو تنازعہ کشمیر کے میدان سے باہر دھکیل دیا جائے تو کشمیر جیسے کمزور فریق کے ساتھ معاملہ نمٹانے میں کوئی مشکل نہیں حالانکہ پاکستان کو فریقانہ حیثیت خود ہندوستان نے دی ہے اور آج نہیں بلکہ ۱۹۴۷ء سے ہی یہ حیثیت پاکستان کو حاصل ہے۔

زیر بحث مسئلہ صرف الحاق ہے اور الحاق نہ صرف جموں و کشمیر کی زمین کا ہندوستان پاکستان کی زمین کے ساتھ کرنا ہے بلکہ اس ریاست کے باشندوں کا دو ملکوں میں سے کسی ایک ملک کے باشندوں کے ساتھ کرنا ہے اور اس لحاظ سے دو ملکوں میں سے وہ کون ہے جو مسئلہ کشمیر کا فریق بننے کی زیادہ اہلیت رکھتا ہے؟ جواب یہی ہوگا کہ پاکستان

کو اس معاملے میں زیادہ دخل ہونا چاہیئے کیونکہ ریاست میں رہنے والے لوگ اپنی زبانوں کے لحاظ سے تجارتی اور اقتصادی تعلقات کے لحاظ سے جتنا تعلق ریاست کے متصل علاقہ ہائے پاکستان کے ساتھ رکھتے ہیں اور یہ حیثیت بھی پاکستان کو تنازعہ کشمیر میں ایک فریق کا درجہ دینے کے لیے کافی ہے۔

کشمیر کے مسئلے کو انتخابات کے ساتھ خلط ملط کرنے کا بھی یہاں ایک عجیب سلسلہ چلایا گیا ہے، جہاں تک انتخاب لڑنے کا سوال ہے میں پبلک اداروں کے انتخابات میں حصّہ لینے کا مخالف نہیں ہوں کوئی بھی جمہوریت پسند انسان عوامی انتخابات میں حصّہ لینے سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن کسی ادارے کے وقتی اور مقامی حیثیت رکھنے والے انتخاب کو جب رائے شماری ریفرنڈم اور بڑے بڑے ہیبتناک اور رُعب دار ناموں سے پکارا جائے اور یہ کہا جائے کہ قضیہ کشمیر کا فیصلہ انتخاب کے ذریعے کیا جا سکتا ہے تو میں نہ صرف ایسے انتخابات کو خطرناک اور فریب کارانہ قرار دیتا ہوں بلکہ اس امر کی مخالفت کرنا اپنا اوّلین فرض سمجھتا ہوں۔

سب سے زیادہ جو بات انتخابات سے کنارہ کش کرنے پر ہم کو مجبور کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس چیز کو رائے شماری کا نعم البدل قرار دیا جاتا ہے۔ انتخابات کو رائے شماری کا نعم البدل قرار نہ دیا جائے تو عوامی مجلس عمل ایسے انتخابات میں حصّہ لینے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرے گی۔ ہم جمہوریت میں یقین رکھتے ہیں اور اسی لیے مسئلہ کشمیر کو رائے شماری سے طے کرانے کی حمایت کرتے ہیں۔

جو لوگ الحاق کو طے شدہ سمجھتے ہیں وہ تاریخی واقعات کو نظرانداز کر دیتے ہیں کیا یہ واقعہ نہیں کہ ایک زمانے میں کشمیر کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ بجز بیرونی تحفظات و دفاع امور خارجہ اور کچھ ایک آدھ دوسری بات کے سوا باقی سب امور میں ریاست جموں وکشمیر کو خود مختار اور

آزاد ریاست قرار دینے کے وعدے کیے گئے تھے، لیکن جب مرکز کے صاحب اقتدار لوگوں کی نیت میں تبدیلی آگئی تو انہوں نے اپنی آنکھیں پھیر لینے میں ذرّہ بھر تامّل نہ کیا جس کے نتائج سب کے سامنے ہیں، ایسے حالات میں کوئی خود مختارانہ حیثیت کو قائم رکھنے کی ضمانت کون دیگا صرف ایک مشکل کو جب زیر غور لایا جاتا ہے تو آئین ہند کی حدود کے اندر اندر کشمیر کے مستقبل کا کوئی فارمولہ تجویز کرنے کا مطلب ہی فوت ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ بھی اس تجویز میں بہت سی خامیاں اور تضاد ہیں جن کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔

میں اپنا یہ موقف پھر دُہراتا ہوں کہ ہم کشمیر کے الحاق کو طے شدہ مسئلہ نہیں مانتے۔ ہمارا ایمان ہے کہ مجوزہ بندوبست عارضی ہے کیونکہ آج تک عوام کو اپنی رائے کے اظہار کا موقع نہیں دیا گیا جس کا ان کے ساتھ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں وعدہ کیا گیا تھا۔

جموں وکشمیر کے فیصلے کو چونکہ بذریعہ رائے شماری طے کرنا محض ہمارا سیاسی مطالبہ نہیں بلکہ ایک ایسا وعدہ ہے۔ جو ہم سے ہندوستان اور پاکستان دونوں نے کر رکھا ہے۔

رائے شماری ہمارا ایک آئینی حق بنتا ہے، ایسا آئینی حق جو نہ صرف اپنی جمہوریت پرستانہ روح کے لحاظ سے بین الاقوامی فیصلے کا درجہ رکھتا ہے، اس لیے اس مطالبے کا متبادل اور قائم مقام کوئی دوسرا حل نہیں بن سکتا۔"

محاذ رائے شماری اور عوامی ایکشن کمیٹی کے مسئلہ کشمیر کے بارے میں
...ی کے مشترکہ موقف کو دیکھا جائے تو ایک بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ عوامی ایکشن
...ی اپنی سیاسی دکان پر رائے شماری" کا سودا فروخت کر رہی ہے۔ کبھی اسے
...ن میں اور کبھی تھوک میں بیچتی ہے اور خوب نفع کما رہی ہے۔ حالانکہ "رائے
...ی" کے ساتھ نہ اُسے کوئی دل چسپی ہے۔ اور نہ ہی اس کی ضرورت

محسوس کی جارہی ہے۔

رہی محاذ رائے شماری انھوں نے اقتدار کے عوض اپنے بنیادی موقف کے ساتھ جو حشر کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اپنے موقف کو دہراتے ہوئے انھوں نے مرکزی سرکار اور ریاستی سرکار پر جتنے سارے الزامات عائد کیے اقتدار حاصل کرنے کے بعد یہ سارے الزامات ان پر بھی لاگو ہوگئے۔ اس طرح ریاستی عوام کے ساتھ محاذ رائے شماری نے جو سلوک کیا ایسا سلوک کوئی اپنے بدترین دشمن کے ساتھ بھی نہیں کر سکتا۔

نادم ہوں اب گلابوں کی فصلیں اُگا کے میں
خوشبو کے زخم زخم دریچے میں قید ہوں

اسٹیٹ پیوپلز کنونشن کا انعقاد

محاذ رائے شماری کے توڑنے کی شروعات

مارچ ۱۹۷۰ء کی چار تاریخ کو شیخ عبداللہ بذریعہ طیارہ سرینگر آگئے تو حسب روایت لوگوں نے ان کا بڑی گرمجوشی سے سواگت کیا۔ انھوں نے مجاہد منزل میں ایک عوامی جلسے سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:



"..... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے موقف پر میں اسی طرح کاربند ہوں جس طرح پہلے تھا۔ مجھے عوام کے مفاد عزیز ہیں اور ان مفادات کے ساتھ میں کسی کو بھی کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتا، اپنے نصب العین کے حصول کے لیے میں اور میرے ساتھی اپنی جانیں تک نذر کرنے میں کسی قسم کا پس و پیش نہیں کریں گے۔ بعض مفاد پرست جن کی عوام میں کوئی ساکھ نہیں ہے۔ آپ کا ذہن مختلف باتیں بنا کر پراگندہ کر رہے ہیں، لیکن آپ کو یہ جاننا چاہیے اگر ہم نے اپنے موقف پر کسی قسم کی سودا بازی چاہی ہوتی تو ہمیں چودہ سال کی طویل قید و بند میں رہنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں ایسے لوگوں کو جو یہاں مختلف قسم کے شوشے پھیلاتے

ہیں، ان کو خبردار کرتا ہوں کہ وہ کبھی اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہیں ہوں گے وہ جو بھی کوئی مخالف قدم اٹھائیں گے لیکن کشمیری عوام کے اس حق کے ساتھ کھیلنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے جو ان کو قدرت کا دیا ہوا حق ہے۔

ہمیں اس کا کوئی غم نہیں کہ اس جدوجہد میں ہمیں بیس برس لگتے ہیں۔ یا سو سال اگر اس جدوجہد میں خود شیخ عبداللہ کی جان بھی جاتی ہے تو اس کی خاکستر سے لاکھوں شیخ عبداللہ پیدا ہوں گے جو اس حق کے حصول کے لیے جدوجہد جاری رکھیں گے۔

ہم صرف اتنی سی بات کہہ رہے ہیں کہ کشمیر ہمارا ہے، اور ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم اپنے ملک کا خود فیصلہ کریں"۔

اس موقع پر یہ نعرے دیئے گئے۔

یہ ملک ہمارا ہے ——— اس کا فیصلہ ہم کریں گے
جس کشمیر کو خون سے سینچا ——— وہ کشمیر ہمارا ہے

سرینگر میں اپنے قیام کے دوران شیخ عبداللہ اور اس کے رفقاء نے محاذِ رائے شماری پر بڑی گہرائی سے سوچ بچار کیا، شیخ صاحب کا خیال تھا "محاذ رائے شماری" کے ساتھ ہمارے مقاصد وابستہ نہیں اور اس کی وجہ سے ہم مرکزی سرکار کے عتاب کا شکار رہیں گے، لہٰذا بہتر یہی رہے گا کہ اس نام کو تبدیل کیا جائے۔

منشی محمد اسحٰق نے شیخ صاحب کی اس رائے کے ساتھ اختلاف کیا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ "محاذ رائے شماری کے ساتھ عوام نے اپنے آپ کو وابستہ کر لیا ہے اگر ہم نے اس کو توڑ دیا تو ہم عوام سے کٹ جائیں گے۔

مرزا افضل بیگ نے اس نام کو فی الحال جوں کا توں رکھنے کا مشورہ دیا، کافی بحث و مباحثہ کے بعد ریاست کے مختلف مکتبہ ہائے فکر سے تعلق رکھنے والی شخصیات، دانشوروں اور دوسری جماعتوں کے سربراہوں کا ایک اسٹیٹ پیول کنونشن منعقد کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔

چنانچہ اس کی شدومد کے ساتھ تیاریاں شروع ہو گئیں۔

کاغذات مکمل ہونے لگے، قراردادیں ترتیب دی جانے لگیں اور مہمانوں کو کنونشن میں شرکت کے دعوت نامے ارسال کیے جانے لگے۔

۸ رجون سے لیکر ۱۳ رجون ۱۹۷۰ء تک مجاہد منزل میں کنونشن جاری رہا۔ اس میں کوئی دو سو کے قریب مندوبین شامل تھے، چونکہ پاکستانی مندوبین کو کنونشن میں شامل ہونے کے لیے بھارتی حکمرانوں نے ویزا دینے سے انکار کیا، اس لیے وہ نہیں آسکے۔

مقامی طور پر اس میں بخشی غلام محمد، غلام محی الدین قرہ، پریم ناتھ بزاز، مولوی فاروق سیف الدین قاری، مولوی عباس انصاری، شمیم احمد شمیم بلراج پوری وغیرہ شامل ہوئے کنونشن کے افتتاح کے لیے سروودے لیڈر جے پرکاش نرائن کو دعوت دی گئی تھی، چنانچہ انہیں ہوائی اڈے سے ایک جلوس کی صورت میں جلسہ گاہ تک لایا گیا۔

جے پرکاش نرائن بھارتی لیڈروں میں وہ واحد لیڈر تھے جو کشمیری عوام کے حق خودارادیت کی بھرپور حمایت کیا کرتے تھے اور بھارت و پاکستان کو کشمیریوں کے ساتھ کیے گئے وعدے نبھانے پر زور دیتے رہے تھے۔

کشمیری عوام جے پرکاش نرائن سے ایک آس لگائے بیٹھے تھے اور اسی امید سے ان کا پُرتپاک استقبال کیا گیا۔

جے پرکاش نرائن نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا:۔

" میں کشمیریوں کے حق خودارادیت کا حامی رہا ہوں اور ان قربانیوں کی دل سے داد دیتا ہوں جو شیخ صاحب کی قیادت میں کشمیریوں نے دی ہیں لیکن ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد صورت حال میں ایک بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے اب کشمیر کا حل صرف انڈین یونین



(جے پرکاش نرائن)

کے آئین کے ڈھانچے کے اندر ہی دریافت کیا جا سکتا ہے۔"

جے پرکاش نرائن کے اس بیان سے جلسہ گاہ کے اندر تھوڑی دیر کے لیے ایک سنّاٹا سا چھا گیا۔ جو سامعین جے پرکاش نرائن سے حقِ خود ارادیت کی حمایت سُننا چاہتے تھے۔ انہیں بڑی مایوسی ہوئی، سب سے زیادہ مایوسی کشمیری عوام کو ہوائی جو ان پر ایک آس لگائے بیٹھے تھے۔ بعض اشخاص نے اس بیان کو خوش فہمیوں میں مبتلا کرنے کے بجائے حقایق سے روشناس کرانے کا بیان قرار دیا۔ کنونشن کے دوسرے سیشن کی صدارت خود شیخ عبداللہ نے کی اور انھوں نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا

"یہ محل اور موقع جو اس کنونشن میں حصّہ لینے والے معززین کو میسّر ہے ایسا نہیں کہ اس کو ماضی کے گڑے مُردے اکھاڑنے، نکتہ چینیوں یا الزام تراشیوں اور اُن کا جواب دینے کے لیے استعمال کیا جائے، جو بیتا سو بیت گیا، اس پر ہمیں نہ غصّہ ہے نہ کینہ، ہم اس کنونشن میں اگر ماضی کے واقعات کا جائزہ لیں گے جو ہمیں لینا ہی ہوگا کیونکہ اس کے بغیر مستقبل کی صحیح تصویر مرتّب نہیں ہوسکتی تو یہ جائزہ لینے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہوگا کہ ہم موجودہ تعطّل کا کوئی حل نکال لیں۔ ہم یہاں اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ ہم اُس بنیادی مسئلے پر سوچیں کہ یہاں کے عوام کی مشکلات کیسے ختم کی جائیں کونسا طریقہ اس گتھی کو سلجھانے کے لیے اختیار کیا جائے تا کہ عوام غربت، جہالت، علالت اور ان کے مفلوج کُن اثرات سے نجات حاصل کریں......"

شیخ عبداللہ نے اپنی صدارتی تقریر میں کشمیر کی حق خود ارادیت اور رائے شماری کا مطالبہ دُہرانے کے بجائے جب غربت جہالت اور علالت کا ذکر کیا تو سامعین کا ایک بڑا حصّہ مایوس ہوگیا۔ عوامی حلقوں میں بھی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

افتتاحی تقریر کے بعد جب محاذ کے چند اراکین نے شیخ صاحب کی توجہ اس بات کی طرف دلائی تو شیخ صاحب نے ٹال مٹول سے کام لیا البتہ سمجھنے والے سمجھ گئے انھوں نے ہند یونین کے دائرے کے اندر مسئلہ کا حل ڈھونڈنا شروع کیا ہے۔

دوسرے دن حضوری باغ میں ایک جلسہ عام ہوا۔ شیخ عبداللہ نے اپنی تقریر

میں عوام سے مخاطب ہو کر فرمایا؛

"حق خود ارادیت قوموں کا بنیادی حق ہے اور آزادی دی نہیں بلکہ لی جاتی ہے، نامساعد حالات سے نوجوانوں کا حوصلہ پست نہیں ہونا چاہیئے اور انہیں اس بات پر کامل یقین رکھنا چاہیئے ہم جس مقصد کے لیے میدان کارزار میں اُترے ہیں وہ مقصد حاصل کرتے رہیں گے"۔

شیخ عبداللہ کی آدھ گھنٹے کی تقریر جس میں مسئلہ کشمیر سلجھانے کے بجائے بھارت کی طرف سے الجھانے کا ذکر کیا گیا اور کشمیری عوام کو اپنا حق حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کا راستہ اختیار کرنے کا درس دیا گیا تو اس سے جے پرکاش نرائن ناراض ہوگئے۔ ڈائس پر موجود افراد اس بات کے گواہ ہیں جے پرکاش نرائن نے شیخ صاحب کی اس تقریر پر شدید ناراضگی کا اظہار کیا اور جب شیخ صاحب تقریر ختم کر کے بیٹھ گئے تو انھوں نے جے پرکاش نرائن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ان سے کہا۔

"نرائن جی! لگتا ہے آپ کو میری یہ تقریر ناگوار گزری، آپ کو جاننا چاہیئے کشمیری عوام کے سامنے ہمیں اسی قسم کی تقریر کرنا پڑتی ہے کیونکہ ہمیں کشمیری عوام کا حوصلہ قائم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر میرے دل میں ہندوستان کے بارے میں نفرت کا جذبہ ہوتا تو میں آپ سے کیوں کہہ دیتا، آپ حاضرین مجلس کو ہندوستان کے دائرے کے اندر مسئلہ کشمیر کا حل ڈھونڈنے کا مشورہ دیں تا کہ کوئی غلط فہمی باقی نہ رہے۔"

شیخ عبداللہ کے اس اظہار سے دو باتیں واضح ہوجاتی ہیں؛

ایک یہ کہ جے پرکاش نرائن نے کنونشن کے افتتاحی اجلاس میں حاضرین کے سامنے جو واضح کر دیا کہ ۱۹۶۵ء کے جنگ کے بعد صورت حال تبدیل ہوگئی ہے اور مسئلہ کشمیر کا حل صرف بھارت کے دائرے کے اندر ڈھونڈا جا سکتا ہے یہ دراصل جے پرکاش کی نہیں بلکہ شیخ عبداللہ کی تجویز تھی جس کا اظہار جے پرکاش کے منہ میں زبان رکھ کر کیا گیا۔

دوسری اہم بات یہ آشکارا ہوجاتی ہے کہ شیخ محمد عبداللہ مسئلہ کشمیر کی تحریک

کے دوران کشمیری عوام کے سامنے جو جوشیلی اینٹی انڈیا تقریریں کر رہے تھے وہ محض لوگوں کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے کر رہے تھے، انہیں جب محسوس ہوتا یا اپنا کوئی قریبی ساتھی ان سے کہدیتا عوام آپ کی زبان سے جو کچھ سننا چاہتے ہیں وہ آپ نے ان کو سنایا نہیں تو وہ فوری طور پر اس کا ازالہ کر کے اور عوام کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر وہی کچھ کہدیتے جو لوگ چاہتے، حالانکہ یہ ان کے دل کی آواز نہیں ہوتی، جے پرکاش نرائن سے یہ کہدیتا کہ ہمیں کشمیری عوام کے سامنے اس قسم کی تقریریں کرنا پڑتی ہیں تا کہ ان کا حوصلہ قائم رکھا جاسکے، اِس بات کی دلیل ہے کہ کشمیری عوام کے سامنے اسٹیج پر وہ جو کچھ بھی کہتے یا کرتے محض ایک ڈرامہ یا اداکاری ہوتی اور کچھ نہیں۔

چونکہ کشمیری عوام اس اداکاری سے ناواقف تھے اور وہ ڈراما کو حقیقی زندگی سمجھ رہے تھے اسی لیے وہ تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کر رہے تھے، اپنی عزیز جانیں گنوا رہے تھے ــــ اگر اس بات کو اپنے لیڈر کی طرف سے انسانیت سوز استحصال کہا جائے تو ہرگز غلط نہیں ہوگا۔

اسٹیٹ پیوپلز کنونشن میں شریک ہونے کے دوسرے لیڈران کے ساتھ وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق کو بھی دعوت نامہ دیا گیا تھا لیکن وہ اس کنونشن میں شریک نہیں ہوسکے۔ کنونشن میں شریک بعض حضرات کا خیال تھا بھارت کا آلہ کار ہونے کے ناطے اور اپنی وزارت کا لحاظ رکھ کر صادق صاحب نے اس کنونشن میں حصّہ نہیں لیا۔ لیکن صادق صاحب بخوبی جانتے تھے مجاہد منزل کے اسٹیج پر کنونشن کے نام پہ ایک ڈرامہ ہوگا اور بس!

صادق صاحب نے مجھے بتا دیا مرکز کی طرف سے مجھے یہ اطلاع مل گئی تھی کہ شیخ عبداللہ محاذ رائے شماری توڑنے اور الحاق کو تسلیم کرنے کے لیے راضی ہوگئے ہیں اب صرف مسئلہ اقتدار باقی رہ گیا ہے لہٰذا ان کے ساتھ رابطہ قائم کیا جائے۔

صادق صاحب کو مرکز سے جو اطلاع ملی تھی اس میں ان کے اقتدار کے چلے جانے کا خدشہ تھا لہٰذا انھوں نے شیخ صاحب کے ساتھ رابطہ رکھنے میں کوئی دل چسپی نہیں لی۔

کنونشن سے فارغ ہو کر جب جے پرکاش نرائن دہلی روانہ ہوگئے تو اگلے روز انھوں نے مسز اندرا گاندھی سے ملاقات کی اور انھیں کنونشن کی روداد سُنا دی، جے پرکاش نرائن

نے مسز اندرا گاندھی کو شیخ صاحب کے ساتھ بات چیت کرنے اور انھیں پاکستان ...نے کی رائے دی، مسز اندرا گاندھی نے اُن سے کہا۔

"میں شیخ صاحب سے اُن کے دہلی میں قیام کے دوران مل چکی ہوں، انھوں ... اپنے ذہن سے پاکستان نکال دیا ہے آپ ایسی تجویز سے ان کے اندر پھر پاکستان ...ر رہے ہیں ــ اگر ان کو بات چیت کرنی ہے تو ہمارے ساتھ کرے۔"

چنانچہ جے پرکاش نرائن نے شیخ محمد عبداللہ اور مسز اندرا گاندھی کے درمیان ...بر کا کام شروع کیا۔

۹ نومبر کو جے پرکاش نرائن نے شیخ صاحب کو ایک خط کے ذریعے دہلی آنے اور مسز ...ا گاندھی سے براہ راست بات چیت کرنے کا مشورہ دیا۔ شیخ صاحب نے ۱۵ نومبر کو ... محمد افضل بیگ کو اس سلسلے میں دہلی روانہ کیا۔ تین دنوں تک دہلی میں قیام کرنے ... بعد جب بیگ صاحب واپس سرینگر آگئے تو دہلی سے وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کو بلاوا ...ا۔

صادق صاحب ۲ دو دنوں تک دہلی میں قیام کے بعد سرینگر واپس آگئے تو اپنی ...ی پر نجی گفتگو کے دوران انھوں نے اپنی کابینہ کے بعض ارکان کو بتایا:

فریقین کے درمیان معاملات طے ہونے کی گنجائش نکل آئی ہے، محاذ کے لیڈر ...رائے شماری توڑنے اور بھارت کے ساتھ ریاست کا الحاق تسلیم کرنے میں راضی ... گئے ہیں، وہ ۱۹۵۳ء کی بحالی چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں وزیر اعظم مسز اندرا ...ھی ہماری رائے جاننا چاہتی ہیں۔

صادق صاحب کی کوٹھی پر نجی گفتگو میں شیخ محمد عبداللہ کے موقف کی تبدیلی ...کرہ کانا پھوسی میں بدل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ادارے سے دوسرے ...ے میں جا پہنچا تو محاذ رائے شماری کے بعض اراکین جن میں منشی محمد اسحٰق، صوفی ...کبر غلام محمد بٹ، عطاء اللہ سہروردی اور غلام رسول کوچک وغیرہ شامل تھے ... صاحب سے ملاقاتی ہوئے اور ان سے صادق صاحب کے اس انکشاف کے ...ہیں حقایق دریافت کرنے لگے تو شیخ صاحب ان پر برس پڑے اور غصیلے لہجے ...لے:۔

"آپ لوگ کیا چاہتے ہیں کیا میں زندگی بھر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کروں اور دو ٹکے کے لوگ عیش کریں۔ حکومت کے مزے لوٹیں، آپ لوگ دیکھ رہے ہیں جن لوگوں کو ہم منہ نہیں لگاتے تھے وہ حکمراں بن کر کتنی شان سے جی رہے ہیں، دولت، عزت سب ان کے پاس ہے ہمارے پاس کیا ہے ہم گھاس کاٹ رہے ہیں۔"

شیخ صاحب کی زبانی ایسا سنکر یہ سب ششدر رہ گئے۔ اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، شیخ صاحب نے ان سبھوں کے لٹکے چہرے دیکھے تو ایک دم موڑ بدل کر قسمیں کھاتے ہوئے کہا۔

"یہ سب غلط بیانی ہے۔ ہم رائے شماری محاذ کو توڑ کر الحاق تسلیم کریں اس سے بڑھ کر اور کیا بے ایمانی اور غداری ہو سکتی ہے، آپ لوگ یقین رکھیں ہم ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جس سے ہمارے بنیادی کاز کو نقصان پہنچ سکے۔"

شیخ صاحب کے ایک ہی لحظے کے دو مختلف روپ دیکھ کر سبھی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے لیکن حقیقت پر سے آہستہ آہستہ جب پردہ اٹھنے لگا تو محاذ کے ایک اہم لیڈر الحاج منشی محمد اسحٰق نے پریس کانفرنس میں اس بات کا اظہار کر دیا:۔

"محاذ رائے شماری کی قیادت بنیادی موقف سے انحراف کر رہی ہے اور اقتدار کے عوض ہندوستان کے ساتھ سمجھوتہ کرنا چاہتی ہے۔"

اس اخباری بیان پر شیخ صاحب اور بیگ صاحب دونوں سخت برہم ہوئے انہوں نے منشی محمد اسحٰق اور ان کے دیگر چند ساتھیوں کو بے ایمان، کذاب اور غدار کہہ کر انہیں پارٹی سے نکال دیا۔

محاذ رائے شماری کی قیادت نے منشی اسحٰق اور ان کے چند ساتھیوں کو پارٹی سے نکال تو دیا لیکن تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے تھے۔

بعض سرکردہ حضرات کو جب پتہ چلا بے ایمانی، کذابی اور غداری کے مرتکب الحاق منشی اسحٰق نہیں بلکہ خود شیخ صاحب اور بیگ صاحب ہو رہے ہیں تو انھوں نے اس کا برملا اظہار کیا، بات اخبارات کے ذریعے عوام تک پہنچی تو سرینگر اور وادی کے

دوسرے قصبوں میں نوجوانوں اور طلباء نے لیڈر شپ کے خلاف مظاہرے شروع کیے۔ سرینگر اسلام آباد، بارہمولہ سوپور اور ہندواڑہ میں زبردست مظاہرے ہوئے سرینگر میں لاٹھی اور ٹیئر گیس کا بھرپور استعمال کیا گیا۔ کوئی ڈیڑھ سو کے قریب طلباء اور جوان گرفتار کر لیے گئے۔ سرینگر میں حالات خراب ہوتے ہی ۲۴ گھنٹے کا کرفیو نافذ کیا گیا زینہ کدل پل کو جلانے کی ناکام کوشش کی گئی۔



(مظاہرین پر لاٹھی چارج ٹیئر گیس کا استعمال)

محاذ رائے شماری کے پالتو غنڈوں نے پارٹی لیڈر کے اشارے پر حکومت کا بھرپور ساتھ دیا ان کی نشاندہی پر سینکڑوں جوانوں کو گرفتار کرایا گیا۔

۹ راگست ۱۹۵۳ء کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب طلباء اور عوام کو دبانے کے لیے پولیس اور محاذ کے ورکر ایک دوسرے کا ساتھ دے رہے تھے۔

اس قسم کی کاروائی سے وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق نے مسز اندرا گاندھی کو یہ ثبوت بہم پہنچایا کہ میں شیخ صاحب اور ان کی جماعت کا کس قدر تعاون دے رہا ہوں۔ حقیقت میں وہ عوام میں ان کی امیج خراب کر رہے تھے اور عوام کو ان کا اصلی روپ دکھا رہے تھے۔

خواجہ غلام محمد صادق شیخ عبداللہ کی امیج خراب کرنے لگے تو مسز اندرا گاندھی نے ناراضگی کا اظہار کیا، چنانچہ اس ناراضگی کا بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے سید میر قاسم نے ممبران اسمبلی کی ایک الگ ڈفلی ترتیب دی تاکہ وہ صادق صاحب پر عدم اعتماد کر کے وزیر اعلیٰ کی کرسی حاصل کر سکیں جب صادق صاحب نے ان کی ایک بھی چلنے نہیں دی تو قاسم صاحب اپنے حمایتی ممبران کو لے کر دہلی گئے، جہاں وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے ان کی ایسی درگت بنا دی کہ انہیں وہاں سے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

مسز اندرا گاندھی نے انہیں صاف صاف بتا دیا جن ممبران کو لے کر آپ یہاں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے آئے ہیں۔ میں جانتی ہوں آپ کے ساتھ یہ سبھی کیسے انتخابات میں

کامیاب ہوگئے ہیں۔ آپ کو عوام نے نہیں ہم نے چُنا ہے لہٰذا ہماری مرضی کے خلاف آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

ایسا سنکر سید میر قاسم اپنی حمایتی ٹولی لے کر واپس سرینگر آگئے۔

وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی نے ۱۱ر دسمبر ۱۹۷۰ء کو پارلیمنٹ توڑ کر وسط المدتی انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے فوراً بعد دہلی میں اپنے قیام کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے اپنے قریبی ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد پارلیمانی الیکشن میں محاذ رائے شماری کی شرکت کا فیصلہ کر لیا، اس فیصلے سے محاذ کے لیڈروں کے موقف کی تبدیلی کا واضح اشارہ مل گیا۔

الیکشن میں محاذ کی شرکت کے بارے میں دہلی میں ایک بیان کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے فرمایا:

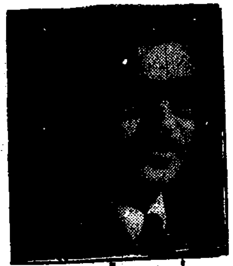
"مجھے دہلی میں ۱۹۶۸ء کی رہائی سے قبل کئی یار دوستوں اور کشمیر کے بہی خواہوں نے مشورہ دیا کہ میں پارلیمنٹ کے عام انتخابات میں حصّہ لوں، اس بات پر کافی غور و خوض کرنے کے بعد میں نے محاذ رائے شماری کو عام انتخابات میں حصّہ لینے کا مشورہ دیا اور خود میں نے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔"

محاذ رائے شماری کی طرف سے الیکشن میں حصّہ لینے کے فیصلے سے نہ صرف ریاستی سرکار خوفزدہ ہوگئی بلکہ مرکزی سرکار بھی شش و پنج میں پڑ گئی۔ اسی دوران شیخ عبداللہ دہلی سے سرینگر کے لیے جہاز میں سوار ہوگئے تاکہ وہ کاغذات نامزدگی داخل کر سکیں۔ جہاز میں ان کے ساتھ مرزا محمد افضل بیگ اور غلام محمد شاہ بھی تھے، جہاز جب سرینگر کی طرف پرواز کرنے لگا تو اس میں بم رکھنے کی افواہ پھیلائی گئی، جہاز کو واپس ایرپورٹ پر اُتارا گیا۔ جہاز کی تلاشی لی جانے لگی، تمام سواریوں کو واپس اپنے مقام پر بھیج دیا گیا البتہ شیخ عبداللہ اور ان کے دو ساتھیوں کا امتناعی احکامات کے تحت ریاست میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔

تین دن کے بعد ہندوستان کے خلاف غیر قانونی سرگرمیوں کی روک تھام کے ایکٹ کے تحت محاذ رائے شماری کو کالعدم قرار دیا گیا اور اس کے تمام دفاتر

...ر کر دیئے گئے۔

الیکشن میں محاذ رائے شماری کی شرکت نے حکومت ہند کو سخت اقدام کے لیے ...ر کر دیا تاکہ محاذ رائے شماری کی جیت ریاست میں کانگریس کی ہار میں بدل نہ جائے ...جماعت کوئی نیا مسئلہ کھڑا کر نہ پائے۔


(شمیم احمد شمیم)

محاذ کے بہت سے عہدیدار اور کارکن نظربند کر دیئے جس سے ان کے لیے الیکشن میں حصّہ لینا ناممکن بن گیا۔ کانگریس نے سرینگر اسٹیٹ کے لیے بخشی غلام محمد کو ...یٹ دیا تو ان کے مقابلے میں ایک جوان صحافی، ادیب اور دانشور شمیم احمد شمیم کھڑے ہوگئے۔


(...لام محمد)

کاغذات نامزدگی بھرنے کے بعد شمیم صاحب شیخ صاحب کا آشیرواد حاصل کرنے دہلی گئے۔ یہ جان کر بھی کہ شمیم بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو حتمی مان رہے ہیں، شیخ صاحب نے شمیم کی حمایت کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کام کے لیے اپنی بیگم کو راضی کر لیا۔ شمیم احمد شمیم کی انتخابی مہم میں بیگم عبداللہ کے ساتھ مولانا محمد سعید مسعودی اور غلام محی الدین قرہ ...میدان میں اتر آئے، اندرونی طور پر بخشی صاحب کو ہرانے کے لیے وزیر اعلیٰ غلام ...ادق گہری دلچسپی لے رہے تھے۔

اس الیکشن میں زبردست معرکہ آرائی کے بعد شمیم احمد شمیم کے روپ میں محاذ رائے ...ی کی جیت ہوگئی۔

شیخ محمد عبداللہ غلام محمد بخشی کے مقابلے میں کسی بھی شخص کو کھڑا کر دیتے تو وہ بھی ...ب ہو جاتا۔ کامیابی کے لیے شیخ عبداللہ کی رضامندی کافی تھی اور یہ رضامندی شمیم صاحب ...یابی کی ضامن بن گئی۔

شمیم احمد شمیم کو عوام کا جو اعتماد مل گیا وہ دراصل نہ شیخ عبداللہ اور نہ ہی شمیم کے لیے ...محض رائے شماری کے لیے اعتماد تھا۔ کشمیری عوام چونکہ شیخ عبداللہ کو "آزادی" ...زادیت اور رائے شماری" کی علامت سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے اسی علامت کو

کو ووٹ دیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ شمیم احمد شمیم نے بعد میں یہ ثابت کر کے دیا کہ وہ اس منصب کے بالکل مستحق تھے، اگر یہ کہا جائے کہ بخشی غلام محمد کی ہار ہندوستان کی ہار اور شمیم کی جیت پاکستان کی جیت تھی تو ہرگز غلط نہیں ہوگا کیونکہ کشمیری عوام اس الیکشن کو "رائے شماری" جان کر اس میں شامل ہوگئے، چونکہ شیخ صاحب کے جلسے جلوسوں میں ۱۹۵۳ء سے لیکر اب تک مسلسل "رائے شماری فوراً کراؤ" کے نعرے گونج رہے تھے اس لیے عام لوگ ایک طرف سے اس نعرے پر مر مٹ رہے تھے۔

الیکشن میں کامیابی کے بعد شمیم نے پارلیمنٹ میں جاکر نہ صرف اپنی حیثیت منوائی بلکہ انہوں نے اپوزیشن کا اہم رول ادا کیا۔

بنگلہ دیش کے مسئلہ میں شمیم نے مسز اندرا گاندھی کو آڑے ہاتھوں لیا تو اس کی پاداش میں اگلے الیکشن میں شیخ صاحب سے انہیں منڈیٹ دینے سے محروم کیا گیا اور اس کے لیے مسز اندرا گاندھی کے چھوٹے بیٹے سنجے گاندھی نے شیخ صاحب پر کافی دباؤ ڈالا۔


(بیگم شیخ عبداللہ)

شمیم احمد شمیم کے بدلے شیخ صاحب کی نظر انتخاب اپنی بیگم پر پڑی جنہوں نے ہندوستان کی پارلیمانی تاریخ میں زبان نہ کھولنے کا ایک نہ ٹوٹنے والا ریکارڈ قائم کیا۔

سرینگر میں محاذ رائے شماری کی جیت اور کانگریس کی ہار کی ساری ذمہ داری خواجہ غلام محمد صادق پر ڈالدی گئی۔ بخشی غلام محمد نے مرکزی سرکار کے سامنے محاذ رائے شماری کو جتانے میں صادق صاحب کے رول کا دفتر کھول دیا تو صادق صاحب کو اس کا مزہ چکھانے کا فیصلہ محفوظ رکھا گیا۔ مرکزی سرکار نے خواجہ غلام محمد صادق کو اقتدار سے ہٹانے اور ان کی جگہ سید میر قاسم کو تیار کیا، خواجہ غلام محمد صادق اپنی بیماری کے علاج کے دوران چنڈی گڑھ کے پی، جی ہسپتال میں انتقال نہیں کرتے تو ان کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا جاتا جیسا کہ اس سے پیشتر شیخ صاحب، بخشی صاحب اور شمس الدین کے ساتھ کیا گیا۔

مرکز میں کسی کی بھی حکومت ہو، مسلمانوں پر کم ہی بھروسہ کرتی ہے، بیشک بعض مسلمانوں کو اعلیٰ عہدے تفویض کیے جاتے ہیں مگر ان کی حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ

ہوتی، شیخ محمد عبداللہ نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے "آتش چنار" میں مولانا آزاد ڈاکٹر ذاکر حسین کے بارے میں فرمایا:

"مولانا ابوالکلام آزاد نے برصغیر کے مسلمانوں کی ناراضگی مول لے کر جس وستان کی ... کی اس ... وستان ... لیڈر رول ... ابوالکلام ... شخصیت ... بے وقعت


شیخ عبداللہ ڈاکٹر ذاکر حسین مولانا آزاد

رکھدیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا، اگر میں یہاں ڈھونی رمائے بیٹھا ہوں تو صرف ... لیے کیونکہ بعض اوقات آنکھوں کا لحاظ بھی کام کر جاتا ہے۔ لیکن مجھ سے بہت زیادہ ... بات بھی نہیں رکھی جا سکتیں۔

یہ بات کچھ برس بعد جمہوریہ ہند کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین نے بھی مجھے بتائی۔ ... حیثیت ایک آراستی قیدی کی سی ہے اور میری بات پر کوئی دھیان نہیں دیتا۔"

اگر مرکز میں ایسے بزرگوں کے ساتھ ایسا رویہ رکھا گیا ہو تو ہماری ریاست کے ... لیڈر کس کھیت کی مولی ہیں یہ بات طے شدہ ہے مرکز میں کسی کی بھی حکومت ہو ... بھی جماعت برسر اقتدار ہو۔ انہیں نہ شیخ عبداللہ نہ بخشی غلام محمد نہ غلام محمد صادق ... نہ ہی میر قاسم سے کوئی دلچسپی ہے، وہ شیخ عبداللہ کو ہٹانے کے لیے بخشی غلام محمد کو ... کے پیچھے لگا سکتے ہیں۔

وہ فاروق عبداللہ کو ہٹانے کے لیے غلام محمد شاہ کا استعمال کر سکتے ہیں اور اسی طرح ... محمد شاہ کے لیے فاروق عبداللہ پیش کیے جا سکتے ہیں حتیٰ کہ انہیں اس مفتی محمد سعید ... ساتھ بھی کوئی ہمدردی نہیں جنہوں نے یہاں کانگریس کو پروان چڑھانے میں اہم ... ادا کیا۔ وہ مفتی سعید کو ہٹانے کے لیے ان کے پیچھے غلام رسول کار لگا سکتے ہیں ... کار کو ہٹانے کے لیے اور کوئی فرد پیش کر سکتے ہیں۔ وہ ہر حالت میں صرف اور

صرف اپنے مفاد کو دیکھتے ہیں اور اس مفاد کی برآوری میں وہ کل کے بہترین دوست کو، آج بدترین دشمن قرار دینے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے، ان حالات کی وجہ سے کما حقہٗ سبھی سیاسی لیڈر واقف ہیں وہ مرکزی حکمرانوں کی نیت اور اُن کے خیالات سے اچھی طرح واقف ہیں اور اقتدار کے لیے وہ بار بار ان کے جھانسے میں آتے ہیں۔ اقتدار میں آکر وہ ریاستی عوام کے لیے غیر مفید کام کرنے سے ذرا بھی نہیں ہچکچاتے، انہیں اپنی اوقات اس وقت یاد آتی ہے جب انہیں مکھن میں سے بال کی طرح نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب انہیں ضرورت پڑتی ہے تو اس بال کو ڈھونڈ کر پھر اپنی جگہ پر رکھ دیا جاتا ہے۔

اقتدار یا عہدے کے لیے کشمیری عوام کے لیڈر اور رہنما کیا کچھ کر سکتے ہیں اور کس حد تک جا سکتے ہیں اس بات سے مرکزی حکمراں بخوبی واقف ہیں۔ ان لیڈروں اور رہنماؤں کی اس کمزوری کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا کر ایک کے بعد دوسرے کو ردّی میں ڈال کر اور ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا کر یہاں آئے دن جو کھیل کھیلا جا رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

کشمیر میں وزارت حاصل کرنے کے لیے ایمان، اصول اور آدرش داؤں پر لگا کر اپنی غیرت اور ضمیر کے ساتھ کھلواڑ کرنے میں بھی کوئی پس و پیش نہیں کیا جا رہا ہے، یہی وجہ ہے، عوامی مفاد کے خلاف یہاں احتجاج نہیں ہو رہا ہے اور نہ ہی اس کے لیے یہاں استعفیٰ دینے کا رواج ہے۔

عوامی مفاد کے لیے اقتدار چھوڑنا کشمیر کی ڈکشنری میں لکھا ہی نہیں ہے۔ اس بات کو مدّنظر رکھ کر مرکزی سرکاران سے اپنی مرضی کا کام آسانی سے لیتی ہے اگر وہ ان کی مرضی کے ذرا بھی خلاف کام کریں تو انہیں بے وقعت کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔

سرزمین کشمیر سرسبز ہونے کے باوجود لیڈرانِ قوم کے بارے میں بنجر ثابت ہو رہی ہے، اسے اتفاق کہیے یا بدقسمتی یہاں ایک بھی لیڈر آج تک اقتدار میں نہیں آیا جس کے دل میں عوام کی محبت ہمدردی اور درد ہو، جسے قوم کا مفاد عزیز ہو۔

یہی حال اپوزیشن کا ہے۔ اپوزیشن کا کوئی بھی لیڈر ہو چاہے یہ جماعت اسلامی

کا ہو یا پولیٹیکل کانفرنس کا اولڈ نیشنل کانفرنس کا ہو یا پی مجلس عمل کا یہ سبھی اپنے مفادات کے غلام ہیں۔ یہ سب عوام کے نام پر صرف اپنے مفادات کے لیے سرکار سے لڑ رہے ہیں۔ دونوں طرح کی لڑائی میں لوگ مارے جا رہے ہیں۔

اسے ستم ظریفی کہیے یا کچھ اور جن رہنماؤں میں یقیناً خلوص ہے درد ہے اور جنہیں قوم کے مفاد عزیز ہیں۔ ان کو عام لوگوں کا ساتھ نہیں۔

— عجیب سرزمین ہے یہ کشمیر اور اس سرزمین کے لوگ!



سیاسی کنونشن کے دوران لی گئی ایک تصویر۔ [illegible]

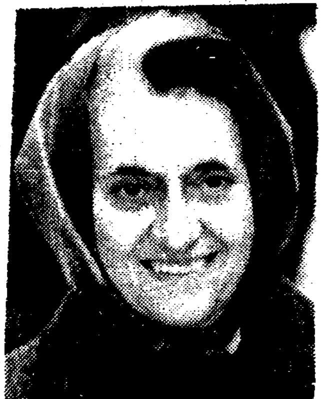




(…) بخشی غلام محمد اور شمیم احمد شمیم میدانِ انتخاب میں اُتر رہے ہیں

(…) صادق صاحب شیخ صاحب سے کہہ رہے ہیں 'لو میں نے آپ کو شمیم جِتا کر' دیا۔









مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانیوالے سیاسی لیڈر

آپس میں الجھتے ہی چلے جائیں گے رستے
کوئی بھی سڑک شہر میں سیدھی نہ رہیگی

پاکستان کو توڑنے کی کاروائی

بنگلہ دیش کے قیام کا آغاز

کشمیر میں پاکستان کی طرف سے تخریب کار بھیجنے کی کاروائی نے ہندوستان کو چوکنا کر دیا تھا۔ اینٹلی جنس کی رپورٹ کے مطابق اگر دراندازوں اور تخریب کاروں نے ۱۳ جولائی کو اپنی کاروائی شروع کی ہوتی تو حالات یقینا دگرگوں ہوئے ہوتے، ۹ اگست کی کاروائی کو قبل از وقت پتہ نہ چلا ہوتا تو ہندوستان کے لیے ایک سنگین اور پیچیدہ مسئلہ پیدا ہوگیا ہوتا۔ ۱۹۶۵ء میں اس کی وجہ سے اقوام متحدہ کو اس ریاست میں براہِ راست مداخلت کا موقع فراہم ہوگیا ہوتا۔ اغلب ہے کہ یہاں اقوام متحدہ کی فوج اتر گئی ہوتی۔

اگرچہ یہ واقعہ جنگ کے بعد تاشقند معاہدہ کی نذر ہوگیا لیکن بھارت ایسے واقعات دوبارہ پیدا ہونے کے بارے میں جہاں ہوشیار اور چوکنا رہ گیا وہاں الیکشن سے فارغ ہوکر اس نے پاکستان سے تخریب کاری کا بدلہ لینے کے بارے میں ایک پلان روبہ عمل لایا۔ سرحدوں کی حفاظت کے لئے انھوں نے باڈر سیکورٹی فورس کا قیام عمل میں لایا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہندوستان کو پاکستانی فوجی طاقت کا غلط اندازہ تھا یہی وجہ ہے کہ انہیں جنگ بندی پر زور لگانا پڑا تھا۔ جنگ ختم ہونے کے ساتھ ہی ہندوستان نے اپنی فوجی طاقت بڑھانے میں سارا زور لگا دیا۔ یہاں تک کہ وہ بہت آگے نکل گیا۔ پاکستان سے بدلہ لینے کے لیے ان کی کمزوریوں کا جائزہ لیا گیا تو

یہ کمزوری مشرقی پاکستان میں صاف طور دکھائی دی، اس کمزوری کی ڈیڈ لائن دراصل برصغیر کی تقسیم کے دوران پنڈت جواہر لال نہرو اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے رکھدی تھی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ملک کی رپورٹ میں خود بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔

مغربی اور مشرقی پاکستان کی دوری اور بیچ میں سمندر کی موجودگی پاکستان کی کمزوری کی منہ بولتی تصویر تھی۔

جس طرح پاکستان نے کشمیر میں تخریب کار بھیج کر ہندوستان کے لیے مشکلات پیدا کردی تھیں بالکل اسی طرح ہندوستان نے بھی اپنے تخریب کار مشرقی پاکستان بھیجنے کا پروگرام بنایا تاکہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جاسکے اور آئندہ اس قسم کی حرکت کرنے کے وہ قابل نہ رہ سکے۔ لیکن اس کے لیے اسے کسی ایسے لیڈر کا آشیرواد حاصل کرنا ضروری تھا جس کی عوام میں کچھ ساکھ ہو، اس کے لیے نظر انتخاب مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی پر پڑی مولانا بھاشانی کو کسوٹی پر پرکھا گیا تو وہ پورا نہیں اترا، حالانکہ وہ مغربی پاکستان کی اجارہ داری کے خلاف برسرپیکار تھے۔ لیکن وہ اس انتہا تک جانے کے لیے تیار نہیں تھے جس کا اشارہ ان کو دیا گیا تھا۔

مولانا بھاشانی نے اپنے ایک انٹرویو میں اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ بھارت سرکار کے ایک ایلچی نے مشرقی پاکستان پر مغربی پاکستان کے استحصال کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے مجھ سے کہا اور مدد دینے کی بھی پیش کش کی لیکن میں نے اس قسم کی پیش کش قبول نہیں کی۔



(شیخ مجیب الرحمان)

چنانچہ مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی کے بعد اس کام کے لیے شیخ مجیب الرحمان سے رابطہ قائم کیا گیا۔ پاکستانی ترجمان کے مطابق شیخ مجیب الرحمان کے ساتھ خفیہ بات چیت میں انھیں صدر مملکت بنانے کا وعدہ دیا گیا اور کافی لے دے کے بعد اس کے لیے ایک معاہدہ بھی طے پایا جس کو پاکستان نے اگرتلہ سازش کیس کا نام دیا۔

شیخ مجیب الرحمان پر مشرقی پاکستان کو الگ کرنے کا الزام لگ گیا تو

مشرقی پاکستانیوں کے لیے وہ ایک ہیرو بن گئے۔ شیخ مجیب الرحمان کی گرفتاری اور رہائی کے دوران پاکستان کے دونوں حصے خانہ جنگی کی لپیٹ میں آگئے۔ بھارت نے سول وردی میں فوج مشرقی پاکستان بھیج دی جسے وہاں مکتی باہنی کا نام دیا گیا۔ البتہ اسمیں کوئی شک نہیں کہ مشرقی پاکستان کے ہندو اور مسلم جوان بھی مکتی باہنی میں شامل ہوگئے۔

مشرقی پاکستان میں شورش بڑھ گئی تو وہاں سے لوگ بھاگنے لگے۔ یہ لوگ ہندوستان کی سرزمین پر آکر ہندوستان کے لیے مداخلت کا براہ راست وسیلہ بن گئے۔ حالانکہ یہ درست ہے کہ ہندوستان کے لیے مشرقی پاکستان کے رفیوجیوں کا مسئلہ ایک پیچیدہ مسئلہ بن گیا۔

مشرقی پاکستان میں براہ راست مداخلت سے قبل بھارت نے سب سے پہلے اپنے قابل اعتبار دوست سوویت روس کی طرف رجوع کیا۔ ۸ اگست ۱۹۷۱ء کو روس کے وزیر خارجہ گرومیکو اعلیٰ فوجی آفیسروں کا ایک وفد لیکر نئی دہلی آیا، جہاں دونوں ملکوں کے درمیان دوستی کا معاہدہ ہوا اور طے پایا کہ روس ہندوستان کی ہر طرح کی مدد کرے گا۔



(مسز اندرا گاندھی)

۷ ستمبر کو مسز اندرا گاندھی کشمیر آئیں اور یہاں فوجی آفیسر کے ساتھ طویل صلاح مشورہ کرکے واپس دہلی روانہ ہوگئیں۔

مسز اندرا گاندھی کے واپس جانے کے بعد وزیر دفاع شری جگ جیون رام آئے اور یہاں فوجی آفیسروں کے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔



(جگ جیون رام)

اس کے بعد مسز اندرا گاندھی پاکستان کے حمایتی ملک امریکہ گئیں یہاں ۴ سے ۶ نومبر ۱۹۷۱ء تک انھوں نے صدر نکسن کے ساتھ چند ملاقاتیں کیں جن میں دو ملاقاتیں بالکل خفیہ نوعیت کی تھیں جس میں انکا تیسرا کوئی شریک گفتگو نہ تھا۔ امریکی صدر کے ساتھ وزیر اعظم ہند کی ان ملاقاتوں سے صاف عیاں

ہوا بھارت کے ساتھ امریکہ بھی شیخ مجیب الرحمان کی مدد کر رہا ہے۔

امریکہ سے مسز اندرا گاندھی کی واپسی پر بھارت نے مشرقی پاکستان پر فوج کشی کی اور اس کارروائی کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنے میں کوئی شک باقی نہیں رہا کہ اس کے لیے مسز اندرا گاندھی کو امریکی صدر مسٹر نکسن نے ہری جھنڈی دکھائی ہے۔

بعض مبصرین کا یہ بھی خیال ہے بھارت کی طرف سے فوجی کارروائی کے دوران امریکہ نے پاکستان کی حمایت میں زبانی واویلا کرنے اور پاکستان کے لیے سامنے آنے کا بھارت کی وزیراعظم کو اشارہ دیا تھا اور اس بات کا بھی انہیں یقین دلایا تھا امریکہ عملاً اس جنگ میں شریک نہیں ہوگا۔


رچرڈ نکسن

امریکی صدر نکسن نے اس بات کا اقرار کر لیا ہے کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں ہندوستان پاکستان کو ہڑپ کرنا چاہتا تھا لیکن یہ نہیں بتایا اس کام میں اسے امریکہ کا آشیرواد حاصل تھا۔

امریکہ کے صدر رچرڈ نکسن نے اپنی تصنیف "رچرڈ نکسن کی یادیں" میں لکھا ہے۔

۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش اور پاکستان کے درمیان جنگ میں ہندوستان پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے اندر ضم کرنے پر تلا ہوا تھا۔ سفارتی اشاروں اور درپردہ دباؤ کو بروئے کار لا کر ہم مغربی پاکستان کو ہندوستان کے متوقع حملے اور غلبے سے بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے، اور اس کے ساتھ ہی ہم سوویت یونین کے ساتھ ایک بڑا خطرہ ٹالنے میں بھی کامران ہوئے تھے۔ اس جنگ میں ہمارے سامنے یہ اصول ذہنوں پر منڈلا رہا تھا کہ آیا بڑی قوموں کو سوویت یونین کی پشت پناہی سے چھوٹے ہمسایہ ممالک کا شیرازہ بکھیرنے کی اجازت دی جانی چاہیئے یا نہیں ؟

میں سوویت یونین پر واضح کرنا چاہتا تھا کہ ہم سوویت یونین کے ذریعے روسی ہتھیاروں کی مدد سے پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے زبردست مخالف ہیں میں نے کسنجر کی تجویز کے ساتھ پورا اتفاق کیا کہ ہمیں ہندوستان کے خلاف اپنی ناراضگی اور پاکستان کے ساتھ اپنی ہمدردی کا مظاہرہ کھل کر کرنا چاہیئے۔ مسز اندرا گاندھی نے دانستہ طور پر ۴ نومبر ۱۹۷۱ء میں واشنگٹن کے دورے کے دوران انہیں دھوکے میں رکھا، ایک طرف وہ خفیہ طور پر جنگ کا منصوبہ باندھ رہی تھی اور دوسری جانب مجھے اس بات کا یقین دلا رہی تھی کہ ہندوستان نے کبھی بھی پاکستان کو تباہ کرنے کی کوشش نہ کی، اور نہ اُسے مستقل طور پر تباہ یا بیکار کرنے کا ارادہ ہے۔

امریکی جاسوس اس ہندوستانی کابینہ کی میٹنگ میں داخل ہو گئے، جس میں انھوں نے پایا کہ مسز اندرا گاندھی نے ان تفصیلات کا ذکر کیا جس کے تحت مغربی محاذ پر جنگ پھیلا کر مشرقی پاکستان کو زیر کرنا مقصود تھا اس موقع پر میں نے روس پر دباؤ ڈالا کہ وہ ہندوستان کو آگے بڑھنے سے باز رکھے اور خود بحیرۂ بنگال کی طرف جنگی بیڑا روانہ کرنے کا حکم دیا۔"

مشرقی پاکستان کے محاذ پر فوج کشی کرنے کے جواب میں پاکستان نے جموں سیکٹر کو انہ بنایا اور بھارت نے راجستھان کے ساتھ ساتھ جموں و کشمیر میں بھی محاذ کھول دیئے سب سے زیادہ طاقت اس نے مشرقی پاکستان کے محاذ پر جھونک دی تاکہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے کاٹ دیا جائے اور شیخ مجیب الرحمان کا خواب پورا کر دیا جائے۔

مشرقی پاکستان میں براہِ راست مداخلت سے چند ماہ قبل کشمیر کے دو جیالے انوں ہاشم قریشی اور اشرف قریشی کو ملٹری سروس میں لے کر انہیں ہائی جیکنگ کی ٹریننگ لیے منتخب کیا گیا اور سانبہ کے فوجی کیمپ میں انہیں پی ایم سنہا کی زیر نگرانی تین ہینوں تک ٹریننگ دے کر ہائی جیکنگ کے آپریشن اسٹار کے لیے تیار رکھا گیا تھا وقت ضرورت پاکستانی جہازوں کے لیے ہوائی اڑان کو مسدود کیا جا سکے۔

اُدھر سانیہ میں ہاشم قریشی اور اشرف قریشی ہائی جیکنگ کی ٹریننگ لے رہے تھے اور اِدھر کشمیر پولیس نے یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ انھوں نے اسلام آباد روڈ پہ بارسو کے مقام پر زیرِ زمین مسلم تنظیم "الفتح" کا سراغ لگایا اور بہت سارا اسلحہ اور گولہ بارود برآمد کر لیا۔

"الفتح" کے ساتھ منسوب افراد میں غلام رسول زاہگیر، فضل الحق قریشی اور نذیر احمد وانی کو روپوش قرار دے کر ان کے نام وارنٹ جاری کر دیئے گئے۔

"الفتح" کے ساتھ پلوامہ ٹریجری اور جموں و کشمیر بنک ڈکیتی کیس میں تیس[۳۰] کے قریب نوجوان حراست میں لیے گئے، ان میں غلام رسول زاہگیر، فضل الحق قریشی نذیر احمد وانی، ڈاکٹر فاروق، غلام محمد نائیکو اور حمید اللہ بٹ قابلِ ذکر ہیں۔ محمد فاروق رحمانی اپنے چند ساتھیوں سمیت دو سال قبل گرفتار کر لیے گئے تھے۔

"الفتح" کا سنسنی خیز انکشاف ایک پری پلان تھا اور اس کی تشہیر کا مقصد بس یہ تھا کہ کشمیر کے بعض جیالے نوجوانوں کو تخریب کاری میں ملوث کیا جائے تاکہ ہائی جیکنگ پر شک کرنے کی گنجائش باقی نہ رہ سکے۔ جن جوانوں کو الفتح میں ملوث کیا گیا وہ کشمیر کی تحریکِ حریت میں بالواسطہ اور بلاواسطہ حصّہ لے کر سی، آئی، ڈی کی لسٹ میں آچکے تھے۔ لیکن بارسو کے مقام پہ اسلحہ جمع کرنے کا انکشاف محض ایک ڈرامہ تھا اور بس۔



پلان کے مطابق ہاشم قریشی اور اشرف قریشی دو سگے بھائیوں نے ڈپٹی ڈائریکٹر انٹلی جنس آئی پی ماتھر کی ہدایت پر دہلی جانے والا انڈین ائر لائنز کا فوکر فرینڈ شپ جہاز ہائی جیک کر کے لاہور پہنچا دیا اور ۳ فروری کو عملے اور مسافروں کو رہا کر کے بم کے دھماکے سے جہاز کو اُڑا دیا گیا۔

پاکستانی حکمران جن میں ذوالفقار علی بھٹو پیش پیش تھے انھوں نے پہلے ان

...وانوں کا استقبال کیا۔ پھر جب ان پہ شک گزرا تو انھیں گرفتار کر لیا گیا۔

چونکہ اس کارروائی سے ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کشیدہ ...گئے۔ لہٰذا ہندوستان نے اپنی سرزمین کے اوپر سے پاکستانی جہازوں کی اڑان ...نوع قرار دی اس کارروائی سے مشرقی پاکستان کی ہوائی طاقت سر دخانے میں ...گئی۔

پاکستان نے اپنے ناقابلِ اعتبار مگر حمایتی ملک امریکہ سے فریاد کی تو پاکستان کی ...د کے لیے امریکہ نے اپنا ساتواں فلیٹ روانہ کیا مگر اس ساتویں فلیٹ کی رفتار ...ف بتا رہی تھی کہ — "کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔"

امریکہ کا ساتواں فلیٹ دراصل پاکستان کو دھوکہ دینے اور ہندوستان ...جلد از جلد مشرقی پاکستان پہ اپنی کارروائی مکمل کرنے پر مامور تھا۔

مشرقی سرحد پر بھارتی نوجوں کی پیش قدمی دیکھ کر پاکستان نے امریکہ سے ...تویں بیڑے کی رفتار بڑھانے کے لیے کہا تو امریکی ترجمان نے نیویارک میں بیان ...

"ہمارا سیون فلیٹ مشرقی پاکستان کے حدود میں داخل ہو گیا تو اسے اپنی کارروائی کرنے سے روکا نہیں جا سکتا۔"

یہ اس بات کا واضح ثبوت یا اشارہ تھا کہ امریکہ بھارت کو جلد از جلد مشرقی پاکستان ...قبضہ کرنے پر زور دے رہا تھا۔ کیونکہ پاکستان کے ساتھ ساتھ اس کے بعض حمایتی ...ب ممالک بھی امریکہ پر ساتویں بحری بیڑے کی رفتار بڑھانے اور امریکی مداخلت ...لیے دباؤ ڈال رہے تھے۔

امریکہ کا اشارہ پا کر بھارت نے مشرقی سرحد پہ اور کمک بھیجنے کے ساتھ ہوائی ...ل میں تیزی کی۔ بھارت کی اس تیز رفتار جنگی کارروائی نے امریکی ساتویں بحری ...ے کی رفتار پھر مدھم کر دی اور وہ سمندر میں کسی حد تک ساکت ہو گیا۔

آخر وہ دن آ ہی گیا جس دن سقوط ڈھاکہ عمل میں آیا اور بنگلہ دیش کے نام ...رصغیر کے نقشہ پہ ایک اور ملک کا وجود ہوا۔

اس جنگ میں پاکستان کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ "مشرقی پاکستان" کا نام

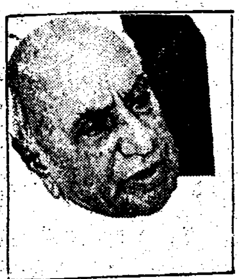
تاریخ سے مٹ گیا۔ یہاں مقیم تمام پاکستانی فوج یرغمالی بنادی گئی ، مغربی سرحدوں میں بھی کئی اہم محاذوں پر بھارت کا قبضہ ہوگیا۔ چونکہ بھارت کا نشانہ صرف مشرقی پاکستان تھا اس لیے انھوں نے مغربی سرحدوں پر سے اپنی فوج واپس بلانے کی امریکی اور روسی تجویز قبول کرلی۔





صادق

بنگلہ دیش کے آزاد ہونے کے روز وزیراعلیٰ غلام محمد صادق چنڈی گڑھ کے پی، جی ہسپتال میں انتقال کرگئے۔ گردوں میں تکلیف کی وجہ سے یہاں زیرِ علاج تھے، مرکزی سرکار نے فوری طور پر سید میر قاسم کو قائمقام وزیراعلیٰ نامزد کیا، انہیں شری ڈی پی در کی دیکھ ریکھ میں رکھا گیا۔



بنگلہ دیش، آزاد ہونے کے بعد جب زخم خوردہ پاکستان آہستہ آہستہ سدھرنے لگا تو بنگلہ دیش کی طرز پر سندھیوں نے بھی پاکستان سے علیحدگی کے لیے افراتفری شروع کردی۔ سندھ کے لیڈر جی، ایم، سعید نے بھارت کے ساتھ رابطہ قائم کرکے سندھیوں کو بھی مشرقی پاکستان کے طریقے پر فوجی امداد دینے اور ان کے حلیف ملک روس سے دلانے کی تجویز (جی ایم سعید سندھی لیڈر) پیش کی۔ لیکن امریکہ نے پاکستان کو مزید توڑنے کی اجازت نہیں دی لہٰذا یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ پھر بھی سندھ کے لیڈر نے ہمت نہ ہاری انھوں نے ۱۹۸۲ء میں اپنا ایک وفد دہلی روانہ کیا تاکہ بھارت کی مدد سے سندھ میں چھاپہ مار جنگ شروع کی جاسکے، لیکن مسز اندرا گاندھی نے بعض افریقی و عرب ممالک کی ناراضگی کو مدِنظر رکھ کر وفد کو مایوس و نامراد لوٹا دیا۔ چنانچہ سندھ کے لیڈر جی، ایم سعید کو بعد میں بذاتِ خود دہلی آنا پڑا جہاں انھوں نے بھارت سرکار سے سندھیوں کی آزادی کے لیے مداخلت کی اپیل کی لیکن اس اپیل پر کوئی فیصلہ نہیں لیا جاسکا۔



وزیراعلیٰ سیّد میر قاسم



شری درگا پرشاد دَر

کشمیر پالیٹکس میں جن کا ایک اہم رول رہا ہے

باب (۴)

محاذِ رائے شماری اور عوامی ایکشن کمیٹی کے موقف میں تبدیلی

لیڈران قوم کا تجزیہ

اوروں پہ نہ جانے کیا گزری اِس تیغ و تبر کے موسم میں
ہم سر تو بچا لائے لیکن دستار سرِ بازار گری

جز :-

صفحہ

اس قیامت قد کو شب دیکھا تھا ہم نے خواب میں
دل نے محشر کا سماں وقت سحر دکھلا دیا

شیخ محمد عبداللہ کا ایک نیا اپروچ

بھارت کے مفاد کیلئے انکا استعمال اور شملہ معاہدہ

بھارت اور پاکستان کے درمیان ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران نہ صرف مشرقی سیکٹر ں بھارتی فوجوں نے پیش قدمی کی بلکہ راجستھان، جموں میں پونچھ اور کشمیر میں اوڑی اذ پر بھی کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے اوڑی سیکٹر میں جب بھارتی فوجوں نے ے درپے تین چوکیوں پر قبضہ کر لیا اور اپنی پیش قدمی جاری رکھی تو دلی میں قیام کے وران شیخ محمد عبداللہ نے مسز اندرا گاندھی سے ملنے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کی کن ان کی یہ دوڑ دھوپ مسز اندرا گاندھی کی انتہائی مصروفیت کے کارن بارآور ابت نہیں ہو سکی، شیخ صاحب نے مسز اندرا گاندھی سے ملاقات کے لیے صرف نچ منٹ مانگے لیکن ان ایام میں یہ پانچ منٹ بھی دستیاب نہ ہو سکے تب جا کر انھوں نے مسز اندرا گاندھی کے نام ایک تفصیلی خط لکھا اور اسے پریم ناتھ در کے ذریعے ان تک پہنچا دیا گیا (نوٹ۔ جس کے پاس یہ خط ہے اس نے خط کی قیمت دو ہزار مانگی جو میں نے دے دیا)

اس خط میں شیخ عبداللہ نے مسز اندرا گاندھی سے تاکید کی تھی کہ اوڑی سیکٹر بھارتی فوجوں کی پیش قدمی کو روکنے کے انتظامات کرائے جائیں، ایسا نہ ہو کہ ج تیزی سے آگے بڑھ کر مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرا دے ۔۔ ایسا کیا گیا تو یہ بھارت کے ے بعد میں مشکلات کا باعث بنے گا۔

شیخ صاحب نے اپنے خط میں اس بات کی وضاحت کی تھی کہ ۱۹۴۷ء میں اگر ارتی فوج چاہتی تو وہ مقبوضہ کشمیر تک پیشقدمی کر سکتی تھی لیکن اس وقت آپ کے

واللہ پنڈت جواہرلال نہرو نے میری اس رائے کے ساتھ اتفاق کر کے اس حصّے کو پاکستان کے لیے رکھ چھوڑا کیونکہ اُدھر کے لوگ اِدھر کے لوگوں کے مقابلے میں بڑے زیرک اور جنگ جو ہیں۔ اگر ان کو وادی کے لوگوں کے ساتھ ملا دیا گیا تو یہ ایک ایسی طاقت بن جائے گی۔ جو طاقت بھارت کے لیے دردِ سر بن جائے گی۔ وادی کے لوگوں کو ہم کسی نہ کسی طرح زیر کر سکیں گے۔ لیکن اُس طرف کے لوگ آسانی سے زیر ہونے والے نہیں ہیں۔ وہ کسی بھی وقت فتنہ جگا سکتے ہیں۔ لہذا ان کو علیحدہ رکھنے میں ہی بہتری ہے۔

چونکہ پنڈت جی نے میری رائے کے ساتھ پورا اتفاق کیا تھا، لہٰذا آپ کو بھی حالات سمجھ کر میری یہ رائے تسلیم کرنی چاہیئے اگر آپ نے فوری طور پر میری رائے کے ساتھ اتفاق نہیں کیا تو کشمیر کے دونوں حصّوں کا ملنا بھارت کے لیے ایک مسئلہ بن جائے گا اور اس مسئلے کے ساتھ بعد میں نمٹنا دشوار ہو جائے گا۔

پنڈت جواہرلال نہرو کی بیٹی نے شیخ محمد عبداللہ کا یہ نیک مشورہ مان کر فوری طور پر اوڑی محاذ پر فوجوں کی پیش قدمی رکوادی۔

اوڑی محاذ پر بھارتی فوجوں کی پیش قدمی رکوانے میں شیخ عبداللہ نے جو رول ادا کیا اس کا کافی گہرا اثر مسز اندرا گاندھی پر پڑا۔ بھارتی جنتا پارٹی کے لیڈر اٹل بہاری باجپائی نے اوڑی محاذ پر بھارتی فوجوں کی پیش قدمی رکوانے کا ذکر اُس خط میں کیا ہے، جو انھوں نے شیخ عبداللہ کے نام بھیجا۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کے موقع پر وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو بوٹ کلب میں مبارکباد دینے والی سیاسی اور غیر سیاسی شخصیتوں میں شیخ عبداللہ بھی شامل تھے۔ معزز مہمانوں کا ہاتھ جوڑ کر سواگت کرنے کے دوران جب اندرا جی کی نظر شیخ عبداللہ پر پڑی تو انھوں نے بھری محفل میں شیخ صاحب کے ساتھ شئیک ہینڈ کر کے انہیں بتایا۔

"آپ نے اپنے خط میں جو اچھا مشورہ ہمیں دیا تھا اس کو
میں نے قبول کر لیا اور میں نے آپ کو شکریے کا خط دیش بندھو
گپتا کے ہاتھ بھیجدیا تھا۔"

شیخ صاحب نے فوراً کہا۔ "وہ شکریے کا خط مجھے مل گیا۔

"پتہ نہیں بندھو جی کہاں ہیں، مجھے یہاں دکھائی نہیں دیتے؟" اندرا جی

...ادھر اُدھر نظریں گھمانے پر ایم، ایل فوطیدار محفل میں دیش بندھو گپتا کو ڈھونڈ نے ...گے تو اندرا جی شیخ صاحب سے مخاطب ہوئیں۔

"آپ ہمارے دوست ہو کر ہم سے دور کیوں ہیں؟ آپ کو تو
ہمارے نزدیک آنا چاہیئے۔"

...یخ صاحب نے جواب دیا۔

"نزدیک آنے کے لیے آپ ایک قدم بڑھائیں تو ہم دو۔"

ان دونوں کی اس گفتگو سے حاضرین محظوظ ہو رہے تھے، کیونکہ جس گرمجوشی ...ے یہ دونوں ایک دوسرے سے ملے اور گفتگو کا آغاز کیا ایسی کسی کو بھی توقع نہ تھی کیونکہ ...یخ صاحب دہلی میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔

بہرحال مسز اندرا گاندھی شیخ صاحب کے نزدیک جانے کے لیے ایک قدم نہ ...ھا سکی، البتہ شیخ صاحب نے صلح صفائی کی جو چھاپ چھوڑدی تھی وہ آگے جاکر بار آور ...یت ہونے لگی۔

جون ۱۹۷۲ء کے پہلے ہفتے میں شیخ محمد عبداللہ اپنا چک اپ کرانے کے سلسلے ...ں آل انڈیا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں داخل ہو گئے تو مسز اندرا گاندھی فوری طور پر ...ہاں ان کی خیر و عافیت معلوم کرنے آگئیں، انہوں نے ذاتی طور پر ڈاکٹروں کو ہدایت ...ی کہ وہ شیخ صاحب کی صحت کا پورا پورا خیال رکھیں۔

۲۸ فروری ۱۹۷۲ء کو امریکی صدر رچرڈ نکسن اور چینی وزیر اعظم چو، این ...لائی کے درمیان پیکنگ میں بات چیت کے بعد ایک مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا اس میں ...شمیر کا مسئلہ سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق حل کرنے پر زور دیا گیا دو بڑی ...اقتوں کے اس مشترکہ اعلامیہ کا نئی دہلی میں شدید ردّعمل ہوا انھوں نے شری ڈی، پی ...ر کو فوری طور پر ماسکو روانہ کیا تاکہ وہ امریکہ اور چین کے مشترکہ اعلامیہ میں مسئلہ کشمیر ...توڑ کرا سکیں۔

ڈی، پی در کی واپسی کے ساتھ ہی شیخ عبداللہ کے ساتھ جو رابطہ بڑھایا گیا ...ف لگتا تھا اس کی ہدایت انہیں ماسکو سے ملی ہے۔

امریکہ اور چین جیسے دو طاقتور ممالک کے مقابلے میں ہندوستان کے پاس

شیخ عبداللہ جیسا سُپر پاور تھا اور اس پاور کا استعمال کرنے کا شاید ماسکو نے انہیں مشورہ دیا۔

ماسکو کی نظر میں یہ شیخ عبداللہ ہی تھے جس نے "مسئلہ کشمیر" کے بارے میں ہندوستان کی خاطر سلامتی کونسل میں دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے "چھکے چھڑائے" تھے۔ اب امریکہ اور چین کی بساط ہی کیا تھی۔



(مسٹر ڈی، پی در اور شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ)

مسٹر ڈی، پی در نے ۳ کوٹلہ لین میں شیخ صاحب سے ملاقات کی اور انھیں ہندوستان اور کشمیر کے الحاق کے بارے میں پریس کانفرنس میں بیان دینے کو کہا تاکہ امریکہ اور چین کا مُنھ بند کیا جا سکے۔

شیخ صاحب نے مسٹر در سے صاف صاف کہہ دیا کہ:

"میرے ساتھ جو زیادتیاں کی گئی ہیں جب تک وہ دُور نہیں ہوں گی میں کوئی بیان نہیں دوں گا۔"

ڈی، پی، در نے انہیں یقین دلایا آپ کے ساتھ تمام مسائل پر بعد میں بات چیت کی جائے گی، فی الحال آپ الحاق کے بارے میں ایک بیان دیجیے۔"

شیخ صاحب نہیں مانے تو ڈی، پی در اُٹھ کر چلے گئے۔

۷ر مارچ ۱۹۷۲ء کو سویرے نو بجے مسٹر ڈی، پی در پھر شیخ صاحب سے ملنے آئے اس وقت ان کے ہاتھ میں ایک CONFIDENCIAL FILL بھی تھی۔ ڈی، پی در نے شیخ صاحب کو بتایا اگر آپ الحاق کو تسلیم کریں گے اور پریس کانفرنس میں اس کا

[اقر]ار کریں گے تو آپ کے ساتھ کوئی بھی زیادتی ہوگئی ہے وہ دُور کی جائے گی۔"

شیخ صاحب نے اس سلسلے میں ڈی، پی، در سے کسی قسم کی بات چیت کرنے سے [ان]کار کیا تو انھوں نے بتایا:

"اچھا چھوڑیئے اس مسئلے کو، میں دراصل اس وقت آپ کے ساتھ الحاق کا [م]سئلہ اُٹھانے کے بجائے یہ بتانے آیا ہوں کہ جنوری ۱۹۴۸ء سے لے کر دسمبر ۱۹۵۰ء تک "RELIEF AND REHALIBITATION" کے حساب و کتاب میں ڈھائی کروڑ کے قریب رقومات کا ہیر پھیر ہے، چونکہ اس دوران آپ ہی ریاست کے وزیر اعظم تھے [اس] لیے ہم پوچھنا چاہتے ہیں، اتنی بڑی رقم کہاں گئی — ؟"

اتنا کہہ کر ڈی، پی، در نے فائل کھول دی اور ریلیف اینڈ ریہابلیٹیشن کے [ما]سٹر شیٹ رفیوجی فنڈس اور ان کی ادائیگی کے شیٹ کھول کر رکھ دیئے اور ایک [ای]ک کر کے ان شیٹوں پر انگلی رکھ کر کہنا شروع کیا۔

"صوبہ جموں میں مرکزی سرکار اور ریاستی سرکار کی نشاندہی پر دس رفیوجی کیمپ رجسٹر کیے گئے تھے، ان دس کیمپوں میں رفیوجیوں کی کل تعداد ۶ لاکھ ۵۳ ہزار ۳ سو تھی۔ ان میں ۲ لاکھ ۵۱ ہزار ۵ سو مسلم اور ۴ لاکھ ۱ ہزار ۸ سو غیر مسلم تھے۔ ان رفیوجیوں کے رہن سہن اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے لیے ۵۲ لاکھ ۸۶ ہزار ۴ سو ۵۷ روپے کے علاوہ لکڑی کی فراہمی اور ٹرانسپورٹ کی سہولیات کے لیے ۱۰ لاکھ ۵۴ ہزار ۴۵۴ روپے کا خرچہ دکھایا گیا ہے ان رفیوجیوں کی آبادکاری کے لیے لینڈ ڈیولپمنٹ سے ۳۰ لاکھ ۵۸ ہزار ۴۱۱ روپے تفویض کیے گئے ہیں۔ فوڈ کنٹرول جنگلات اور ٹرانسپورٹ کا خرچہ ۲ کروڑ ۱۶ لاکھ ۵۲ ہزار ۵۳ روپے دکھائے گئے ہیں۔

اس رقم میں سے سینٹرل رفیوجی کمیٹی نے اپنی جانب سے ۳ لاکھ روپے اور دھرم ارتھ ٹرسٹ نے ۱۵ لاکھ روپے ادا کیے ہیں، پھر بھی یہ کل خرچہ جس کا حساب اس شیٹ میں درج ہے ۳ کروڑ ۱۰ لاکھ ۵۰ ہزار کا دکھایا گیا ہے، جبکہ مرکزی سرکار نے اس کے لیے [illegible]

ہیں وہ ۵ کروڑ ۹۳ لاکھ ۴۱ ہزار ۲۰ روپے ہیں۔

اس آمدو خرچ کے درمیان جو فرق رہتا ہے اس کا کہیں کوئی حساب نہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے ذاتی طور پر رفیوجیوں کے لیے جو ۲۰ لاکھ روپے لیے ہیں اس کا بھی کہیں کوئی حساب نہیں ہے۔"

مسٹر ڈی، پی، در نے دوسرا شیٹ کھول کر دکھایا اس میں یہ حساب تھا۔

" وادیٔ کشمیر کے تحصیل خاص کے ۱۳ دیہات کے لیے موزوں افراد میں امدادی رقومات کی تقسیم ۱۳ ہزار ۸ سو ۵۵ روپے۔

تحصیل بڈگام کے ۵۸ دیہات کے مستحق افراد میں امدادی رقومات کی تقسیم ۳ لاکھ ۴۲ ہزار ۴۴ روپے۔

تحصیل سوپور کے ۲۴ دیہات کے مستحق افراد میں امدادی رقومات کی تقسیم ۹۳ ہزار ۹۳۱ روپے۔

تحصیل اوڑی کے ۱۹ دیہات کے مستحق افراد میں امدادی رقومات کی تقسیم ۱۲ ہزار ۲۲۵ روپے۔

تحصیل کرناہ کے ۳ دیہات کے مستحق افراد میں امدادی رقومات کی تقسیم ۱۴ ہزار روپے دکھائے گئے ہیں۔

کل رقم ۸ لاکھ ۲۳ ہزار ۹ سو ۶۲ روپے بنتی ہے۔

اس ساری رقم کے لینے والوں کے ناموں میں بہت سارے نقلی نام درج ہیں اور انکی رسیدیں بھی جعلی ثابت ہوئی ہیں۔

مسٹر ڈی، پی در نے تیسرا شیٹ کھول کر رکھدیا اور بتانے لگا۔

" وادی کے اطراف میں آستانوں، مسجدوں، مندروں، گرجا گھروں گردواروں، خانقاہوں کے علاوہ اسکولوں محلہ کمیٹیوں میں امدادی رقومات کی تقسیم ۸ لاکھ ۵۳ ہزار ۹۸۱ روپے دکھا گئے ہیں۔

وادی کے مختلف علاقہ جات کے ۴۰ دوکانداروں میں امدادی رقم کی تقسیم ۲۵ ہزار ۰ ۴۵ روپے دکھائے گئے ہیں۔

اس ساری رقم کی وصولیابی کے بیشتر دستخط اور انگوٹھوں کے نشانات نقلی اور

جعلی ہیں۔ ان سارے آمد و خرچے کے شیٹوں پر کوئی تین سو کے قریب دستخط اور انگوٹھے کے نشانات ایک ہی فرد کے ہیں اور یہ فرد کون ہے اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

جن چالیس دوکانداروں میں امدادی رقم کی تقسیم ۲۵ ہزار ۰ ۵۴ روپے دکھائے گئے ہیں ان میں سے ۱۶ دوکانداروں کا کہیں وجود ہی نہیں۔ صرف ۸ دوکانداروں میں ایک ایک سو کے حساب سے ۸ سو روپے تقسیم کیے گئے ہیں۔ ساری تحصیل کرناہ میں ایک بھی شخص نہیں ملا ہے جس نے امدادی رقم لی ہو۔ باقی تحصیلوں میں کہیں کہیں معمولی رقم امداد کے طور پر ادا کی گئی ہے۔

شیخ محمد عبداللہ سمجھ گئے، ڈی، پی، در کی یہ فائل بلیک میلنگ کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے، وہ کچھ دیر تک اس پر غور کرنے کے بعد بولے۔

" اگر مرکزی سرکار کو شک ہے کہ ان فنڈس میں ہیرا پھیری کی گئی ہے تو اس کا ذمہ دار پہلے ریلیف اینڈ ریہابی ٹیلیٹیشن منسٹر اور پھر میں ہوں، ماسٹر شیٹ تحصیلداروں نے بنائے ہیں اور ڈی، سی کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں۔ کچھ بھی ہو، مرکزی سرکار انکوائری کمیشن بٹھا سکتی ہے تاکہ پتہ چلے کون کتنے پانی میں ہے۔"

ڈی، پی در ایسا جواب سن کر فائل بند کر کے یہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

جب وہ شیخ صاحب کو شیشے میں اتارنے میں ناکام ہوئے تو مسز اندرا گاندھی نے ان سے پوچھا۔

"کیوں در صاحب! شیخ صاحب ہمارے حق میں بیان دیں گے یا نہیں؟"

" ہاں! دیں گے۔"

بقول ڈی، پی در میں شیخ صاحب سے رخصت ہو کر ہرگز مایوس نہیں تھا، کیونکہ میں نے ان کے چہرے سے پڑھ لیا تھا وہ ہمارے حق میں ضرور بیان دیں گے، اگلے روز مارچ ۷۲، ۱۹ء کو شیخ محمد عبداللہ نے "لندن ٹائمز" کے نمائندے جو مسز اندرا گاندھی سے ملنے کے بعد شیخ صاحب سے ۳ کوٹلہ لین نئی دہلی میں انٹرویو لینے آیا (یعنی بھیجدیا) ان کے سامنے بیان دے کر شیخ صاحب نے انکوائری کمیشن کا مسئلہ خود ہی حل کر دیا۔

اس بیان کا لب لباب یہ تھا۔

" ہندوستان کے ساتھ ہمارا جھگڑا الحاق کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اندرونی خودمختاری کے ڈھانچے کے بارے میں ہے۔ کسی کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ ہم ہی تھے جو کشمیر کو بھارت میں لے آئے ورنہ کشمیر کبھی ہندوستان کا حصّہ نہیں ہوتا......"

اگلے روز اخبارات میں یہ بیان آتے ہی آل انڈیا ریڈیو نے اس کا کئی روز تک خوب ڈھنڈورا پیٹا اور اپنے تبصروں میں انھوں نے شیخ صاحب کے ان الفاظ "کسی کو یہ نہ بھولنا چاہیئے" کو امریکہ اور چین کی طرف منسوب کیا گیا اور یہ باور کرایا گیا۔ شیخ صاحب نے امریکہ اور چین کو دندان شکن جواب دیا۔



(ذوالفقار علی بھٹّو)

اسی دوران ڈی، پی در اپنی فتح کا جھنڈا لے کر ماسکو روانہ ہوگئے۔ روسی لیڈروں کے ساتھ طویل بات چیت کے بعد ذوالفقار علی بھٹّو کو ماسکو آنے کی دعوت دی گئی تاکہ روس ہندوستان اور پاکستان کے درمیان مصالحت کرا سکے اور مسئلہ کشمیر پر دوسرے ممالک کو مداخلت کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو ماسکو گئے تو وہاں تین دنوں تک ان کا قیام رہا۔ اس دوران ہندوستان کے ساتھ مذاکرات کا پروگرام طے پایا۔

ماسکو سے واپسی پر ڈی، پی، در نے بھارت میں مقیم روسی سفیر کے ساتھ بات چیت کی۔

۲۸ مارچ کو روسی سفارت خانے کا فرسٹ سکریٹری شیخ صاحب سے ملاقات کر ۳ کوٹلہ لین آگئے۔ یہاں شیخ صاحب سے ملاقات کے بعد روسی سفیر نے مسز اندرا گاندھی کو اس بات چیت سے آگاہ کیا اگلے روز ۲۹ مارچ کو وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے لوک سبھا میں فرمایا :-

" ہم محاذ رائے شماری کے لیڈروں کے نظریات کی تبدیلی کا خیر مقدم کرتے ہیں کیونکہ انھوں نے اب ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا

الحاق تسلیم کرنے پر آمادگی ظاہر کردی......"

۳۰ مارچ کو سردار سورن سنگھ ماسکو روانہ ہوگیا، ان کی واپسی پر وزیر اعلیٰ سید میر قاسم کو ہدایت مل گئی کہ وہ سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیں، ریاستی حکومت نے ...م ر اپریل کو مرزا افضل بیگ اور بیگم شیخ عبداللہ پر ریاست میں داخلے کی پابندی ہٹالی اس کے ساتھ ہی مولانا مسعودی، غلام محی الدین قرہ اور دوسرے لیڈروں کو رہا کیا گیا۔



(وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ اور وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو)

سردار سورن سنگھ کی ماسکو سے واپسی پر ... اپریل ۱۹۷۲ء کو مسز اندرا گاندھی نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں ہندوستان نے دونوں ملکوں کے درمیان اعلیٰ سطح پر بات چیت کی تجویز پیش کی جسے مسٹر بھٹّو نے قبول کر لیا۔ بات چیت کا ایجنڈا اور دوسرے امور طے کرنے کے لیے مسز اندرا گاندھی نے مسٹر ڈی، پی در کی قیادت میں ۱۶- افسروں کا ایک وفد اسلام آباد بھیجا۔ جس نے مری میں دو دنوں تک پاکستانی افسروں کے ساتھ بات چیت کے بعد ایجنڈا اور دوسرے امور طے کر لیے۔ مسٹر ڈی، پی در ایجنڈا اور دوسرے امور طے کرنے کے بعد ۴ مئی ۱۹۷۲ء کو نئی دہلی آگئے۔ انھوں نے دہلی پہنچ کر بتایا کہ انھوں نے دونوں ملکوں کی چوٹی کانفرنس کے لیے سرینگر کا مقام تجویز کیا تھا، لیکن پاکستان نے یہ تجویز مسترد کر دی، انھوں نے یہ بھی بتایا کہ "پاکستان کشمیر پر بات چیت کے لیے انکار کر رہا ہے اور ہم نے اس پر بات چیت کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کردی ہے۔"

اسلام آباد سے واپسی کے بعد ڈی، پی در اچانک سرینگر آئے اور یہاں سید میر قاسم کے ساتھ طویل بات چیت کی۔

ڈی۔پی۔ در اور سردار سورن سنگھ کی دوڑ دھوپ نے رنگ لایا تو ۲۸ جون ۱۹۷۲ء کو شملہ کے مقام پر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سربراہ کانفرنس شروع ہوئی، پاکستان کے صدر ذوالفقار علی بھٹو شملہ اپنی بیٹی بے نظیر کو لے کر آ گئے تو وہ عوام اور خواص کی توجّہ کا مرکز بنی رہی، شملہ میں قیام کے دوران بے نظیر کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور ان کی بڑی عزّت افزائی کی گئی۔

شملہ ہاؤس کو معزز مہمانوں کے لیے خوب سجایا گیا تھا، اس کی سجاوٹ میں مسز اندرا گاندھی نے خاصی دلچسپی لی۔

شملہ کانفرنس میں شامل ہونے کے لیے شیخ عبداللہ نے بہت کوشش کی تھی، ڈی۔پی۔ در نے مسز اندرا گاندھی کے سامنے شیخ عبداللہ کی شمولیت کی سفارش بھی کر دی تھی، لیکن اندرا جی نے اس موقع پر شیخ عبداللہ کی شمولیت نامناسب سمجھی۔

مسز اندرا گاندھی اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان مذاکرات کے بعد ۶ نکات کا "شملہ معاہدہ" طے پایا۔ اس معاہدہ میں پاکستان نے کشمیر کے تنازعے میں اپنا فریق ہونے کی پوزیشن منوالی۔ دونوں ممالک کے درمیان اس معاہدے میں طے پایا کہ ہندوستان اور پاکستان کشمیر کے تنازعے کے دائمی حل تلاش کرنے کے لیے طاقت کا استعمال کرنے کے بجائے بات چیت کے ذریعے تصفیہ پر پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

شملہ بات چیت میں شامل نہ کر کے اندرا جی نے شیخ عبداللہ کو ناراض ضرور کر دیا۔ لیکن انھوں نے اس ناراضگی کو اُجاگر نہ کیا۔

معاہدہ طے پانے کے بعد شملہ میں ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی بیٹی بے نظیر کے اعزاز میں ایک دعوتِ عصرانہ دیا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو شملہ معاہدے کے تحت تمام یرغمالی فوجوں کو واپس وطن لینے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن مسئلہ کشمیر کی بین الاقوامی پوزیشن کو برصغیر ہند و پاک تک محدود کر گئے۔

شملہ سے پاکستانی وفد کو بڑی گرمجوشی سے رخصت کیا گیا۔



…لہ معاہدے کے دوران، بے نظیر۔ ذوالفقار علی بھٹو۔ اندرا گاندھی
…ور سردار سورن سنگھ دیکھے جا سکتے ہیں۔

بے نظیر اور ذوالفقار علی بھٹو





اندرا گاندھی استقبال کرتے ہوئے



کاوہ بنگلہ، جہاں وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی اور صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو میں مذاکرات ہوئے



شملہ میں پریس کانفرنس سے خطاب



ہندپاک تعلقات میں ایک نیا موڑ، مسز گاندھی اور بھٹو شملہ سمجھوتہ پر دستخط کرتے ہوئے



شملہ میں بھٹو اندرا اور بے نظیر

آگ دی جب باغباں نے آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

وزیراعظم مسز اندرا گاندھی سے شیخ عبداللہ کی ملاقات

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران شیخ محمد عبداللہ
[کش]میر کے ۲ حصوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے کا جو مشورہ مسز اندرا گاندھی کو
[دیا] تھا۔ اس مشورہ سے اُنھوں نے اپنے آپ کو ایک سچا بھارتی ہونے کا ثبوت دیا اور
[اندر]ا گاندھی کو بھری محفل میں اُن کے اس نیک مشورے کا اعتراف کرنا پڑا تھا۔
[اس] ملاقات کے دوران دونوں لیڈروں نے ایک دوسرے کے نزدیک آنے کا
[فیص]لہ کر لیا۔ لیکن بعض مصروفیات نے دونوں کو ملنے کا اس حد تک موقع نہیں دیا کہ
[کھ]ل کر بات چیت کر سکیں۔ جون ۱۹۷۲ء کے پہلے ہفتے میں شیخ محمد عبداللہ اپنا
[چیک] اَپ کرانے کے سلسلے میں آل انڈیا میڈیکل انسٹیچیوٹ میں داخل ہو گئے۔ مسز
[اندرا] گاندھی پہلی فرصت میں ان کی طرف ایک قدم بڑھانے کی غرض سے ان کی صحت
[پوچھنے] لینے میڈیکل انسٹیچیوٹ آگئیں۔ اس ملاقات کے دوران جب اندرا گاندھی نے
[ا]نے ہنسی مذاق میں کہہ دیا۔ میں نے اکبر روڈ سے میڈیکل انسٹی چیوٹ تک آپ کے
[آ]نے کے لئے ایک نہیں بلکہ کئی قدم بڑھائے تو شیخ صاحب فوراً بولے۔

”میں قومی دھارے میں واپس آنا چاہتا ہوں۔ بیٹھے بیٹھے میں تھک سا گیا ہوں۔“
اندرا جی نے انھیں مشورہ دیا کہ پہلے آپ اپنی صحت ٹھیک کیجئے۔ پھر دیکھا جائے گا۔
اندرا جی کے واپس جانے کے کچھ دیر بعد ”نیشنل ہیرلڈ“ کا نمائندہ جب شیخ صاحب
[سے ملا] اور یہ معلوم کیا کہ اندرا جی کے ساتھ آپ کی کیا بات چیت ہوئی ——؟

شیخ صاحب نے فرمایا:

"مسز اندرا گاندھی میرے ساتھ ایک نیا باب کھولنا چاہتی ہیں۔ میں کشمیر اور بھارت کا رشتہ اصولوں اور نظریات کی ہم آہنگی کی بنیاد پر جوڑنے والے دستور بنانے والوں میں ایک اہم رول ادا کر چکا ہوں۔ میں حقِ خود ارادیت اور رائے شماری پر کوئی زور نہیں دے رہا ہوں۔ صرف ۱۹۵۳ء کی معزولی کی شکایت کر رہا ہوں۔"

دوسرے روز اس بیان کے اخبار میں آتے ہی جہاں مرکزی لیڈروں کو اس بیان نے حیرت زدہ کر دیا۔ وہاں ریاست کے لوگ دم بخود سے ہو گئے۔ ۱۹ سالہ سیاسی زندگی کا یہ پہلا پالیسی بیان تھا۔ جو ان کے موقف سے بالکل ہٹ کر تھا۔ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ شیخ عبداللہ نے یہ اچانک کیسا بیان دیا، کل تک جو شخص بھارت پر غاصبانہ قبضہ کرنے کا الزام لگا رہا تھا۔ وہ حق خود ارادیت اور رائے شماری سے دستبردار ہو کر صرف ۱۹۵۳ء کی معزولی کی شکایت کر رہا تھا۔ آل انڈیا ریڈیو نے اُن کا یہ بیان خوب اچھالا تو مسز اندرا گاندھی دوبارہ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ گئیں۔ اُنھوں نے ذاتی طور پر ڈاکٹروں کو ہدایت دی کہ وہ شیخ صاحب کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں۔

میڈیکل انسٹیچیوٹ میں چیک اَپ کرانے کے بعد وہ چند روز تک دہلی میں قیام پذیر رہنے کے بعد سرینگر آ گئے۔ دہلی میں ان کے بیان پر ناراضگی کے اظہار میں لال چوک میں ان کے خلاف سنجیدہ نوجوانوں اور طالب علموں کا مظاہرہ ہوا اور ۱۹۵۳ء کی معزولی اور گرفتاری کے بعد انھیں پہلی بار استقبال کے بجائے نوجوانوں کے غیض و غضب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن "محاذ" کے پالتو غنڈے جو عام طور پر شیخ صاحب کے ساتھ سائے کی طرح رہتے آئے ہیں۔ جن میں بعض ڈرائیور، سینما کے بلیکر اور وہ پھیرے والے جو چاول کے ریزے کا کاروبار کرتے ہیں اور اس کاروبار میں اوّل اور آخر دھوکہ اور ملاوٹ شامل ہے۔ یہ سب مِل کر ان نوجوانوں اور طالب علموں پر لوٹ پڑے، انھوں نے شیرِ کشمیر کی خاطر نہ صرف اُن نوجوانوں کو مار بھگایا بلکہ اُن کے کپڑے پھاڑ کر اُنھیں ننگا کر کے واپس گھروں کو بھیجدیا۔

شام کو محاذِ رائے شماری کے ارکان نے شیخ صاحب کو دہلی میں ان کے بیان

سے پیدا شدہ صورت حال سے آگاہ کرایا تو انھوں نے دوسرے روز حضوری باغ میں جلسہ عام کی منادی کرائی۔

حضوری باغ میں انھوں نے حسبِ معمول قرآنی آیات کی تلاوت کی اور اس کے بعد مترنم آواز میں گنگنایا۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اُن کو اپنی منزل آسمانوں میں

"...... مسز اندرا گاندھی نے مجھے مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لئے ایک نیا باب کھولنے کی پیش کش کی۔ میں خود بھی ہند کشمیر تعلقات کا ایک نیا باب کھولنے کا آرزو مند ہوں۔ میں کشمیریوں کو عزّت و آبرو کا مقام دلانا چاہتا ہوں۔ مرکز اور ہمارے درمیان جو بات چیت ہو گی اس کے نتائج عوام کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ اگر اہلِ کشمیر نے ہماری بات چیت کے نتائج کو منظور کیا تو میں خود بھی اسے قبول کرونگا ورنہ مذاکرات کا یہ سلسلہ بند کروں گا۔ عوام کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اُن کے مفاد کے خلاف کوئی کام نہیں کیا جائے گا۔"

شیخ صاحب کے اس بیان پر لوگوں کو اعتبار کرنے کے سوا اور کوئی ارہ نہیں تھا۔

کیونکہ تقریر سے قبل قرآن شریف سے سورۃ رحمٰن کی تلاوت کی گئی تھی۔ ن تقریر کے مطابق عوام کی عزّت و آبرو بحال ہو رہی تھی۔ بات چیت کے بارے ں فیصلہ دینے کا انھیں پورا حق دیا گیا تھا۔ اس کے سوا عوام کو اور کیا چاہیئے تھا۔ انچہ وہ "شیرِ کشمیر" زندہ باد کے فلک شگاف نعرے کرتے ہوئے واپس آ گئے۔



اُن کے حواری ان کی سواری کے آگے پیچھے وہی اچھل کر کے زندہ باد نعرے دینے لگے جن کے سوا وہ نہ کچھ تے تھے اور نہ ہی جاننے کی انھیں ضرورت تھی۔

۱۲ر جون ۱۹۷۲ء کو دہلی میں بیگ پارتھا سارتھی کی

بات چیت کی بنیاد ڈالی گئی۔

۱۳ر جولائی کو مزار شہدا پر شیخ صاحب نے عوام سے خطاب فرمایا:



(جی۔ پارتھا سارتھی)

"..... شہیدوں نے جس مقصد کے لئے اپنا خون بہایا وہ خون کسی بھی صورت میں ضائع نہیں ہونے دیا جائے گا۔ ہمارا نصب العین آزادی اور حق خود ارادیت ہے اور یہ نصب العین حاصل کرنے کے لئے ہم تب تک اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے جب تک ہماری جان میں جان باقی ہے۔ میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی پیٹھ پیچھے کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور آپ لوگوں کی منشا کے خلاف کوئی فیصلہ ٹھونسا نہیں جائے گا۔ کشمیری عوام کے دلوں میں ہمارے بارے میں شک وشبہ کی جو فضا پیدا کی جا رہی ہے۔ اُس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہم نے ان شہیدوں کے خون کو گواہ بنا کر قوم سے کچھ وعدے کئے ہیں اور ان وعدوں کو ہمیں پورا کرنا ہے۔ اگر ہم اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے تو آخرت میں قدرت کے سامنے ہمیں اس کے لئے جواب دِہ ہونا پڑے گا۔ لوگوں کو شورش اور افواہوں پر کان نہیں دھرنا چاہیئے۔ ہمارے دشمن عوام کو ہمارے بارے میں بدگمان کرنے کی جو مذموم کوشش کر رہے ہیں۔ اس میں وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکیں گے — آپ کو ان عناصر سے خبردار رہنا چاہیئے۔"

شیخ عبداللہ کی اس تقریر کا جب چرچا ہوا اور اپوزیشن نے مرکز میں اس بیان پر شور مچایا تو شیخ صاحب نے وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے نام ۲۳ر اگست کو ایک تار روانہ کر دیا۔ انگریزی سے ترجمہ:-

"آپ کو میری باتوں سے ہرگز گھبرانا نہیں چاہیئے۔ آپ تو جانتی ہیں کہ ہمیں یہاں کشمیر میں موقع ومحل دیکھ کر عوام کے سامنے تقریریں کرنا پڑتی ہیں۔"

رلیس کے لئے نہیں ہے)۔

۱۳ر نومبر ۱۹۷۲ء کو شیخ صاحب دہلی روانہ ہو گئے۔ اس دوران بیگ پارتھا رتھی ملاقات اور مذاکرات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ تقریباً دو ہفتے تک دہلی میں قیام نے کے بعد شیخ صاحب واپس سرینگر آ گئے اور ۳۰ر دسمبر کو وہ پھر دہلی چلے گئے۔

۲۴ر جنوری ۱۹۷۳ء کو انھوں نے بات چیت کے بارے میں پیش رفت کے سوال کے جواب میں پریس ٹرسٹ آف انڈیا کو بتایا:

"میں ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کی حقیقت کو اب چیلنج نہیں کرتا۔ لیکن کشمیر کے مرکز کے ساتھ تعلقات دستاویز الحاق اور دفعہ ۳۷۰ کے مطابق طے ہونے چاہئیں۔"

سرینگر میں شیخ عبداللہ کے اس بیان پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ محاذ کے ر اپنے موقف سے ہٹ جانے پر ہدفِ ملامت بننے لگے تو ۳۰ر جنوری کو مرزا افضل نے پلوامہ میں جلسہ عام کے سامنے فرمایا:

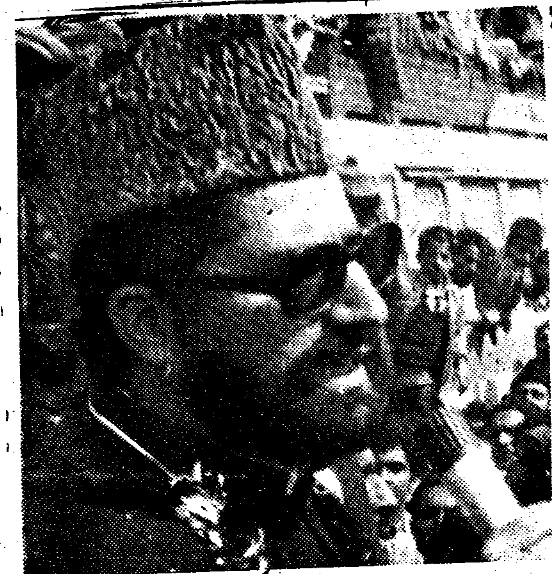
"...... میدانِ جنگ میں ہم نے ایک محاذ پر ناقابلِ عبور مشکلات کے پیش نظر لڑائی کو دوسری جگہ منتقل کیا ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم نے شکست تسلیم کر لی ہے۔ البتہ ہم نے اپنی حکمتِ عملی تبدیل کی ہے۔"

اس بارے میں اُنھوں نے یکم فروری کو مجاہد منزل میں پارٹی ورکروں کے سامنے کہا:

"ہمیں اقتدار کی ہوس یا آرزو نہیں۔ ہم پر مفاد پرست عناصر غلط الزامات عاید کر رہے ہیں......"

اس طرح شیخ عبداللہ اور افضل بیگ نے اپنے بیانات کے گورکھ دھندے میں عوام کو نا شروع کیا۔ مرزا محمد افضل بیگ نے زندگی کے آخری ایام میں اس بات کو تسلیم کر لیا کہ ہم وڈرارک میں رکھکر اپنا کام کر رہے تھے اور آج جبکہ میں زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا ہوں حساس ہو رہا ہے۔ خدا ہمیں عوام سے کیا گیا دھوکہ تب تک معاف نہیں کرے گا جب تک معاف نہ کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم اتنے سستے میں یہ سودا طے کرنا نہیں چاہتے تھے پھر نہ کیا ہوا کہ ہم سوائے اقتدار کے کچھ بھی حاصل نہ کر سکے۔





محاذ رائے شماری اور عوامی ایکشن کمیٹی کے سربراہ

تھی نبات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو اُن کے جی میں کیا آئی کہ عُریاں ہوگئیں

محاذِ رائے شماری اور عوامی ایکشن کمیٹی کے

موقف میں تبدیلی، محاذ کو دفنانے کا آغاز

ریاست میں اسمبلی انتخابات سر پر آرہے تھے۔ سیّد میر قاسم نے اپنی وزارت پائیداری کے لئے بخشی غلام محمد کے ساتھ یارانہ گانٹھ لیا۔ ۱۴ راپریل کو سابقہ یر اعظم بخشی غلام محمد نے نیشنل کانفرنس کو توڑ کر کانگریس میں ضم کر دیا۔ تاکہ دونوں مل کر محاذِ ے شماری کا مقابلہ کر سکیں، بخشی صاحب کو اپنی ناؤ اتارنے کے بعد سید میر قاسم نے ڈی۔ پی۔ در اتھ بھی صلاح مشورہ کیا جو مرکزی وزارت میں منصوبہ بند تھے۔ اِس صلاح مشورہ کی آڑ میں پی۔ در نے ریاستی کابینہ میں اپنے حامیوں کو عہدوں پر فائز کرنا شروع کیا۔



(بخشی غلام محمد)

ڈی۔ پی۔ در کے مشورہ سے سید میر قاسم نے اندرا گاندھی کے سامنے انتخابات کی عمل آوری خ عبداللہ کو دہلی میں ہی ایک طرح سے مقید رکھنے کی تجویز پیش کی، تاکہ وہ کر انتخابات کے موقعہ پر کوئی گُل نہ کھلا سکیں۔ انتخابات کے سِلسلے میں محاذِ رائے دو حصوں میں بٹ گئی اور اس کے اثرات صاف طور پر دکھائی دینے لگے۔

انتخابات کے سِلسلے میں گفتگو کرنے کے لئے غلام محی الدین قرہ اور مبارک شاہ

نئی دہلی گئے تاکہ وہ بھی شمیم احمد شمیم جیسی حمایت حاصل کر اسکیں لیکن یہ بات چیت بے نتیجہ رہی کیونکہ شیخ صاحب کو میر قاسم اور بخشی صاحب کے ہوتے ہوئے صاف ستھرے انتخابات کا بہت کم بھروسہ تھا۔ اس طرح اُن کو لینے کے دینے پڑ جاتے۔ جب یہ لیڈر دہلی سے واپس سرینگر آ گئے تو ان کے ساتھ مولانا محمد سعید مسعودی کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ تاکہ شیخ صاحب کی ہدایت پر کوئی کھمبے کو ووٹ دینے کے لئے عوام سے کہنے والا باہر نہ رہے۔

بیگم شیخ محمد عبداللہ جو اپنے شوہر کے ساتھ دہلی میں مقیم تھیں۔ ان پر دوبارہ ریاست میں داخل ہونے کی پابندی لگا دی گئی۔

اِس طرح ریاستی کانگریس پارٹی نے اُن تمام خطروں کو پار کر لیا جو الیکشن میں اسے لاحق تھے۔ محاذ رائے شماری کا میدان سے ہٹنے یا ہٹانے کے بعد عوامی مجلس عمل اور جماعتِ اسلامی نے موقع غنیمت جان کر الیکشن لڑنے کا فیصلہ کر لیا لیکن وہ کانگریس کی حکمتِ عملی کے کارن کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

انتخابات میں جماعتِ اسلامی نے پانچ اور عوامی ایکشن کمیٹی نے دو نشستیں، حاصل کر لیں۔ کانگریس نے اپنا پُرانا نسخہ آزما کر الیکشن پر اپنی گرفت برقرار رکھی۔ انتخابات کی عمل آوری مکمل ہوئی اور حالات بالکل نارمل ہو گئے تو ۵ر جون ۱۹۷۲ء کو شیخ عبداللہ پر کشمیر میں داخلے کی پابندی اُٹھالی گئی۔ تاہم وہ دہلی میں ہی ٹھہرے۔ اِس موقعہ پر اُنھوں نے اخباری نمائندوں کو بتایا:

"میں نے سُنا ہے مرکزی سرکار نے مجھ پر کشمیر میں داخلے کی پابندی اُٹھالی ہے لیکن ابھی میں نے کشمیر جانے کا فیصلہ نہیں کیا ہے۔ کب جاؤں گا۔ یہ تو سب کو پتہ چلے گا۔ میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان اور کشمیر کے بارے میں اصل جھگڑا الحاق پر نہیں جیسا کہ بعض حلقے ایسا محسوس کر رہے ہیں۔ ہندوستان اور کشمیر کے درمیان تعلقات کی بنیاد دفعہ ۳۷۰ ہے اور ہم اس کے تحفظ کی ضمانت چاہتے ہیں۔"

۱۲ر جون کو دہلی میں مسز اندرا گاندھی کے ساتھ ایک گھنٹہ تک خفیہ ملاقات کرنے کے بعد اُنھوں نے ۱۹ر جون کو سرینگر آنے کا پروگرام بنایا۔

دہلی میں جلاوطنی کے ایام گزارنے کے بعد جب شیخ عبداللہ سرینگر آئے۔ تو محاذِ رائے شماری کی طرف سے ہوائی اڈے پر ان کا استقبال کیا گیا۔ لیکن اس استقبال میں وہ جوش اور جذبہ نہیں تھا۔ جو اس سے قبل ان کے استقبال میں ہوا کرتا تھا۔ لوگوں کا موڈ دیکھ کر جادوگر نے اپنی جھولی سے لکڑی کی نائی نکالی اسے منہ سے لگا کر اس پر اپنی انگلیاں گھمائیں۔ دوسرے ہاتھ میں ڈگڈگی لے کر وہی پُرانا نسخہ آزمایا۔ جو انھوں نے نادان کشمیری عوام کے لئے اپنے پاس محفوظ رکھ دیا تھا۔

سرینگر کے ہوائی اڈے پر اخباری نمائندوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے اُنھوں نے فرمایا:

"....کشمیر کے بارے میں فیصلہ یا تصفیہ عوام کی آزادانہ رائے کے مطابق ہی ہوگا اور لوگوں پر کوئی رائے نہیں ٹھونسی جائے گی۔ وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی سے میری ملاقات ہوئی ہے اور ہم اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ ہم کشمیر اور ہندوستان کے تعلقات میں ماضی کی تلخیوں کو بھول کر ایک نیا باب شروع کریں اور یہ کوشش کی جائے گی کہ جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ان کو دور کرنے کے لئے ایک باعزت راستہ تلاش کیا جائے ـــــ لوگوں کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ ہو سکتا اور نہ ہم اپنے مطالبات سے دستبردار ہو سکتے ہیں"۔

ہوائی اڈے سے شیخ صاحب سرینگر آئے تو لوگوں کی طرف سے اُن کے اعزاز میں کوئی استقبال نہیں ہوا۔ پہلی بار ان کے ساتھ عوام کی طرف سے ایسا برتاؤ ہوا تو وہ بے دل سے ہو گئے۔ اپنے قریبی ساتھیوں نے ان کو بتا دیا کہ بنیادی موقف بدلنے سے لوگ تنظیم سے دور ہو رہے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اُنھوں نے ۴ر جولائی کو سوپور کے عیدگاہ میں ایک بڑے عوامی اجتماع سے خطاب فرمایا۔

"..... مسز اندرا گاندھی اور ذوالفقار علی بھٹو کو کوئی اخلاقی اور قانونی حق نہیں پہنچتا کہ وہ کشمیر کے حل طلب مسئلے کا تصفیہ کشمیری عوام کی مرضی کے بغیر ہی کر لیں، یہاں کے لوگ چالیس برس سے حق خودارادیت کی جدوجہد کر رہے ہیں اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ...."

انھوں نے مزید کہا:

"…. حال ہی میں جب ہندوستانی لیڈروں نے مجھ سے پوچھا۔ کشمیری مسلمان ہندوستان کے کیوں خلاف ہیں۔ تو میں نے اُن کو بتادیا کہ آپ لوگ کشمیری عوام کے حقِ خود ارادیت کی حمایت سے منحرف ہو گئے ہیں اور یک طرفہ طور پر اٹوٹ الحاق کی رٹ لگا کر لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں۔ جبکہ پاکستان، یہاں تک کہ چین نے بھی کشمیریوں کے خود ارادیت کی حمایت کرکے یہاں کے لوگوں کے دل جیت لئے ہیں اگر ہندوستان بھی کشمیری عوام کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُسے بھی اُن کے حقِ خود ارادیت کو تسلیم کرنا چاہیئے …. "

کشمیری عوام کے محبوب لیڈر شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے کشمیری عوام کو سرے ہی سے ڈنگر سمجھ لیا تھا اور وہ بخوبی جانتے تھے۔ ان ڈنگروں کے سامنے کیا کہنا چاہیئے۔ ورنہ اگر ہم لوگ انسان ہوتے تو دہلی میں الحاق کو تسلیم کرکے کشمیر میں حقِ خود ارادیت کی بات نہیں کرتے — اگر کرتے تو انسان ان سے پوچھ لیتے — آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں اور کس کو کہہ رہے ہیں؟!

دہلی میں پریس نمائندوں کے سامنے انھوں نے واضح الفاظ میں ۱۹ سال کے موقف کو خیرباد کہہ کر بغیر کسی تجہیز و تدفین کے اسے سپرد خاک کیا اور ان الفاظ کے ساتھ اس پر فاتحہ پڑھی ….

"…. میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کشمیر کے بارے میں اصل جھگڑا الحاق پر نہیں جیسا کہ بعض حلقے ایسا محسوس کر رہے ہیں۔ ہندوستان اور کشمیر کے درمیان تعلقات کی بنیاد دفعہ ۳۷۰ ہے اور ہم اس کے تحفظ کی ضمانت چاہتے ہیں۔"

جبکہ وادی کشمیر میں آکر انسانی صورت کے بھیڑ اور بکریوں کے سامنے بتایا:

"…. میں نے ہندوستان کو بتایا — آپ لوگ کشمیری عوام کے حقِ خود ارادیت کی حمایت سے منحرف ہو گئے ہیں اور یکطرفہ طور پر اٹوٹ کی رٹ لگا کر لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں۔"

کشمیری عوام کا محبوب لیڈر دہلی میں کشمیری عوام کے "حقِ خود ارادیت"
[و]نچے منصب سے نیچے آکر دفعہ ۳۷۰ کے تحفظ (یعنی ۱۹۵۳ء کی بحالی)، تک بہت
[آ]یا۔ لیکن یہاں آکر نادان اور ناسمجھ قوم کو سبز باغ دکھانے میں کوئی پس وپیش نہ
انسانی صورت کی ان بھیڑ بکریوں نے اپنے گڈریے کی دہلی کی پریس کان
[ک]ی رپورٹ بھی سُنی اور یہاں اُن کی تقریر بھی سُنی لیکن وہ اس تضادِ بیانی کا کوئی م
[نہ] کر سکے۔ وہ اپنی غیرت اور شعور کا کوئی ثبوت نہ دے سکے۔

واضح رہے کہ اس قسم کی بے غیرتی اور بے شعوری کا الزام ہر کشمیری پر نہیں
[لگ]تا، البتہ بیشتر لوگ اس الزام سے بری بھی نہیں ہو سکتے۔

۲۹ جولائی ۱۹۷۲ء کو شیخ محمد عبداللہ نے نئی دہلی میں مسز اندرا گاندھ[ی]
[سے طو]یل ملاقات کی، اس ملاقات کے دوران شیخ عبداللہ سے صاف صاف کہا گ[یا]
[آ]پ کے لئے ریاست کا وزیر اعلیٰ بننا آپ کے شایانِ شان نہیں۔ لہٰذا
[بہتر ہ]ی رہے گا کہ آپ مرکزی وزارت میں آجائیں۔

شیخ عبداللہ اس غیر متوقع سوال کو سُن کر سٹپٹا گئے۔ قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب
[د]ے دیتے۔ اندرا جی نے بڑی ہوشیاری سے کہا۔

"ہمیں مرکزی وزارت میں آپ جیسے بزرگوں کی بڑی ضرورت ہے۔"

شیخ صاحب سوچ رہے تھے کہ میں کیا جواب دوں۔ اندرا جی پھر بولیں۔

"بتایئے آپ کے لئے کونسا پورٹ فلیو مناسب رہے گا؟"

شیخ صاحب اب بھی کوئی جواب نہ دے سکے۔ تو انھوں نے خود ہی ان کی مشکل
[آس]ان کر دی۔

"کوئی جلدی نہیں، آپ سوچ سمجھ کر جواب دیجئے۔ آپ کے جواب کا ہمیں
[انتظ]ار رہے گا۔"

شیخ صاحب دہلی سے سرینگر آگئے — ۹ اگست ۱۹۷۲ء کو مجاہد منزل
[میں اپ]نی معزولی کا ماتم منانے کے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے مسز اندرا
[گاند]ھی سے اپنی رضامندی کا انکشاف ان الفاظ میں کیا۔

"…… اس وقت میرا میدانِ کارزار صرف کشمیر ہی نہیں بلکہ پورا ہندوپاک

ہے۔ میں باہر جاؤں گا۔ وقتاً فوقتاً یہاں بھی آؤں گا۔ میں کشمیریوں کو وہاں بھی نہیں بھولوں گا۔ ہمیں اپنی ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کی رہنمائی کرنی ہے۔"

شیخ صاحب کے اس انکشاف سے محاذ کے لیڈر کچھ حیران سے رہ گئے۔ شیخ صاحب آج یہاں خلافِ معمول کیا کہہ گئے ؟ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

صوفی محمد اکبر، غلام محمد شاہ، غلام رسول کوچک، غلام محمد بٹ، عطا اللہ سہروردی، حکیم حبیب اللہ، غلام محمد بھدرواہی، حسام الدین بانڈے اور دوسرے اصحاب نے جلسہ کے اختتام پر مجاہد منزل کی بیٹھک میں جب شیخ صاحب سے اس نئے انکشاف کی وضاحت چاہی تو انھوں نے ان لیڈروں کو گول مول جواب دیا۔

چونکہ مرزا افضل بیگ اس انکشاف کے پس منظر سے کچھ کچھ واقف تھے۔ انھوں نے شیخ صاحب کو بتایا۔ مرکزی سرکار میں آپ کا جانا سیاسی خودکشی کے مترادف ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کرنا، مسز اندرا گاندھی آپ کو کشمیری عوام سے دور کرنے کا جو کھیل کھیل رہی ہیں وہ تنظیم کے لئے ٹھیک نہیں۔

شیخ عبداللہ چونکہ اقتدار کے لئے سخت اتاولے تھے۔ چاہے یہ کشمیر میں ملے یا دہلی میں۔ انھوں نے مرزا افضل بیگ کی رائے نظر انداز کر دی۔ شیخ صاحب کی اس حرکت سے مرزا افضل بیگ نے جذبات میں آکر پارٹی سے مستعفی ہونے کا اعلان کیا۔ بیگ صاحب سے جب اچانک اس طرح مستعفی ہونی کی وجوہات پوچھی گئیں۔ تو انھوں نے اس کے بارے میں کچھ بھی کہنے سے انکار کیا۔ البتہ بیگ صاحب کی اس دھمکی کے آگے شیخ صاحب کو جھکنا ہی پڑا اور انھوں نے مرکزی وزارت میں جانے کا اپنا ارادہ ترک کیا۔

بیگ صاحب جب وزارت کے ساتھ تنظیم سے بھی نکالے گئے تو ۳ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو انھوں نے اپنی کوٹھی پر اپنے بعض حمائیتیوں کے سامنے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ میں نے ۱۹۷۲ء میں شیخ عبداللہ کو مرکزی وزارت میں جانے دیا ہوتا تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ بلکہ میں بلا شرکت غیرے اس ریاست کا حاکمِ اعلیٰ ہوتا۔

شیخ عبداللہ نے مرکزی وزارت میں جانے کا خیال ضرور چھوڑ دیا۔ لیکن وہ

مسز اندرا گاندھی کے سامنے انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ صاحب کی طویل خاموشی تک وہ اُن کے آنے کا انتظار کرتی رہیں۔

سابقہ وزیر اعظم بخشی غلام محمد ۱۵ر جولائی ۷۲ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ صبح سویرے جب ان کی ناگہانی موت کی اطلاع لوگوں تک پہنچ گئی۔ تو شہر سرینگر میں ایک سنّاٹا سا چھا گیا۔ بخشی صاحب کی موت کی خبر گشت کرنے لگی تو شیخ عبداللہ نے منادی کرائی کہ کوئی کشمیری باشندہ بخشی غلام محمد کے جنازہ میں شریک نہیں ہو گا۔ شیخ صاحب خود بھی اس جنازہ میں شریک نہیں ہوئے۔ شیخ صاحب کے منع کرنے کے باوجود کافی تعداد میں لوگوں نے آخری سفر تک ان کا ساتھ دیا۔



(بخشی غلام محمد)

بخشی غلام محمد کی موت کے بعد اچانک شیخ صاحب نے جنم جنم کے مخالفین مولوی ...رٹی سے صلح کرنے کا بیڑا اُٹھایا تاکہ وقتِ ضرورت جب محاذِ رائے شماری کو ...فنانے کا وقت آ پہنچے۔ اُس وقت یہ کسی قسم کی طوفانِ بدتمیزی نہ کریں۔

مولوی فاروق کے ساتھ یارانہ گانٹھ کر دونوں سیاسی پارٹیوں محاذ رائے ...ماری اور عوامی ایکشن کمیٹی نے کشمیری قوم کے لئے "رائے شماری" کا مطالبہ سرینگر ...میونسپلٹی کے الیکشن میں بدل دیا۔

اِس طرح دونوں پارٹیوں نے اپنا اپنا موقف سرینگر میونسپل کمیٹی کی نشستیں مل ...ٹ کر کھانے سے حاصل کر لیا۔ مرکزی سرکار کی ہدایت پر ریاستی حکمران کانگریس ...بلدیاتی اور پنچایتی انتخابات میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ اس جماعت نے محاذ رائے ...اری اور عوامی ایکشن کمیٹی کو اپنی ناؤ میں اُتار کر اُن کے لئے بلدیاتی اور پنچایتی ...وازے کھول دیئے۔

۱۱ر نومبر کو عید الفطر کے موقعہ پر مرکز کی ہدایت پر سید میر قاسم نے شیخ صاحب ...بیگ صاحب کو دعوتِ عصرانہ دیا اور اس دعوت کے دوران میر قاسم نے اُنھیں

وزارت سنبھالنے کا اشارہ دیا۔

دراصل میر قاسم کو دہلی سے ہدایت مل گئی تھی کہ وہ ان لیڈروں کے ساتھ رابطہ بڑھائیں اور شیخ عبداللہ کو دہلی آنے کے لئے کہیں۔



(میر قاسم)

۱۰ نومبر کا تار سید میر قاسم نے شیخ صاحب کو دکھایا تو ۱۳ نومبر کو شیخ صاحب دہلی روانہ ہو گئے۔ دہلی میں شیخ صاحب کے قیام کے دوران بات چیت کے کئی دور ہوئے۔ اس بات چیت میں مرزا افضل بیگ نے بھی شرکت کی۔

۱۱ جنوری ۱۹۷۳ء کو محاذ رائے شماری پر پابندی اٹھائی گئی اور اسی روز شیخ عبداللہ کو بتایا گیا کہ وہ مجلس عمل کے صدر مولوی فاروق کو بھی اپنے ساتھ رکھیں تاکہ دونوں مل کر علیحدگی پسندوں کا مقابلہ کر سکیں۔

سرینگر آکر مرزا افضل بیگ ہوائی اڈے سے سیدھے مولانا فاروق کے ہاں گئے اور انھیں مرکزی سرکار کی یہ ہدایت پہنچا دی کہ وہ کشمیر میں علیحدگی پسندوں کا مقابلہ کرنے کے لئے محاذ رائے شماری کے دوش بدوش کام کریں۔

۱۸ جنوری ۱۹۷۴ء کو عید الضحیٰ کے موقعہ پر اسلام آباد کی عید گاہ میں اور سرینگر کی جامع مسجد میں مولانا فاروق اور مرزا افضل بیگ کو ہندوستان کے گیت گانے پر بیک وقت ہوٹنگ اور مظاہرہ کا سامنا کرنا پڑا۔

اتفاق کی بات ہے ایک ہی وقت میں اسلام آباد کی عید گاہ اور سرینگر کی جامع مسجد میں جب مرزا محمد افضل بیگ اور مولوی فاروق پر حملہ کیا گیا تو دونوں کو جان بچانے کے لئے بھاگنا اور اپنے اپنے گھروں میں چھپنا پڑا۔

مخالفت کا بڑھتا ہوا زور دیکھ کر یکم فروری کو مجاہد منزل میں مرزا افضل بیگ نے پارٹی ورکروں کے سامنے فرمایا:

"..... ہمیں اقتدار کی ہوس یا آرزو نہیں — ہم پر مفاد پرست عناصر الزامات خواہ مخواہ عاید کر رہے ہیں ......"

بیگ صاحب ابھی بول ہی رہے تھے کہ انھیں محاذ کی صدارت سے مستعفی ہونے کو کہا گیا۔ بیگ صاحب نے مستعفی ہونے سے انکار کیا تو حکیم جواد نے دھمکی

ی کہ ہم عدالت سے رجوع کریں گے تاکہ بیگ صاحب محاذ رائے شماری کے آئین ی خلاف ورزی کرتے پر اس کا نام اور اثاثہ استعمال نہ کر سکیں۔

اس موقع پر شیخ عبداللہ نے بیچ بچاؤ کر کے مرزا افضل بیگ کو بچا لیا۔ لیکن ہ محاذ رائے شماری میں پھوٹ کو نہیں روک سکے۔

مولوی فاروق چند روز تک گھر سے باہر بھی نہیں نکل سکے۔

آخر کار جمعہ کے روز اپنے قریبی ساتھیوں کے نرغے میں وہ جامع سجد آ گئے۔



شیخ صاحب عوامی اجتماع کے سامنے فرما رہے ہیں:۔ مرکز کے ساتھ مسئلہ کشمیر کے بارے میں جو بات چیت ہوگی عوام سے اس کے بارے میں رائے لی جائے گی۔

اقبال بڑا اُپدیشک ہے من باتوں سے موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

بات چیت کے نتائج کے
...رے میں عوام سے رائے لی جائے گی

...محاذ کے لیڈر آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے اپنے ہتھیار ڈالنے لگے تو دہلی میں ...دونوں لیڈروں کے قیام کے دوران مرکزی سرکار نے ۲۴ فروری ۱۹۷۳ء کو ...میں شیخ صاحب کے لئے ایک پریس کانفرنس کا انعقاد کرایا۔ لیکن شیخ صاحب ...عین موقع پر طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر کے پریس کانفرنس میں جانے سے ...دوری ظاہر کی۔ البتہ مرکزی سرکار اور پریس نمائندوں کی ناراضگی کو مدنظر رکھ کر ...شعر کے لئے وہاں بیگ صاحب کو بھیجدیا۔ اس پریس کانفرنس میں شیخ صاحب کو ...بیان پڑھ کر سُنانا تھا وہ مرکزی انفارمیشن منسٹری سے تیار ہو کر آیا تھا۔ اگر شیخ صاحب ...یہ بیان پریس کانفرنس میں پڑھ کر خود سُنایا ہوتا تو کشمیر ایکارڈ ۱۹۷۳ء میں ہی ...تکمیل کو پہنچ گیا ہوتا۔ بیگ صاحب نے پریس بیان میں حالت کی نزاکت کو دیکھ کر ...میں تبدیلی، ترمیم اور کمی بیشی کر کے جو بیان جاری کیا۔ حسب ذیل ہے :۔

"ہم جموں و کشمیر کی اندرونی خود مختاری پر حکومت ہند سے بات چیت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ کشمیر کا ہند سے تعلق پائیدار بنیادوں پر استوار کیا جائے ریاست کے الحاق کا مسئلہ ہمارے لئے اب بے تعلق ہو چکا ہے۔ میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم نے ۱۹۴۷ء کی دستاویز الحاق اور اس کے تمام پہلوؤں کی بھرپور حمایت کی اب ہم الحاق کو یقینی اور مستقل بنانے کے لئے کسی بھی وقت بات چیت

کے لئے تیار ہیں۔ یہ بات چیت آئین ہند کی دفعہ ۳۷۰ کی روشنی میں کی جاسکتی ہے۔ پاکستان کو اس کے اندرونی مسائل حل کرنے کے لئے الگ چھوڑ دینا چاہیئے۔ ہم رائے شماری کروانے کے مطالبے پر بضد نہیں ہیں میں خود ہی محاذ رائے شماری کا نام تبدیل کرنے پر غور کر رہا تھا لیکن اب اس معاملے پر دوسرے ممبران سے بات چیت کروں گا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ اس سوال پر میری پارٹی مجھ کو ہی جماعت سے خارج کرے!"

دہلی میں اس قسم کے بیانات نے وادی کے لوگوں کو اپنے لیڈروں کی جانب سے بے حد پریشان و اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ اسی دوران شیخ صاحب سرینگر آئے تو انھوں نے اپنے پرانے نسخے کے مطابق عوام کی بیماری کے لئے وہی دوا تجویز کی جو ان کا تیر بہدف علاج تھا۔

انھوں نے مجاہد منزل میں ایک عوامی جلسے سے خطاب فرمایا:

"..... میری چالیس سالہ سیاسی زندگی آپ کے سامنے ہے۔ میں نے ساری عمر آپ کی عزت و آزادی کے لئے جدوجہد کی اب میں ایک ڈوبتا ہوا سورج ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس عمر میں آپ کی آزادی کا سودا کروں..... میں نے جس اقتدار کو آپ کے حق حق خودارادیت کے لئے ٹھکرایا اس اقتدار کے لئے میں آپکے اس حق سے کیسے دستبردار ہو جاؤں، میرے بارے میں آپ کو بدظن کرنے کی یہاں ایک مہم چلائی جا رہی ہے۔ آپ کو اس کے بارے میں ہوشیار رہنا چاہیئے ......"

۲۸ جولائی ۱۹۷۳ء کو مسٹر پارتھا سارتھی نے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ ایک طویل ملاقات کی۔ اس ملاقات کے بارے میں جب اخباری نمائندوں نے ان سے پوچھا۔ تو انھوں نے کچھ کہنے کے بجائے بیگ صاحب سے پوچھنے کو کہا۔

بیگ صاحب نے برملا کہہ دیا۔

"..... مسٹر پارتھا سارتھی کے ساتھ ہماری جو بات چیت ہوئی۔ وہ اس مرکزی نقطے کے ارد گرد گھومتی رہی کہ ہند کے ساتھ کشمیر کا الحاق اٹوٹ اور حتمی ہے۔"

۱۲ اگست کو "ہندوستان ٹائمز" میں شیخ صاحب کے بیان نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی:

"..... ریاست جموں و کشمیر بھارت کا ایک اٹوٹ حصہ ہے۔ ہم نے ہندوستان کے ساتھ رشتہ سوچ سمجھ کر جوڑا ہے نہ کہ جذبات میں آکر۔ لیکن ہم دونوں پر کچھ ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں جن کو ہمیں پورا کرنا ہے۔ میں ہند کے ساتھ اپنے کئے گئے وعدوں پر کاربند ہوں، ہند کی وزیراعظم سے میں نے کہا ہے کہ ۱۹۵۳ء کی بنیاد پر اندرونی خودمختاری کا جو نقشہ بنتا ہے وہ دفعہ ۳۷۰ کی آئین میں درج ہے۔ اگرچہ مجھے پوری اُمید ہے کہ وزیراعظم ضرور کچھ نہ کچھ کریں گی لیکن ابھی تک اُن کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا ہے۔ ہندوستان کے ساتھ جب کوئی سمجھوتہ ہوگا تو لوگوں کے سامنے رکھا جائے گا اور فیصلہ بھی لوگوں کو ہی کرنا ہے۔"

وزیراعظم نے یکم اگست کو وزیر اعلیٰ سید میر قاسم کو دہلی بلایا تھا اور ...ں شیخ صاحب کے ساتھ سیاسی سمجھوتہ کرنے کو کہا۔

دہلی کی واپسی پر سید میر قاسم نے مدیر "آفتاب" خواجہ ثناء اللہ بٹ کو ...نجی گفتگو کے دوران بتایا۔ مجھے دہلی میں ہدایت دی گئی کہ جتنی جلدی ممکن ہو ...ے شیخ عبداللہ کے ساتھ تصفیہ کر لیا جائے کیونکہ کشمیر میں ان کی سیاسی ساکھ ختم ...تی جا رہی ہے۔

قاسم صاحب کے واپس آتے ہی شیخ صاحب کو دہلی بُلایا گیا اور اُن سے کہا گیا ...ہم نے قاسم صاحب کو آپ کے لئے وزارت چھوڑنے کے لئے راضی کر لیا ہے۔ اگر ...تیار ہیں تو ہمیں بھی تیار سمجھو!

شیخ عبداللہ نے ۱۹۵۳ء کی بحالی کا ذکر چھیڑا تو اندراجی نے فرمایا:

"ہم نے بڑی کوششوں سے میر قاسم صاحب کو آپ کے لئے کرسی چھوڑنے ...لئے راضی کر لیا۔ اگر آپ نہیں چاہتے تو آپ کی مرضی ـــــ ہم اور کچھ نہیں کر سکتے۔"

شیخ صاحب مایوس ہو کر واپس آگئے۔

دہلی میں مسز اندرا گاندھی کے رویے اور وادی میں عوام میں بڑھتی ہوئی ناراضگی

کو دیکھ کر شیخ عبداللہ نے ۹ راگست کو اسلام آباد میں ایک عوامی اجتماع میں فرمایا:

"..... جب تک مرکز ریاست میں ۱۹۵۳ء کی پوزیشن بحال نہیں کرتی کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا، نئی دہلی کے ساتھ بات چیت کے بعد پاکستان کے ساتھ بھی بات چیت کی جائے گی۔ پاکستان کو اعتماد میں لئے بغیر کوئی پائیدار حل نہیں ہوسکتا۔ ۱۹۵۳ء کے بعد ریاست میں جو قوانین نافذ کئے گئے ہیں۔ ان کو کالعدم کرنا ہوگا۔ جن لوگوں نے یہاں لوٹ کھسوٹ سے دولت اور جائیداد بنائی۔ انھیں اس کا حساب دینا ہوگا۔ اس کے لئے کسی سے بھی کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی — لوگوں کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔ جو بھی فیصلہ ہوگا عوام سے اس کی رائے لی جائے گی۔"



شیخ عبداللہ اور اندرا گاندھی

شیخ محمد عبداللہ کے سخت لہجے سے لگتا تھا وہ عزم کے پکے ہیں اور مرکزی سرکار سے اپنی بات منوا کر ہی رہیں گے۔ مگر اس کا بھی بھانڈا پھوٹ گیا۔

۲۶ ستمبر ۱۹۷۳ء کو وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سرینگر تشریف لائیں۔ ۲۷ ستمبر کو شیخ عبداللہ کے ساتھ پہلگام کے گیسٹ ہاؤس میں اُن کی ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کے دوران شیخ عبداللہ نے اپنے تمام مطالبات سے دستبردار ہو کر جس عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کیا اور "کبھی نہ خم ہوسکی میری گردن" کو اتنا خم کیا کہ دیکھنے والے شرم سے گڈھے میں گر گئے۔ اُن کا یہ خم دار منظر ایک فوٹو گراف میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگیا۔

پہلگام کے گیسٹ ہاؤس میں شیخ محمد عبداللہ اور مسز اندرا گاندھی کے درمیان کوئی ۷۵ منٹوں تک بات چیت ہوئی۔ بیشتر وقت میں ایک دوسرے سے شکوے شکایات کی گئیں اور جب دونوں اصل مقصد پر آگئے تو شیخ صاحب نے واضح الفاظ میں کہہ دیا۔

"میں حق خود ارادیت اور رائے شماری پر کوئی زور نہیں دے رہا ہوں۔ میں تو صرف ۱۹۵۳ء میں میری معزولی اور نظر بندی کی شکایت کرتا ہوں، کیا مجھے یہ شکایت کرنے کا اختیار نہیں؟"

"آپ کو اختیار ہے جبھی تو آپ بڑی گھن گرج کے ساتھ تقریریں کرتے ہیں۔" اندرا جی نے ...بہ لہجے سے جواب دیا۔ شیخ صاحب نرمی سے بولے۔

"ہندوستان کے ساتھ الحاق حتمی مان کر میں قومی دھارے میں شامل ہونا چاہتا ...ں۔ میری ایک تجویز ہے کہ کم از کم ۱۹۵۳ء کی پوزیشن بحال کر دی جائے۔"

مسز اندرا گاندھی نے جواب دیا۔

"موجودہ حالات میں ۱۹۵۳ء کی بحالی ہمارے لئے مشکلات پیدا کر سکتی ہے اور ...شکلات کا آپ کو احساس ہونا چاہیئے۔"

شیخ صاحب نے فرمایا۔

"میں نہیں سمجھتا آپ کی کیا مشکلات ہیں۔ مشکلات تو میری ہیں۔ کیوں کہ میں نے ...سے کچھ وعدے کئے ہیں۔ میں ان تمام وعدوں سے ہٹ کر جو قربانی دے رہا ہوں ...کو میری اس قربانی کی قدر کرنی چاہیئے۔"

مسز اندرا گاندھی نے کہا۔

"ہم ہمیشہ آپ کی قدر کرتے آئے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے لیکن آپ کی یہ تجویز ...ں غور نہیں۔"

شیخ صاحب نے پوچھا۔

"تو کیا آپ ہمیں کوئی رعایت نہیں دیں گے۔ کم از کم مجھے اپنے لوگوں اور اپنے ...کاروں کے سامنے کچھ حاصل کرنے کے لائق تو رکھا جائے، میں ایک بزرگ لیڈر ...اسطے جو کچھ مانگ رہا ہوں وہ میرا حق ہے۔"

اندرا گاندھی نے فرمایا۔

"آپ یقیناً بزرگ لیڈر ہیں اور میرے باپ کے سمان ہیں۔ لیکن میں ملک اور قوم ...اد سے بڑھ کر کسی کو نہیں مانتی، اپنے باپ کو بھی نہیں۔"

شیخ عبداللہ مایوسی سے بولے۔

"ٹھیک ہے — آپ کی مرضی !"

شیخ صاحب مایوسی اور اضطراب کی حالت میں آہستہ آہستہ کھڑے ہوگئے۔ قبل اس کے کہ وہ یہاں سے باہر چلے جاتے اندرا جی نے انھیں چائے کے لئے روک لیا۔

شیخ صاحب کے چہرے پر ناامیدی کے آثار دیکھ کر اندرا جی نے انھیں تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

"شیخ صاحب مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہتر ہے کہ ان مسائل کو اپنے مشیروں تک محدود رکھا جائے۔ مجھے اُمید ہے کوئی حل ضرور نکل آئے گا۔"

شیخ صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ نااُمیدی، مایوسی اور اضطراب کی حالت میں بیٹھے گردن جُھکا کر کچھ سوچنے لگے کہ بیرا عز بز پرے چائے کی ٹرے لے کر اندر آیا۔ اس کے ساتھ ایک پریس رپورٹر اندرجیت شرما بھی آیا اور اس نے اندرا جی اور شیخ عبداللہ کا فوٹو لیا۔ فلش لائٹ کی روشنی نے شیخ صاحب کو چونکا دیا۔

پریس رپورٹر فوٹو لے کر واپس چلا گیا۔ وقفہ بھر کے بعد شیخ عبداللہ کو خیال آیا کہ اندرا گاندھی کے سامنے میری خم دار گردن کا فوٹو اخبار میں آیا تو ......، وہ اُٹھ کر ورانڈے میں آئے اور ڈی۔ ایس۔ پی انت ناگ کو بلا کر انھیں ہدایت دی کہ جو پریس رپورٹر ابھی فوٹو لے کر گیا ہے اُسے یہاں لے آؤ، ڈی۔ ایس۔ پی نے باہر آکر سپاہی محمد سلطان کو آواز دی اور اُسے پریس رپورٹر کے پیچھے لگا دیا۔ جب محمد سلطان جانے لگا۔ تو شیخ صاحب نے ورانڈے سے آواز دی — دوڑ کر جاؤ اور اسے فوراً یہاں لے آؤ۔"

سپاہی محمد سلطان ایک تو ڈی۔ ایس۔ پی کے آرڈر اور دوسرے شیخ صاحب کی ڈانٹ سے گھبرا گیا۔ وہ دوڑ لگاتے ہی گر گیا۔ اس کے گھٹنوں پر چوٹ آئی۔ بجائے اس کے کہ اسے سہارا دیا جاتا۔ اسے دوڑتے ہوئے جا کر پریس رپورٹر لے آنے کو کہا گیا۔

وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کے دورے کے دوران پہلگام میں جو پولیس پارٹی یہاں تعینات کی گئی تھی۔ وہ پریس رپورٹر کا پتہ لگانے کے لئے ایسی دوڑ بھاگ کرنے لگی۔ گویا یہاں کوئی تخریب کار گھس آیا تھا۔

کچھ دیر بعد جب اندرجیت شرما کو پیش کیا گیا تو ان کے ساتھ ان کی بیوی پریتما بھی تھی۔ ان سے کیمرے کی ریل مانگی گئی۔ اندرجیت شرما اُلجھن میں پڑ گئے۔ انھیں یہ ریل

ہیں دینے میں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ لیکن اس میں اس کے کچھ ذاتی نوعیت کے بھی فوٹو تھے۔ جو انھوں نے یہاں اپنی بیوی کے ساتھ لئے تھے۔

اندرجیت شرما نے انھیں بتایا۔ میں فوٹو گرافر کی دوکان پر جا کر آپ کا نگیٹو الگ کر دوں گا لیکن شیخ صاحب نہیں مانے۔ لاچار ہو کر انھوں نے فوٹو ریل نکال کر ان کو دیدی۔ قبل اس کے کہ شیخ صاحب یہ ریل لے لیتے اندرا جی نے بڑی ہوشیاری سے ہاتھ آگے بڑھا کر یہ ریل لے لی اور اپنے پرس میں رکھدی۔

مسز اندرا گاندھی نے چائے پلا کر شیخ عبداللہ کو رخصت کیا۔

دوسرے دن سرینگر میں گورنر ایل۔ کے۔ جھا نے مسز اندرا گاندھی کے اعزاز میں دعوت کا اہتمام کیا تو اس میں اوروں کے ساتھ شیخ صاحب کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ اگلے روز شیخ صاحب نے اندرا گاندھی کے اعزاز میں اپنی کوٹھی پر ڈنر کا اہتمام کیا، شیخ صاحب کے ہاں جانے سے قبل وزیر اعظم نے کانگریس پارٹی کے ورکروں میں تقریر کے دوران فرمایا

"جو لوگ اب تک ہم سے علیحدہ رہتے تھے وہ ہمارے راستے کو صحیح مان کر ہمارے نزدیک آنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ چلنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے بجائے اس کے کہ وہ ہمیں اپنے ساتھ لیتے ہم نے اُن کو اپنے ساتھ لیا۔ اس سے یہاں کے کانگریس کے لیڈروں اور کانگریس کے ورکروں کو خوش ہونا چاہیئے۔"

مسز اندرا گاندھی نے سید میر قاسم سے شیخ عبداللہ سے ہوئی بات چیت سے آگاہ کرتے ہوئے اُن کے ساتھ صلح صفائی کرنے کا مشورہ دیا۔ میر قاسم نے اِن داحد میں یہ مشورہ قبول کر لیا۔

شیخ محمد عبداللہ نے ۳۰ نومبر جمعہ کے روز درگاہ حضرت بل میں قرآن مجید کی تلاوت کے بعد عوام سے خطاب فرمایا۔

"...... ہمارے خلاف یہاں جو غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں یہ محض ایک سازش ہے۔ محاذ کو بدنام کرنے کی ایک سازش۔

میں نے اپنی زندگی قوم کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ جو شخص ساری زندگی آپ کی عزت و آزادی کے لئے جدوجہد کرتا رہا ہو، قید و بند کی صعوبتیں،

برداشت کر رہا ہو، وہ محض کرسی اقتدار کے لئے عوام سے کیسے غداری کر سکتا ہے۔ میں آپ کو اس مقدس درگاہ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں۔ آپ کی آزادی کے ساتھ کسی قسم کی سودے بازی نہیں ہو گی۔ مجھے اقتدار کی کوئی ہوس نہیں۔ وزارت کا عہدہ میرے قدموں پر ڈالا گیا تھا۔ میں نے اسے ٹھکرا دیا۔ میں جانتا ہوں عہدے اور وزارت لینے سے مسئلہ کشمیر حل نہیں ہو سکتا۔ مفاد پرست عناصر افواہیں پھیلا کر ہمیں بدنام کر رہے ہیں لیکن خیال رہے آپ گمراہ نہ ہوں۔"

اگلے روز سنیچروار کے روز شیخ صاحب نے مجاہد منزل میں محاذ کے عہدیداروں اور کارکنوں سے خطاب فرمایا۔

"میری نئی دہلی کے ساتھ بات چیت کی واحد بنیاد ۱۹۴۷ء کی پوزیشن بحال کرنے پر ہی آگے بڑھ سکتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ جو بھی بات چیت ہو گی وہ عوام کے سامنے رکھدی جائے گی۔ اگر عوام اس بات چیت کو قبول نہیں کرتے تو بھارت سرکار کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔"

شیخ محمد عبداللہ بخوبی جانتے تھے بھارتی حکمران ۱۹۵۳ء کی پوزیشن کی بحالی کے لئے تیار نہیں۔ ۱۹۴۷ء کی تو بات ہی نہیں۔ اس کے علاوہ وہ کسی بھی قسم کی رعایت دینے میں بھی راضی نہیں۔ وہ محض کانگریس کے زیر سایہ اقتدار کی منتقلی پر راضی ہیں۔ اس سے آگے نہیں۔ اس کے ہوتے ہوئے قوم کے لیڈر وادی بھر میں عوامی اجتماعات، اخباری بیانات اور دوسرے ابلاغ و ذرائع سے جو جھوٹ بول رہے تھے۔ غلط بیانی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ دھوکہ اور فریب دے رہے تھے۔ اس کی اُن کے پاس بس ایک غرض تھی۔ وہ یہ کہ مختلف بیانات میں عوام کا ذہن اس قدر اُلجھا کر رکھدیا جائے کہ وہ کبھی نہ سُلجھے اور جس کا ذہن سُلجھا نہ ہو وہ سوچ سمجھ کی قوت نہیں رکھ سکتا وہ کوئی حتمی فیصلہ بھی نہیں کر سکتا۔

یہ سب ایک پری پلان کے تحت ہو رہا تھا۔ قوم کے لیڈر آخر وقت تک عوام کو دھوکہ میں رکھنا چاہتے تھے تاکہ اقتدار اور جاہ حشمت حاصل ہونے تک کسی قسم کی مزاحمت نہ ہونے پائے اور لینے کے دینے نہ پڑیں۔ کیونکہ سوپور کے ایک عوامی اجتماع میں انھیں ہوٹنگ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور تعیش میں آ کر ہوٹنگ کرنے والوں کو پل سے پھینک کر

[پ]اکستان بھیجنے کی دھمکی دینا پڑی تھی۔

ان حالات کو پھیلنے سے روکنے کے لئے عوام کا ذہن متضاد باتیں بنا کر پراگندہ کرنے [ک]ے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

قوم کے لیڈر قوم کے مزاج سے واقف تھے اور جانتے تھے یہ کس کھیت کی مولی ہیں۔ [ح]الات اور واقعات گواہ ہیں۔ جون ۱۹۷۲ء میں لیڈران قوم نے آزادی، حق خود ارادیت [ا]ور رائے شماری کو دفنا کر اقتدار کے لئے سب کچھ قرباں کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن بھارت [س]رکار اس کے باوجود بھی ان پر بھروسہ نہیں کر رہی تھی۔

یہ لیڈر بظاہر قوم کی عزت و آبرو کے لئے لڑ رہے تھے لیکن بہ باطن مرکزی سرکار [س]ے سید میر قاسم کی کرسی مانگ رہے تھے۔ اس پر بھی مرکزی سرکار پس و پیش کر رہی تھی۔

مرکز کے ساتھ بات چیت جون ۱۹۷۲ء میں شروع کی گئی۔ بات چیت اگر صرف [ا]قتدار کی منتقلی تک محدود تھی تو اس میں چار سال کا عرصہ کیوں لگ گیا۔؟ بعض لوگ [ض]رور سوچ رہے ہوں گے کہ بیگ پارتھا سارتھی اس مدت کے دوران قانونی پیچیدگیوں [ک]و حل کر رہے تھے۔ اُلجھے ہوئے مسلوں کو سلجھا رہے تھے اور ایک ایک نقطہ پر دونوں [ط]رف مغز ماری ہو رہی تھی۔ اسی لئے بات چیت کی تکمیل میں اتنا وقت لگ گیا۔ لیکن [ح]قیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ محاذ رائے شماری کے لیڈر ابتداء سے ہی سمجھوتہ کے [ل]ئے بالکل تیار بیٹھے تھے اور اس کے لئے وہ ہر ممکن جتن بھی کر رہے تھے۔ وہ ابتداء میں ہی [ا]یک ایک کر کے تمام مطالبات سے دستبردار ہو چکے تھے لیکن مرکزی سرکار نہایت ہی احتیاط [بر]ت رہی تھی۔ وہ ان کی طرف پھونک پھونک کر قدم اُٹھا رہی تھی۔

اس کا اظہار مسز اندرا گاندھی نے اٹل بہاری باجپائی کے جوابی خط میں کیا ہے۔ [...]ر ۱۲ نومبر ۱۹۷۲ء کے بیان میں بھی ظاہر ہے۔

"میں شیخ عبداللہ صاحب کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنے میں زبردست احتیاط برت رہی ہوں۔ جب تک مجھے پورا یقین نہ ہو جائے وہ بدل گئے ہیں۔ کوئی فیصلہ نہیں لے سکتی اور ہندوستان کے قومی مفاد کے خلاف کچھ بھی نہیں کیا جائے گا۔"

محاذ کے لیڈروں کی طرف سے جھوٹ، فریب اور دھوکہ کا یہ عالم تھا کہ

مرکزی سرکار ان کی ایک بھی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہو رہی تھی یہ دونوں بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کی قسمیں کھا رہے تھے۔ ۲۲ سالہ جدوجہد کو گناہ مان کر ان گناہوں سے توبہ کرنے کا اقرار کر رہے تھے اور یہاں عوام کے سامنے ۲۹ مارچ ۱۹۷۴ء کو درگاہ حضرت بل میں قرآن مجید کے آیات کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا جاتا۔

"..... پچھلے چند ماہ کے دوران یہاں میرے متعلق مختلف کہانیاں پھیلائی جا رہی ہیں لیکن لوگوں کو ایسی باتوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں جس طرح میں نے آج تک آپ کے مفادات کا سودا نہیں کیا اور نہ ہی آپ کو اکیلا چھوڑا۔ اسی طرح آئندہ بھی ہوگا۔ حق خودارادیت دلانا میرا آپ سے ایک عہد ہے اور اس عہد پر میں تاحیات قائم رہونگا میری ۴۲ سالہ سیاسی زندگی آپ کے سامنے ہے۔ میں نے ہمیشہ کسی بھی فیصلہ کے بارے میں عوام کو اعتماد میں لیا ہے اور آگے بھی کوئی فیصلہ لینا ہوگا تو آپ سے پوچھ کر لیا جائے گا۔ آپ لوگوں کو جاننا چاہیئے۔ ہمیں اقتدار کی کوئی ہوس نہیں۔ نئی دہلی میں میرے سامنے یہ تجویز رکھی گئی تھی کہ محاذ رائے شماری کو اپنا نام بدل لینا چاہیئے۔ میں نے اُن کے سامنے واضح کر دیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ محاذ رائے شماری اپنا نام کیوں بدلے گا۔ اس کا موقف تو رائے شماری ہے۔ ہم نے بھارت کے ساتھ جو الحاق کیا ہے وہ تابع رائے شماری ہے اور ہم رائے شماری کے اصول پر آج بھی کاربند ہیں۔ ہاں! اگر کشمیر کے تصفیہ کے لئے کوئی متبادل راستہ ہے تو ہمارے سامنے رکھا جائے ہم اس پر غور کریں گے۔ لیکن عوام کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ قابل قبول نہیں ہوگا۔"

یکم اپریل ۱۹۷۴ء کو انھوں نے مجاہد منزل میں اس بات پر زور دے کر فرمایا ـ" نئی دہلی کے ساتھ بات چیت کی بنیاد صرف یہ ہو سکتی ہے کہ ۱۹۴۷ء پر لوٹا جائے۔ میں نے بارہا یقین دلایا ہے کہ بات چیت کا جو بھی نتیجہ نکلے گا۔ عوام کے سامنے رکھا جائے گا۔ قوم کے مفاد کے خلاف کوئی سودا نہیں کیا جائے گا۔"

۳ اپریل کو محاذ رائے شماری کے عہدیداروں اور کارکنوں کی ایک خصوصی میٹنگ منعقد ہوئی۔ محاذ کے صدر مرزا افضل بیگ نے حاضرین کے سامنے کہا۔

"..... نئی دہلی کے ساتھ ہماری بات چیت میں بڑی حد تک پیش رفت ہوئی ہے۔ اگرچہ ابھی تک کوئی ٹھوس فارمولہ نہیں اُبھرا۔ میں مسٹر پارتھا سارتھی کے ساتھ آئینی سوالات پر بات چیت کر رہا ہوں اور سیاسی سوالات شیخ صاحب نے اپنے ذمہ لئے ہیں۔ ۱۹۵۳ء کے بعد جو قوانین کشمیر میں لاگو کر دیئے گئے ہیں۔ ہم اُن کا جائزہ لے رہے ہیں کہ اُن میں سے کون قابل قبول اور کون ناقابل قبول ہیں۔ کچھ حلقے کہہ رہے ہیں کہ محاذ رائے شماری کا نام تبدیل کیا جا رہا ہے لیکن اس کی کوئی تجویز ہمارے زیر غور نہیں ہے۔ آپ دیکھ لیں گے۔ عنقریب ہی راولپنڈی راستہ کھل جائے گا۔"



(اندرا گاندھی)

۲۰ اپریل ۱۹۷۴ء کو وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کشمیر تشریف لائیں۔ اس روز محاذ رائے شماری کے لیڈروں کی دوغلی پالیسی کے خلاف عوامی ایکشن کمیٹی، جماعت اسلامی اور پیوپلز لیگ کی اپیل پر سرینگر میں مکمل ہڑتال رہی اور جگہ جگہ مظاہرے بھی ہوتے۔

اگلے روز شیخ عبداللہ نے کشمیری عوام کے درد کی دوا کا نسخہ گاندربل جا کر جاری کیا۔ اُنھوں نے اپنی تقریر میں فرمایا۔

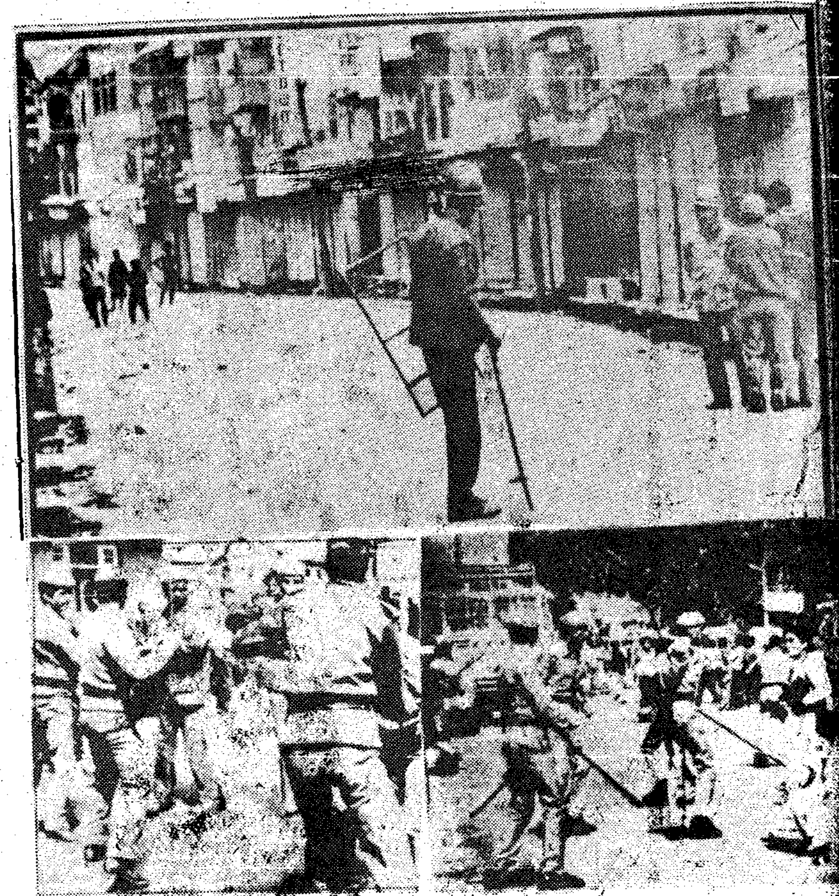
"...... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میں اقتدار کے لئے قوم کا سودا نہیں کروں گا۔ میں نے قوم سے جو وعدے کئے ہیں ان پر آخری دم تک قائم رہوں گا۔ اقتدار سے مسئلہ کشمیر حل نہیں ہو سکتا اور اقتدار کے لئے ہم قوم سے غداری نہیں کر سکتے۔ آپ لوگوں کو افواہوں پر ہرگز کان نہیں دھرنا چاہیئے۔ افواہ بازوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔"

جھوٹ کہیں نہ کہیں جا کر سر چڑھ کر بولتا ہے اور دھوکہ اکثروں کو دیا جا سکتا ہے لیکن سبھوں کو نہیں۔ محاذ کے لیڈروں کی دوغلی پالیسی کے خلاف ۲۴ اپریل ۱۹۷۴ء کو سرینگر اور وادی کے دوسرے حصوں میں زبردست احتجاجی مظاہرے ہوئے جو چند روز

تک جاری رہے۔ ان مظاہروں کا توڑ کرنے کے لئے شیخ صاحب نے بڈگام جاکر عوامی اجتماع میں فرمایا۔

”.... ہم نے ہندوستان کے ساتھ مذاکرات میں واضح کردیا ہے کہ ہمیں صرف وہی حل قابلِ قبول ہوگا جو عوام کے حقِ خودارادیت کا آئینہ دار ہو جس میں لوگوں کے حقوق کے تحفظ کی مکمل ضمانت دی گئی ہو، ہماری منزل حقِ خودارادیت ہے اور تب تک ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک اس حق کو حاصل نہیں کریں گے۔ کشمیر مسئلے کا آبرومندانہ حل نکالنے کے لئے ہم اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔“

اس قسم کے بیانات کے بعد مظاہروں کا زور ختم گیا اور محاذ کے لیڈروں کا مقصد حاصل ہوگیا۔ جو اس قسم کے بیانات دے کر وہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔



بک آف نالج پر فتنہ و فسادات کے مناظر



وومنز کالج کا نام تبدیل کر کے اسے نہرو میموریل کالج بنانے پر اس کالج کے طلبار کا احتجاج
اور پولیس کا طلبار پر لاٹھی چارج ۔ ایک منظر



”بک آف نالج“ پر فساد کا ایک منظر



وومنز کالج کی طالبات کی حمایت میں
امر سنگھ کالج اور پرتاپ سنگھ کالج کے طلباء سامنے آگئے اور پولیس کے ساتھ
دو بہ دو لڑائی میں شامل ہوگئے

زخم بے صَوت و صدا سے تا صلیب فہم و فن
دل کسی حرفِ جنوں کا ماجرا پڑھتا رہا

اسلام آباد میں بک آف نالج کا فتنہ

رسم یوم سیاہ اور پیوپلز لیگ کا قیام

اسلام آباد کے ڈگری کالج میں ۲۱ مئی ۱۹۷۳ء کو " بک آف نالج " نامی کتاب دھماکہ ہوا۔ اس کتاب میں ایک برطانوی مصنف نے آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ وسلم کے بارے میں من گھڑت، شرارت آمیز اور ہتک آمیز باتیں لکھی تھیں۔ کتاب پہلا ایڈیشن پبلشنگ ہاؤس لندن نے ۱۸۸۸ء میں شائع کیا تھا اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کی دل آزاری اور فتنہ سامان تحریر نے ضلع اسلام آباد سے نکل کر وادی بھر میں ایک آگ سی لگادی۔

ہر طرف سے اس فتنہ انگیز کتاب پر پابندی لگانے کی مانگ کی گئی۔ ریاستی سرکار ساتھ مرکزی سرکار نے بھی کتاب کو ملک بھر میں ضبط کرنے کے احکامات جاری کئے۔

" بک آف نالج " نامی اس کتاب کی آڑ میں شیخ عبداللہ کا بھارت کے ساتھ اٹوٹ لحاق کا نظریہ اور ان کا تبدیل شدہ موقف تختۂ مشق بن گیا۔ کیونکہ اس سے قبل شیخ اللہ نے بڑودہ کے مقام پر اپنے ایک بیان کے دوران بھارت کے ساتھ ریاست الحاق کو اٹوٹ کہا تھا۔

چنانچہ " بک آف نالج " کے ساتھ شیخ عبداللہ کے اٹوٹ انگ کے ساتھ جگہ جگہ ہرے ہوئے۔ ہڑتالوں اور دنگا فساد کا سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہے۔ پولیس نگ سے کئی جوان جاں بحق ہوگئے۔ سرینگر، سوپور، بارہمولہ، اسلام آباد اور

پلوامہ وغیرہ میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دیا گیا۔ لیکن احتجاجی مظاہروں اور ہڑتالوں میں کو فرق نہیں آیا۔ طلباء اور طالبات کے ساتھ عام مردوں اور عورتوں نے بھی اسٹرائیک میں حصّہ لیا۔ شیخ عبداللہ کی ذات پر رکیک حملے کئے گئے۔ ان کی تصویروں اور ماٹوز پر کیچڑ مل دی گئی، سرکاری اور غیر سرکاری گاڑیوں پر پتھراؤ کیا گیا۔

مظاہرین نے بڈشاہ چوک میں تاج ہوٹل، پنجاب نیشنل بنک، گورنمنٹ پریس انفارمیشن بیورو کی بلڈنگوں پر زبردست سنگباری کی۔

سنگباری سے درجنوں پولیس والے زخمی ہوئے۔ جن میں ڈی۔آئی۔جی محمد سُلطان بھی شامل تھا۔ پولیس فائرنگ سے چار جوان موت کے گھاٹ اُتر گئے۔

۲۳ مئی کو جمعہ کے روز جامع مسجد کے پاس مولوی فاروق اور مرزا افضل بیگ کے خلاف مظاہرے کئے گئے۔ پتھراؤ سے مولوی فاروق کی کار کو نقصان پہنچایا گیا۔ اِن دونوں نے حکومت کی شہہ پر سرینگر میں مظاہروں کو روکنے اور ہڑتال کھولنے کی کوشش کی، مظاہرین نے انھیں "بھارت کے ایجنٹ واپس جاؤ" کے نعروں کی بارش کر کے بھگا دیا۔

مرزا افضل بیگ اور مولوی فاروق کی درگت نے شیخ عبداللہ کو سخت برہم کر دیا کیونکہ انھوں نے پیش بندی کے طور پر مظاہرے بند کرنے اور ہڑتالیں کھولنے کے لئے انھیں میدان میں جھونک دیا تھا۔ اس کے لئے شیخ عبداللہ کو دہلی سے براہ راست ہدایت مِل گئی تھی۔ دہلی والوں کو خدشہ تھا کہ یہ ایجی ٹیشن موئے مقدس صلعم کی گمشدگی کی جیسی ایجی ٹیشن کی صورت اختیار نہ کرلے۔ لہٰذا اس کو دبانے کے لئے انھوں



(سرینگر میں وومنز کالج کی طالبات پر پولیس کی کاروائی کا منظر)

نے سید میر قاسم کے بجائے شیخ عبداللہ اور مولوی فاروق سے رجوع کیا۔

مرزا افضل بیگ اور مولوی فاروق کو میدان چھوڑ کر بھاگتے دیکھ کر شیخ عبداللہ خود جامع مسجد آگئے اور انھوں نے ایک جوشیلی تقریر کر ڈالی۔

"..... میں حکومت ہند سے اس سازش کو ننگا کرنے کی مانگ کر رہا ہوں۔ اگر حکومت ہند فوری طور پر کوئی قدم نہیں اُٹھائے گی تو ہم خود اسے اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو نہیں چاہتے کہ کشمیر میں امن ہو، کیونکہ کشمیر میں امن ہو گیا تو ان کے رہنے کی یہاں کوئی جگہ نہیں ہوگی، میں نے اندرا گاندھی کے سامنے ایسے لوگوں کی پہلے ہی نشاندہی کی تھی۔ میں آپ کو بتادینا چاہتا ہوں کہ یہ وہی لوگ ہیں۔ جو وزارت کو بچانے کے لئے اس قسم کے اوچھے ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن اب اُن کے دن گئے ہیں۔ میں نے کشمیریوں کی عزّت اور آبرو کا مقام دلانے کا عہد کیا ہے اور جب تک مرکزی سرکار ۱۹۵۳ء کی پوزیشن بحال نہیں کرے گی۔ بات چیت آگے نہیں بڑھے گی۔ میں نے مرکزی سرکار کو واضح کر دیا ہے کہ ۱۹۵۳ء کے بعد جو مرکزی قوانین ریاست میں لاگو کئے گئے ہیں۔ اُن سب کو کالعدم کیا جانا ہوگا۔ ایسا کرنے کے بعد ہی بات چیت آگے بڑھے گی۔ ورنہ نہیں۔ میں آپ کو بتادینا چاہتا ہوں کہ بات چیت میں ابھی کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ جب کوئی فیصلہ ہوگا تو آپ سے پوچھ لیا جائے گا۔ آپ لوگوں کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں لیا جائے گا۔ پریس میں آئے دن جو مراسلے آتے ہیں اور ریڈیو کے ذریعے جو کچھ تمھیں بتایا جا رہا ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ مجھے اقتدار کی کوئی ہوس نہیں ہے اور اقتدار کے لئے قوم کے بنیادی موقف سے نہیں ہٹوں گا۔ آپ لوگوں کو مجھ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔"

اس تقریر سے شیخ عبداللہ نے جہاں مشتعل ہجوم کا منہ بند کر دیا وہاں ان کے زبردست حامیوں جن کی اپنی کوئی سوچ اور نہ اپروچ ہے۔ حسب روایت ان کے آگے پیچھے بندروں کی طرح اچھل کود کر اور کمر کو ذرا لچکا کر ایک ادا سے تالیاں

بجابجاکر " ناچ میرے بُلبل کہ شیرا آگیا " کا ورد کرتے ہوئے لیڈرانِ قوم کے ہاتھوں استحصال ہونے پر اپنی خوشی ومسرّت کا اظہار کیا۔

شیخ عبداللہ جیپ گاڑی میں جارہے تھے اور نوجوان نسل بندروں کی حرکتیں کرکے ان کے آگے پیچھے اچھل کود کر رہے تھے۔ لیڈرانِ قوم نوجوان نسل کی اس بدتہذیبی سے محظوظ ہو رہے تھے۔

ایسا منظر دیکھ کر میرا خون کھول اُٹھا۔ ایک طرف مجھے ان بندروں کی اچھل کود پر شرم آرہی تھی۔ دوسری طرف عوامی لیڈر کے اس کھلم کھلا استحصال پر سخت غصّہ آرہا تھا۔ مجھے لگا شاید میں واحد جوان تھا جو اِس کاروائی پر احتجاج کرنا چاہتا تھا۔

یاد رہے ۱۹۷۱ء سے جب سے مجھے شیخ عبداللہ کی اصلیت کا پتہ چل گیا تھا۔ میں ان کی تمام حرکات وسکنات اور ان کے تمام بیانات کو نوٹ کرنے کے لئے اُن کا پیچھا کر رہا تھا ان کے جلسوں میں شرکت میری ایک ڈیوٹی سی لگ گئی تھی۔

جامع مسجد کے احاطہ میں عوام کو اپنے الفاظ کے گورکھ دھندے میں اُلجھا کر جب شیخ صاحب یہاں سے روانہ ہو گئے تو میں واحد جوان تھا جس نے کُھلی جیپ میں ان کا بازو پکڑ کر پوچھ لیا۔

" آپ برسوں تک ہم سے کہہ رہے تھے۔ بھارت نے کشمیر پر ناجائز قبضہ کر لیا ہے۔ آج آپ کشمیر کو بھارت کا ' اٹوٹ ' انگ کہہ رہے ہیں تو کیوں ــــ ؟ "

قبل اس کے کہ شیخ صاحب مجھے کوئی جواب دیتے ' اُنھوں نے اپنے بازو کو جھٹکا دے کر مجھے گرا دیا۔ میں ابھی سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ مجھ پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش ہوئی ــــ شیخ عبداللہ کے یہ پالتو غنڈے ہر تقریر کے موقعہ پر ان کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ جو کبھی بھی شیخ عبداللہ سے کچھ پوچھنے کا موقعہ نہیں دیتے تھے۔ خود شیخ صاحب کو بھی جب پتہ چلتا کہ کوئی گستاخ ان کی طرف آرہا ہے یا ان سے کوئی اُلٹی سیدھی بات پوچھ رہا ہے۔ تو وہ اپنے چہرے کے تاثرات سے اپنے پالتو غنڈوں کو کاروائی شروع کرنے کا اشارہ دیتے تھے۔

اپنے پالتو غنڈوں سے جب شیخ عبداللہ نے مجھے پٹوایا اور بے آبرو کیا تو اپنی مرہم پٹی کرانے رعنا واری کے ہسپتال آیا۔

جامع مسجد کے واقعہ نے مولوی فاروق کے ہوش ٹھکانے لائے تو وہ مرکزی سرکار

کے لئے بطور ایجنٹ کام ملتوی کر کے " حقِ خود ارادیت " کی باتیں کرنے لگے۔

شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کے آئے دن کے متضاد بیانات سے جب محاذِ رائے شماری پھوٹ کا شکار ہو گئی اور بعض لوگوں کے ہاتھوں لیڈر شپ مزہ چکھنے لگی تو اس لیڈر شپ نے قوم کے درد کے لئے وہی دوا تجویز کی جس کی انھوں نے خود ہی تشخیص کی تھی۔

۱۰ر اپریل ۱۹۷۳ء کو محاذ رائے شماری کی طرف سے بلائے گئے جلسے میں شیخ عبداللہ عوام سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔

" ..... میری چالیس سالہ سیاسی زندگی آپ کے سامنے ہے۔ میں نے ساری عمر آپ کی عزّت و آزادی کے حصول کے لئے جدوجہد میں گذاری ہے۔ میں ایک ڈوبتا سورج ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس عمر میں آپ کی اُس آزادی کا سودا کروں جس کے لئے میں نے اپنے آپ کو تمھارے لئے وقف کر دیا ہے۔ مجھے وزارتیں اور صدارتیں پیش کی گئیں لیکن میں نے یہ کہہ کر صاف انکار کیا کہ یہ قوم کے ساتھ صریحاً غداری ہے ــ اگر میں صدر بننا چاہتا تو پاکستان کا صدر بن سکتا تھا اور یہاں وزیر اعظم تو تھا ہی، میں جانتا ہوں وزارت کا عہدہ قبول کرنے سے مسئلہ کشمیر حل نہیں ہو سکتا۔ ہم نے عہد کر رکھا ہے کہ کشمیر کی تقدیر کا فیصلہ کشمیری عوام کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں ' دُنیا کی طاقت ہمیں اپنے حق سے محروم نہیں کر سکتی ..... "

جولائی ۱۹۷۳ء کو غلام نبی گلکار اِس دار جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ ۱۹ر جولائی کو مجاہد منزل میں تحریکِ آزادی کے ایک پُر خلوص ' دیانتدار مجاہد جنہوں نے شیخ عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر انھیں میدانِ سیاست میں لائے تھے اور جو تحریکِ حُریت میں ان کے لئے سپہ سالار بھی تھے۔ پاکستان میں انتقال کر گئے۔

غلام نبی گلکار جنھیں معمارِ ملت بھی کہا جاتا تھا ' نے ۱۹۳۱ء میں قلعہ ہاری پربت کی کال کوٹھری سے رہائی کے فوراً بعد ایک بڑے عوامی جلسے میں وصیت فرمائی۔

" اگر میں مارا جاؤں یا مر جاؤں تو میری نعش کو بجائے قبرستان کے کسی ایسے چوراہے پر دفن کر دیا جائے جو آزادی ملنے کے بعد مجاہدینِ آزادیٔ کشمیر کی گذرگاہ ہو تاکہ ان کے گذرتے اور چلنے کی آواز سے میری روح کو تسکین ہو۔

آخر ہم کو بھی مرنا ہے۔ قیامت کے روز شہدا ء کی اُن پاک روحوں کو کیا جواب دیں گے۔ اگر ہمارے ارادوں میں ذرا بھی لغزش آئی اور ہم نے اپنے اقتدار کے لئے ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دی۔"



(غلام نبی گلکار)

انہی غلام نبی گلکار کے بارے میں شیخ صاحب مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس بنانے سے قبل کہا کرتے تھے؛

"غلام نبی گلکار جیسے شیر دل نوجوان نے تحریکِ آزادیٔ کشمیر کی بنیاد ڈالی ہے اور ہم اسے چلا رہے ہیں۔"

اقتدار حاصل کرنے کے فوراً بعد اس شیر دل جوان کو سرزمینِ کشمیر سے نکال باہر کرنے کے لئے اُن کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ تاریخ میں رقم ہو چکا ہے۔

غلام نبی گلکار دیارِ غیر میں بھی کشمیر کی محبت لئے اس کی آزادی کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ انھوں نے "کامل آزادی" کے نام سے ایک مقالہ لکھا جس کا ماحصل یہ ہے؛

"ریاستِ کشمیر کی قوم وہ نہیں جو طاقت کے مقابل اپنے ہتھیار ڈال دے۔ گزشتہ ایک سو چودہ سال نے یہ ثابت کر دیا کہ جب تک انھیں دوسری اقوام کی طرح مکمل آزادی حاصل نہیں ہوتی یہ خاموش بیٹھنے والی قوم نہیں۔"

ایک اور مقالہ اُنھوں نے "خود غرض لیڈر ہماری غلامی کا باعث بنے ہیں"۔ کے نام سے لکھا اور واضح کر دیا۔ (تعمیر ۱۶ر اپریل ۱۹۵۶ء)

"میرا وطن باغِ سدا بہار ہے۔ مگر افسوس آج یہ اپنے ہی خود غرض اور لالچی لیڈروں کی وجہ سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ میرے ہم وطن باوجود مختلف مذاہب کے پرستار ہونے کے مثل عزیز و اقارب کے رہتے ہیں..... اگرچہ مختلف زمانوں میں ان کی اکثریت یا اقلیت نے

مختلف مذاہب اختیار کئے لیکن اس سے تعصب اور دشمنی پیدا نہیں ہو گی ـــــ اہلِ کشمیر ایک قدیم فاتح قوم ہے۔

یہ اہلِ ریاست وہی کشمیری ہیں جنھوں نے شہنشاہِ اکبر جیسے عظیم المرتبت بادشاہ کو تین بار شکست دی، محمود غزنوی جیسے لڑاکو کو کشمیر میں کئی بار مات کی کھانی پڑی۔ کشمیر کی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ ایک وقت تھا جب کہ موجودہ کشمیریوں کے آبا و اجداد نے سندھ تک اور مشرق کی طرف اودھ تک اپنا راج قائم کیا تھا اور شمال کی جانب کاشغر اور قندھار تک بزورِ بازو اپنی حکومت کا سکہ جمایا تھا۔ اس قوم کی گزشتہ تاریخ نہایت ہی درخشندہ ہے۔ جس قوم کی چرب دستی اور تردماغی نے ـــــ دُنیا پر اپنا سکہ جمایا ہے، جس قوم نے نہرو، اقبال، سرسید، نواب ڈھاکہ، کمال الدین، اجمل خاں، انور شاہ، رحمان میرا اور رستمِ زماں گاما پہلوان پیدا کئے۔ کشمیریوں نے بیرونِ دنیا پر ثابت کیا ہے کہ دماغی اور جسمانی لحاظ سے ان کا مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ حالات اور مخالف ماحول اُن کے اپنے جوہر دکھانے میں مانع رہے مگر جب بھی اس نسل کو موقع ملتا ہے اس کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں۔"

اپنے ایک اور مقالے میں انھوں نے واضح کیا:

"..... دنیا کی کوئی طاقت مجھے خرید نہیں سکتی۔

میں ریاست کی آزادی اور سالمیت کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔ دُنیا کی کوئی طاقت مجھے میرے ساتھی کی طرح زر دے کر، عہدے کا لالچ دیکر خرید نہیں سکتی، میں نے ۱۹۳۱ء میں کشمیری عوام سے وعدہ کیا تھا کہ انھیں کبھی فروخت نہیں کروں گا۔ ان کے حقوق کی حفاظت سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ میرے نزدیک سیاست میں جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ حالانکہ میرے ساتھی اسے جائز سمجھتے ہیں۔"

غلام نبی گلکار نے پاکستان میں بود و باش اختیار کر کے وہاں "ہمارا کشمیر" کے نام سے ایک پرچہ جاری کیا۔ ان دنوں خواجہ ثناء اللہ بٹ (آفتاب) مظفر آباد سے ہفتہ روزہ "کشمیر" نکالتے تھے۔ انھوں نے ۷ر فروری ۱۹۵۵ء میں "ادا شناش"

کے نام سے ایک مقالہ لکھا۔

"..... غلام نبی گلکار کی ذات تحریکِ آزادئ کشمیر کا ایک لازمی حصّہ بن گئی ہے۔ کیونکہ ریڈنگ گروپ کی تنظیم سے لے کر "آزاد کشمیر" حکومت کی تشکیل تک وہ ہر لحاظ سے تحریک کا ایک حصّہ بنا رہا۔ اپنے وطن سے بے پناہ محبّت کرنے والا یہ مخلص سپاہی کارکن ہی نہیں بلکہ ایک قابلِ تعریف اِنسان اور ایک قابلِ اعتماد دوست بھی ہے۔ یہی خلوص اور ایثار ان کی کمزوری بھی ہے۔ کیونکہ مخلص ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ آج تک بڑا آدمی نہ بن سکا۔ حالانکہ انھوں نے تحریک کی ابتداء کی، گلکار کو نام و نمود سے بڑی نفرت ہے۔ وہ وطن سے بے حد محبت کرتا ہے۔ اپنے ہم وطنوں کے بارے میں پیار اُن کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اس پیار و محبّت کو وہ زندہ باد کے نعروں کے عوض بیچتا نہیں۔

گلکار اُس وقت بھی مخلص اور گمنام محبِ وطن بنا رہا جب اس نے انور کے فرضی نام سے آزاد کشمیر حکومت کا اعلان کیا۔ آج گلکار کو آزاد کشمیر حکومت سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ جمہوری حکومت کا قائل ہے۔ ایک ایسی حکومت کا جو اس کے وطن کی اس کے ہموطنوں کی خواہشات کا احترام کرے۔ وہ ایک پائیدار جمہوری عوامی حکومت کا ترجمان ہے اور غریب الدیار ہونے کے باوجود وہ اپنے دل میں وطن کی محبت لئے زندگی کو نکھارنے سنوارنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ ان کی یہ جدوجہد کئی صورتوں سے واضح ہوتی ہے کبھی وہ قیدی ہوتا ہے کبھی مہاجر، کبھی مدیر، کبھی سیاسی کارکن۔ کشمیر کے دشمن گلکار کی شخصیت کو مجروح کرنے کے لئے ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے ہیں لیکن کشمیر کے لوگ گلکار کو حسین کنول کی طرح مانتے ہیں۔ گلکار کشمیر کا محافظ ہے۔ کشمیر کا جیالا فرزند۔!"

کشمیر کا یہ جیالا فرزند دیارِ غیر میں کشمیر کی آزادی کا ارمان لے کر جب اِس دنیا سے رخصت ہوا۔ تو اُن کی وصیت کے مطابق کسی چوراہے پر اُنھیں دفنانے کی طرف کسی نے غور نہیں کیا۔ کیونکہ ان کی آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوا تھا۔ گلکار صاحب

کی موت کی اطلاع سرینگر پہنچ گئی تو ان کے تئیں خراجِ عقیدت ادا کرنے کے لئے مجاہد منزل میں ایک جلسہ عام ہوا۔ شیخ عبداللہ نے غلام نبی گلکار کے اوصاف بتا کر فرمایا:



(شیخ محمد عبداللہ)

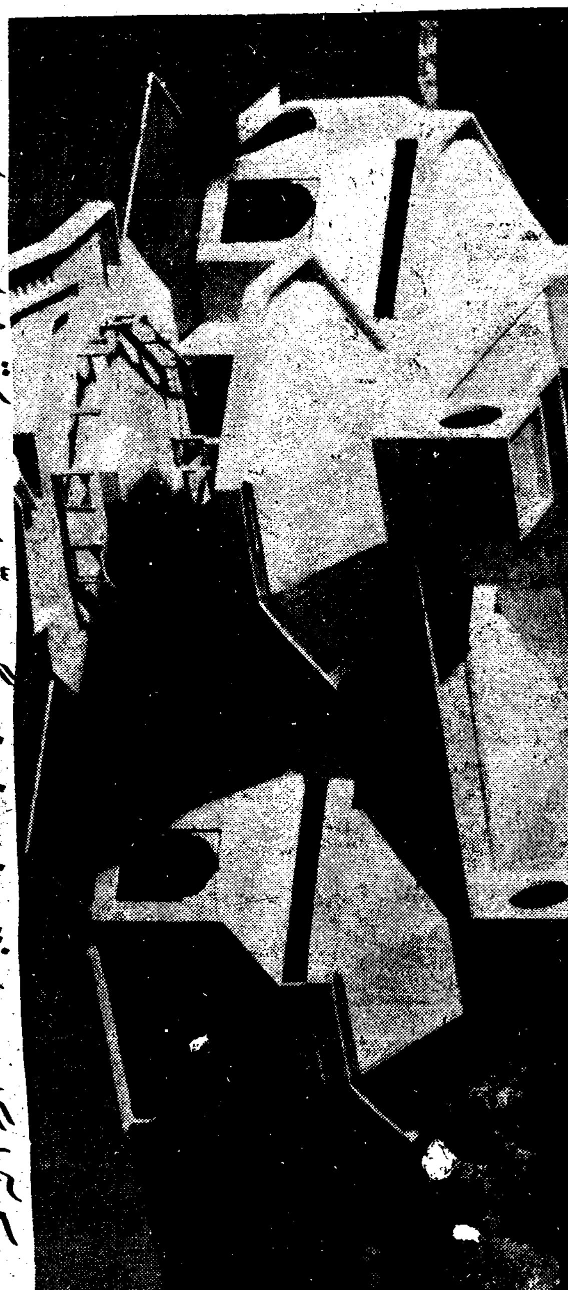
"..... لوگ ہمارے بارے میں غلط فہموں کے شکار ہو رہے ہیں اور یہ افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں کہ ہم اپنے موقف سے ہٹ گئے ہیں۔ لیکن میں آج اس بات کو پھر دہرا رہا ہوں کہ کشمیری عوام کے کاز کے ساتھ کسی قسم کی سودے بازی نہیں ہوگی، کشمیر کی قسمت کا فیصلہ صرف کشمیری عوام کر سکتے ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت ان کا یہ حق چھین نہیں سکتا..... یہ سرزمین دوسرے ملک کی غلام ہے اور اگر یہ آزاد نہیں ہوئی بلکہ غلام ہی رہی تو میرے مرنے کے بعد میری میت بحیرۂ عرب کی لہروں کے سپرد کی جانی چاہیئے کیوں کہ میں اس غلام سرزمین میں دفن نہیں ہونا چاہتا..."

مندرجہ بالا بیانات کی روشنی میں شیخ محمد عبداللہ کو عمل کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان کے دو مختلف روپ نمایاں ہوتے ہیں

ایک روپ میں وہ خود اپنی زبان سے تسلیم کرتے ہیں۔ وہ کشمیری عوام کا لیڈر ہے اُن کا کوئی اصول نہیں اور وہ ایک لیڈر نہیں بلکہ غدّار ہے۔

اب اُن کا دوسرا روپ دیکھا جائے تو وہ صحیح کہہ رہے ہیں کہ وہ غلام قوم میں زندہ نہیں رہنا چاہتے ہیں۔ وہ جو آزادی اور حق خودارادیت کے لئے لڑ رہے تھے اصل میں ان کے نزدیک آزادی اور حق خودارادیت "اقتدار" اور "جاہ و حشمت" تھی۔

جب وہ عوامی اجتماع میں "آزادی اور حق خودارادیت" کے حصول کی باتیں کیا کرتے تھے۔ تب اُن کے دل میں آزادی یعنی اقتدار اور حق خودارادیت یعنی جاہ و حشمت ہوا کرتا تھا۔ حقیقت میں وہ بھارت کے ساتھ اسی اقتدار اور جاہ و حشمت کے لئے لڑ رہے تھے اور ہمیں مروا رہے تھے اور ہم غلط فہمی کا شکار ہو کر سمجھ رہے تھے۔ یہ ہماری آزادی اور حق خودارادیت کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ویسے ہمارا غلط فہمی میں مبتلا ہونا بجا تھا کیونکہ ہم کسی کے دل کا حال جاننے سے قاصر تھے۔ دل کا حال تو سوائے خدا کے اور کون جان سکتا ہے



شیخ صاحب کی آرام گاہ ۔ جس کا نقشہ انھوں نے اپنی زندگی میں مرتّب کروایا اور جس کی تعمیر اُن کی وصیّت کے مطابق ہو رہی ہے۔
ایک شہنشاہ نے قوم کو زندہ دفنا کر اپنے لیے بنوایا ایک حسین مزار

ہم تو صرف مخلوق ہیں۔

صاف ظاہر ہے جب ان کی آزادی یعنی "اقتدار" اور حقِ خود ارادیت یعنی "جاہ و حشمت" مل گئی تو سب سے پہلے اُنھوں نے بحیرۂ عرب میں اپنی لاش کو غرق کرنے کی وصیت توڑ کر حضرت بل کے نزدیک نسیم باغ کے پُر فضا مقام پر اپنی ابدی آرام گاہ کا خود انتخاب کیا اور اس پر شاندار مقبرے کا ڈیزائن بھی منتخب کیا۔ کیونکہ اب برسوں کی جدوجہد بار آور ہو کر عوام کو آزادی بھی مل چکی تھی اور حقِ خود ارادیت بھی۔ اب ہم دوسرے کسی ملک کے غلام بھی نہیں تھے لہٰذا بحیرۂ عرب میں غرق ہونے کی کیا ضرورت!

محاذِ رائے شماری کی طرف سے "یوم سیاہ" منانے کی جو رسم برسوں سے منائی جا رہی تھی۔ اس سلسلے میں ۹ اگست ۱۹۷۳ء کو مجاہد منزل پر سیاہ جھنڈا لہرا کر اور اپنے بازو پر سیاہ بلّا لگا کر عوام سے یوں خطاب فرمایا:

"...... ۱۹۴۷ء میں جب ہم نے ہندوستان کے ساتھ تین معاملات (۱) دفاع (۲) رسل و رسایل۔ (۳) امور خارجہ پر الحاق کیا تو اُمید کرتے تھے ہندوستان اپنے بلند اصولوں اور آدرشوں پر قائم رہے گا۔ ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہی کشمیر کے بارے میں ہندوستان کی نیت بدل گئی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہندوستان ہمارے ساتھ دغا کرنے والا ہے میں کچھ مصلحتوں کے باعث اندرونی کش مکش کو ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ ۹ اگست ۱۹۵۳ء سے پہلے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ بخشی غلام محمد اور اُن کے کچھ ساتھی مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ میں اس بات سے بے خبر نہیں تھا۔ میں نے یہ حالت دیکھ کر اسی مجاہد منزل میں اپنے ساتھیوں کی ایک میٹنگ طلب کی۔ اس میٹنگ میں بخشی غلام محمد، مرزا افضل بیگ، غلام محمد صادق اور مولانا مسعودی بھی شامل تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ اگر میں آپ کے عزائم میں حائل ہو رہا ہوں تو میں حکومت چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ اس وقت بخشی غلام محمد نے کہا کہ وہ میرے وفادار ساتھی ہیں اور آپ کو اپنے ایمان کے چھٹے رکن سمجھتے ہیں۔ اُس نے قسمیں کھائیں لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ بخشی صاحب اور صادق صاحب ہندوستان کے ایجنٹ بن

گئے۔ انھوں نے دولت اور اقتدار کے لئے قوم سے غداری کی ......"

ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ بخشی صاحب اور صادق صاحب نے ہندوستان کے ایجنٹ بن کر دولت اور اقتدار کے لئے قوم سے غدّار کی۔ لیکن بعد میں آپ نے ان سے اسی بات پر ان کا یہ خطاب کیوں چھینا؟

اگر آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء میں آپ کو ہندوستان کی نیت کے بارے میں پتہ چلا اور آپ یہ جانتے تھے۔ ہندوستان ہمارے ساتھ دغا کرنے والا ہے تو یہ سب جان کر بھی آپ نے اس ہندوستان کا ساتھ کیوں دیا؟

آپ نے ۱۹۴۸ء میں سلامتی کونسل میں جاکر ہندوستان کی جمہوریت، سیکولرزم، اس کی شرافت، نیک نیتی، ہمدردی اور انسان دوستی کی دہائی کیوں دی جبکہ آپ اس سے پہلے ہی جان گئے تھے۔ یہ ملک ہمارے ساتھ دغا کرنے والا ہے۔

آپ نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالنے کے بعد کیوں اور کیسے کہا کہ ہندوستان ہمارے اصول اور آدرش کا مسکن ہے۔ ہم نے ہندوستان کے ساتھ سوچ سمجھ کر الحاق کیا ہے۔ نہ کہ جذبات میں آکر، ہندوستان کے ساتھ ریاست کا الحاق ناقابل تنسیخ ہے۔ اگر آپ ہندوستان کے بارے میں ۱۹۴۷ء میں جب الحاق کی سیاہی گیلی تھی۔ سب کچھ جان گئے تھے تو ہندوستان کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھا کر آپ ریاستی عوام کو وہی دغا تو نہیں دے رہے تھے جو دغا آپکو ہندوستان سے مل رہی تھی یا ملنے والی تھی۔

آپ ہندوستان کے بارے میں اصلیت چھپا کر قوم کو دھوکہ اور فریب کیوں دے رہے تھے؟ آپ کے اندر ایسی کونسی کشمکش تھی جس نے آپ کی اخلاقی جرآت مفقود کر دی تھی۔ آخر کس بات کے لئے آپ چپ سادھ کر بیٹھے رہے۔ کس غرض کے لئے آپ ریاستی عوام کے مستقبل سے لاپرواہ ہو گئے؟ کہیں یہ سب "بیعنامہ دہلی" کو ملحوظِ خاطر رکھ کر تو نہیں کیا جارہا ہے۔ اگر ۱۹۴۷ء میں آپ ہندوستان کی اصلیت کو جان گئے اور ۱۹۵۳ء میں اس کا مزہ بھی چکھ لیا تو ۱۹۷۵ء میں اقتدار کے لئے اُن کے ساتھ معاہدہ کیسے کیا۔۔۔؟ اس موقعہ پر آپ نے اپنے ضمیر کو کہاں پر سلا دیا تھا؟

آزادی اور حق خود ارادیت کے حصول کے لئے جس ایمان اور اصول کی آپ دہائی دیا کرتے تھے اسے کہاں رکھ چھوڑ آئے تھے؟ ۱۹۷۵ء میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد آپ کو

ایک بار اور ۸ جولائی ۱۹۷۷ء کو کیوں کہنا پڑا۔

"ہندوستان نے میرے ساتھ دھوکہ کیا جس وقت ایکارڈ ہوا مجھے پورا یقین دلایا گیا کہ کانگریس میرے ساتھ پورا تعاون کرے گی مجھے وزیروں کے انتخاب کا بھی پورا اختیار دیا گیا تھا۔ اب کانگریس پالیسی سازی اور کابینہ میں پورا حصہ چاہتی ہے۔ میرے لئے روز بروز مشکلات پیدا کر دیئے جاتے تھے۔ اگر کانگریس کو مجھ پر اعتبار نہیں تو میں حکومت چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔"

شیخ عبداللہ نے جن حالات میں اقتدار دوبارہ حاصل کیا اور اس کے لئے اپنا ایمان اصول اور آدرش کی بلی چڑھا دی اور اپنے آپ پر غدّاری کی لیبل چسپاں کر دی۔ اس کو مدِنظر رکھ کر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کانگریس کی طرف سے پیدا کردہ مشکلات سے تنگ آکر مستعفی ہو جائیں گے۔۔۔ یہ سب کہنے کی باتیں تھیں۔ جن کا انھوں نے ثبوت خود ہی فراہم کر دیا۔

۵ نومبر ۱۹۷۳ء کو وومنز کالج کے نام کی تبدیلی مولانا آزاد روڈ پر واقع وومنز کالج کے ساتھ ایس۔پی۔ کالج اور ایس۔پی ہائیر سکنڈری اسکول کے طلباء اور طالبات بطور احتجاج سڑکوں پر نکل آئے۔ ریاستی حکومت نے وومنز کالج کا نام نہرو میموریل کالج میں بدلنے کا فیصلہ کر لیا اور اس تبدیلی کے لئے نہ صرف شیخ عبداللہ کی منظوری حاصل کر لی بلکہ تقریب کی صدارت خود شیخ صاحب کر رہے تھے۔

جب شیخ صاحب اپنی کوٹھی سے اس تقریب میں شمولیت کرنے کے لئے نکلے۔ تو مولانا آزاد روڈ پر طلباء اور طالبات کے مظاہروں نے انھیں واپس بھاگنے کے لئے مجبور کیا۔ بھاگتے بھاگتے اُن کی کار پر کئی پتھر بھی لگے۔

طلباء اور طالبات کے مشترکہ احتجاج سے تقریب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ البتہ پولیس نے طلباء اور طالبات پر بڑی بے دردی اور بے رحمی سے ڈنڈے برسائے اور اشک آور گیس کے گولے پھینکے۔ درجنوں کی تعداد میں طلباء اور طالبات زخمی ہوئے۔

مظاہرین نے ۱۹۵۳ء کے بعد پہلی بار مرکزی سرکار ریاستی حکومت کے ساتھ ساتھ عوامی لیڈر شیخ محمد عبداللہ کے خلاف نعرے دینے لگے۔ مظاہرین نے سب سے زیادہ ہدفِ ملامت شیخ عبداللہ کو ہی بنا دیا۔ ان کے پتلے جلائے گئے۔ ان کے ماٹوز اور تصویروں

پر کیچڑ مل دی گئی۔

سرینگر کی یہ شورش اسلام آباد، سوپور اور بارہمولہ میں بھی پھیل گئی۔ یہاں طلبار اور طالبات کے مخالفانہ نعروں کا خصوصی نشانہ شیخ عبداللہ ہی بن گیا۔ حکومت کو مجبوراً تمام اسکول اور کالج بند کرنا پڑے۔

۱۲ نومبر کو جب دوبارہ اسکول اور کالج کھل گئے تو انجینئرنگ کالج کے طلبار نے تشدد آمیز مظاہرے کئے۔ امیرا کدل، بڈشاہ چوک اور گاؤکدل کے علاقے دو بدو لڑائی کے مرکز بن گئے۔ طلبار اور طالبات کے ساتھ دوسرے لوگوں نے گاڑیوں پر پتھراؤ کیا اور پاکستان کے حق میں نعرے لگائے گئے۔

سرینگر میونسپل حدود میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی گئی۔ کشمیر کی اسٹوڈنٹس ایجی ٹیشن نے جموں کے طلبار کو مشتعل کردیا اور وہ جوابی کاروائی کے طور پر مولانا آزاد کالج کو تختۂ مشق بنانے لگے۔ انھوں نے پاکستان کے خلاف نعرے لگائے۔

وادیٔ کشمیر کی اسٹوڈنٹس تحریک سے عوامی ایکشن کمیٹی کو عمومی اور محاذ رائے شماری کو خصوصی صدمہ ہوا کیونکہ اس تحریک نے وزارت کی منتقلی میں ایک قسم کی رکاوٹ پیدا کردی جو کام ۱۹۷۳ء میں ہونے جارہا تھا وہ جاکر ۱۹۷۵ء میں ہوا۔ اگر وومنز کالج کی تحریک میں شیخ محمد عبداللہ ہدف ملامت نہیں بنتے تو محاذ کے لیڈروں کی آوارہ گردی کی معیاد صرف ۲۰ سال ہوتی، ۲۲ سال نہیں۔ محاذ رائے شماری اور عوامی ایکشن کمیٹی کی لیڈر شپ کی طرف سے نبیادی موقف سے فرار دیکھ کر وادیٔ کشمیر کے وہ نوجوان جو تحریک کے دوران سب سے زیادہ مصائب اور قید و بند کے شکار ہورہے تھے۔ انھوں نے مل کر محاذ رائے شماری اور عوامی ایکشن کمیٹی کو خیر باد کہہ کر ایک علیحدہ تنظیم "پیوپلز لیگ" کے نام سے وجود میں لائی ـــ "جموں و کشمیر پیوپلز لیگ" کا قیام اکتوبر ۱۹۷۴ء میں سرینگر میں عمل میں لایا گیا۔ اس سے پہلے اس تنظیم کے ارکان مختلف یوتھ اور اسٹوڈنٹ تنظیموں میں کشمیر کی سیاسی تحریک اور اسلامی تحریک کے لئے مصروف جدوجہد رہ چکے تھے۔

مولوی فاروق کی سازش اور شیخ عبداللہ کے فرار سے پیدا شدہ خطرات اور مایوسی کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ نوجوان اور یونیورسٹی طلبار مذاکرات میں مصروف رہے۔ انھوں نے تمام گروپوں کو ایک نئی تنظیم میں مدغم کردیا۔ جس کا نام "جموں و کشمیر پیوپلز لیگ" رکھا گیا جن

جماعتوں کا ادغام عمل میں لایا گیا۔ اُن کے نام یہ تھے۔ (۱) اسٹوڈنٹس اینڈ یوتھ لیگ، (۲) ینگ مینز لیگ۔ (۳) اسلامک اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن اور انڈرگراؤنڈ "الفتح" تحریک کا وہ دھڑا جس نے شیخ عبداللہ کے آئین ہند کے دائرے میں اٹانومی کے تصور کو مسترد کردیا تھا۔

پیوپلز لیگ کے پہلے چیرمین "الفتح" کے چیف فضل الحق قریشی بنائے گئے۔ اُن کے بعد "الفتح" کے ہی ایک اہم رکن نذیر احمد وانی منتخب ہوئے۔

پارٹی نے حق خود ارادیت اور آزادیٔ کشمیر کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اور ریاست کو آخر کار اسلامی نظام سے ہم کنار کرانے کے لئے جدوجہد کرنے کا عہد کیا۔ ۱۹۷۵ء میں پارٹی نے محمد فاروق رحمانی کو اپنا چیرمین منتخب کیا۔ جو آج بھی اس عہدے پر فائز ہیں ـــ موصوف اس سے پہلے تحریک حق خود ارادیت کے لئے جدوجہد کی پاداش میں قید و بند کے ن سال کاٹ چکے تھے۔

پیوپلز لیگ نے مجوزہ اندرا عبداللہ ایکارڈ کے خلاف نوجوانوں میں مزاحمتی جذبہ بیدار کیا۔ چنانچہ فروری ۱۹۷۵ء میں پارٹی کا ایک ہمدرد نوجوان سوپور میں مظاہروں کے دوران گرفتار کیا گیا جس کی وحشیانہ مار پیٹ کی گئی اور وہ سنٹرل جیل میں پولیس زدوکوب کی تاب نہ لاکر چل بسا۔ پولیس نے راتوں رات سوپور میں اسے دفن کردیا۔ دفن کرنے کے بعد اس کے گھر والوں کو اس کاروائی کی اطلاع دی گئی۔ والدین اور بہن بھائیوں کو میت کی جھلک تک نہ دکھائی گئی۔ غلام محمد بلہ کی موت کی خبر جب صبح کو علاقہ میں پھیل گئی تو نوجوان سڑکوں پر نکل آئے۔ پولیس کے ساتھ مڈبھیڑ میں کئی نوجوان زخمی ہوگئے۔ وسیع پیمانے پر چھاپہ مار کر نوجوانوں کو گرفتار کیا گیا۔



(ذوالفقار علی بھٹو)

۱۱ فروری ۱۹۷۵ء کو وزیر اعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے دہلی ایکارڈ کے خلاف، کشمیریوں سے پرامن طور پر پروٹسٹ، ہڑتال کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔ پیوپلز لیگ نے اس پر لبیک کہہ کر وادی کے نوجوانوں کو مختلف زونوں میں تقسیم کرایا اور ان کی کوششوں سے ہڑتال نہ صرف وادی بھر میں بلکہ جموں کے مسلم علاقوں میں بڑی کامیاب رہی۔ اس موقعہ پر پارٹی کے

سینکڑوں حامی گرفتار کر کے پوچھ گچھ کے تعذیب خانوں میں بند کئے گئے۔ لیکن اس کے باوجود اسلامک اسٹوڈنٹس لیگ جس کے تشکیل بخشی روح رواں ہیں۔ بڑے سرگرم رہے۔ اسی دوران محمد مقبول بٹ، حمید اور ریاض کے ساتھ سرحد پار کر کے وادی کشمیر میں دوبارہ داخل ہوئے۔ ہنگیٹ کے مقام پر جموں و کشمیر بنک کے مینیجر کے ساتھ مڈ بھیڑ ہیں جب مینیجر مارے گئے تو انھیں گرفتار کر لیا گیا۔



محمد مقبول بٹ نے آزاد کشمیر میں اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر "کشمیر لبریشن فرنٹ" کے نام سے ایک تنظیم بنائی تھی۔ جون ۱۹۶۶ء میں محمد مقبول بٹ سرحد پار کر کے کشمیر میں داخل ہوئے۔ اُن کے ساتھ شہزاد خان، رستم علی، گلشن خان، احمد گنائی اور نصر اللہ خان تھے۔

سی۔ آئی۔ ڈی۔ امر چند کی رپورٹ پر محمد مقبول بٹ کے بعض ساتھی گرفتار کر لئے گئے تو اس کی پاداش میں طاہر نے انھیں قتل کیا۔ طاہر کے ساتھ مقبول بٹ کو گرفتار کر لیا گیا۔ نیلہ کنٹھ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کی عدالت میں مقدمہ درج ہوا۔ انھیں ۱۷ اگست ۱۹۶۸ء کے روز پھانسی کی سزا سُنائی گئی۔ پہلے مرحلے پر انھیں سنٹرل جیل سرینگر میں محبوس کیا گیا۔ جہاں سے وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ چنانچہ ۱۹۷۵ء میں جب وہ دوبارہ واردِ کشمیر ہوئے تو پرانی سزا کی بحالی کے طور پر انھیں تہاڑ جیل دہلی منتقل کیا گیا۔ ۱۹۷۶ء میں محمد مقبول بٹ کو جیل سے چھڑانے کے لئے عبدالحمید دیوانی ایک نوجوان نے سرینگر سے دہلی جانے والے ایک جہاز کو اغوا کر کے لاہور پہنچا دیا۔ یہاں حمید دیوانی کو شک کی بنا پر گرفتار کیا گیا۔

محمد مقبول بٹ نے ہائی کورٹ کے بعد سپریم کورٹ میں اپیل کی لیکن دونوں اداروں نے اُن کی سزائے موت بحال رکھی۔ انھوں نے صدرِ مملکت کے نام رحم کی اپیل کی۔ جس پر کوئی کاروائی نہ ہوسکی۔

پیوپلز لیگ نے ۱۹۷۹ء میں اپنا ایک باقاعدہ اور مفصل دستور مرتب کیا۔ جس میں حقِ خودارادیت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے

دل کو بہلائے تخیّل کا کہاں تک بانکپن
آدمی کب تک سمجھا جائے مدفن کو چمن

بیگ پارتھاسارتھی بات چیت کا نیا موڑ

سردار سورن سنگھ کی شمولیت

حالات اور واقعات اس بات کے گواہ ہیں کہ کشمیری عوام کے سب سے بڑے لیڈر سب سے بڑے رہنما شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ جنھیں عوام "ایشیا کا بلند ستارہ" "قائدِ اعظم" اور "بابائے قوم" سے بھی یاد کر رہے تھے۔ عام طور پر مزار شہداء، درگاہوں، آستانوں، زیارت گاہوں اور مقدّس مقامات کے ساتھ درگاہ حضرت بل میں مقدس تقاریب پر سراسر جھوٹ بولتے تھے۔

ایسی جگہوں پر ایفائے عہد دہرا کر عوام اس دھوکہ میں رہتے کہ ایسا شخص جو اپنی تقریر قرآنی آیات سے شروع کرتا ہے۔ جھوٹ نہیں بول سکتا، فریب اور دھوکہ نہیں دے سکتا۔ یہ شخص جس کے لئے ہم نے بے شمار قربانیاں دیں، ان قربانیوں کو ضائع نہیں کر سکتا۔

محاذ رائے شماری کے لیڈروں کی بڑی چالاکی اور شاطری یہ تھی کہ وہ عوام کے پاس جا کر عوام کی بات کرتے تھے اور مرکزی سرکار کے پاس جا کر اپنی بات کرتے تھے۔ عوام کو خوش کرنے کے لئے ان لیڈروں کو جو کچھ کرنا اور کہنا پڑتا اس سے مرکزی سرکار ناراض ہو جاتی اور وہ بات چیت کا دروازہ بند کرتی، بات چیت کا دروازہ کھولنے کے لئے انھیں جس صفائی کی ضرورت ہوتی اس سے کشمیری عوام ناراض ہوتے۔ اس طرح صلح صفائی نے طول پکڑ لیا۔

محاذ کے لیڈروں نے لیلائے وزارت کی دوری سے اکتاہٹ محسوس کی تو پہلی فرصت میں اس اکتاہٹ کا اعتراف کرتے ہوئے مسز اندرا گاندھی کو شیخ صاحب نے ایک خط لکھا۔ جس میں اُن سے استدعا کی گئی کہ بیگ پارتھاسارتھی قانونی نقطوں میں اُلجھ گئے

ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم کشمیر کی حالت سدھارنے کے لئے پہلے وزارت سنبھالیں۔ بعد میں ان لفظوں پر بحث کریں۔

اس کے جواب میں مسز اندرا گاندھی نے لکھا۔

"آپ جیسے بزرگ لیڈر سے ہمیں یہی توقع ہے کہ آپ عوام کی حالت سدھارنے کے لئے سامنے آئیں اور قانونی پیچیدگیوں میں اُلجھنے کے بجائے اپنا کام شروع کریں ...."

چنانچہ اس رائے کی روشنی میں مسز اندرا گاندھی نے بیگ پارتھا سارتھی کو ایک طرف رکھ کر سردار سورن سنگھ کو سامنے کیا۔

۲۲ر جون ۱۹۷۴ء کو مسز اندرا گاندھی پھر سرینگر تشریف لائیں۔ اگلے روز اتوار کو انھوں نے ریاستی وزیروں اور کانگریس کے عہدیداروں کو کھانے پر بلایا اور انھیں شیخ عبداللہ کو جموں وکشمیر کا وزیر اعلیٰ بنائے جانے کا اشارہ دیا۔

وزیر اعلیٰ سید میر قاسم نے مسز اندرا گاندھی کے اعزاز میں کھانے کی دعوت دی۔ تو سید میر قاسم کے ساتھ مل کر شیخ عبداللہ نے مسز اندرا گاندھی کا کچھ اس طرح خیر مقدم کیا۔ گویا وزیر اعلیٰ کا عہدہ ان دونوں نے آدھا آدھا بانٹ لیا تھا۔

۲ر جولائی کو شری پارتھا سارتھی سرینگر آئے اور مرزا افضل بیگ کے ساتھ دو دن تک بات چیت کی، ۴ر جولائی کو محاذ رائے شماری کا سالانہ اجلاس ہوا۔ محاذ کے لیڈروں نے اپنے موقف کا اعادہ کرتے ہوئے مجاہد منزل میں فرمایا:

"....ہم کشمیر کے بنیادی مسئلے کا تصفیہ چاہتے ہیں۔ اقتدار نہیں۔ اقتدار سے مسئلہ کشمیر حل نہیں ہوگا۔ جب تک عوام کو اُن کا بنیادی حق نہیں ملتا سمجھوتہ نہیں ہوگا"

اسی اجلاس میں اعلان کیا گیا کہ شیخ صاحب ۸ر جولائی کو لال چوک میں عوام سے خطاب فرمائیں گے — چنانچہ اس روز لال چوک میں ایک بڑے عوامی جلسے میں قرآنِ کریم کی تلاوت کے بعد انھوں نے فرمایا:

"...... میں آپ کو بار بار یقین دلا چکا ہوں۔ میری نئی دہلی کے ساتھ بات چیت کے نتیجے میں جو بھی حل نکل آئے۔ اُسے عوام کے سامنے رکھوں گا اور یہ آپ کا اختیار ہے کہ آپ اسے قبول کریں یا مسترد کریں۔ یہ عمل آپ کو منظور ہوا

تو ٹھیک ورنہ کوئی اور راستہ تلاش کیا جائے گا۔ مجھے اقتدار کی کوئی ہوس نہیں اور اقتدار کے لئے کشمیری قوم کے بنیادی مسئلے کے ساتھ کوئی سودے بازی نہیں کروں گا۔ بات چیت جاری ہے اور اس کے کسی نتیجے پر پہنچنے کی مجھے پوری اُمید ہے۔ کیونکہ بھارت سرکار خاص طور پر مسز اندرا گاندھی نے یہ مسئلہ سُلجھانے میں بڑی فراخدلی دکھائی ہے۔ بات چیت کا جو بھی نتیجہ نکلے گا اس کے بارے میں آزاد کشمیر کے عوام سے بھی پوچھا جائے گا۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ پاکستان کے مفاد کو زک نہ پہنچے۔ کیونکہ وہی حل پائیدار ہو سکتا ہے۔ جسے پورے برصغیر کی حمایت حاصل ہو....!"

جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ شیخ عبداللہ بڑے زیرک اور شاطر سیاستدان تھے وہ لوگوں کی نبض پر ہاتھ رکھ کر ان کی دھڑکنیں گنتے بھی تھے اور انھیں اُبھارتے بھی تھے لیکن یہ سودا کبھی کبھار انھیں مہنگا بھی پڑتا تھا۔ چنانچہ لال چوک کی تقریر میں جب اُنھوں نے آزاد کشمیر کو بات چیت کا شریک بنا کر پاکستان کے مفاد کا خیال رکھنے کا ذکر کیا۔ تو مرکزی سرکار نے ناراض ہو کر ان کے ساتھ مفاہمت کی فائیل بند کر دی۔

شیخ صاحب کو اس کی اطلاع مل گئی تو وہ سخت پریشان ہو گئے۔ اقتدار کی منزل کے قریب پہنچنے کے بعد جب اقتدار کی کرسی اُن کے سامنے سے ہٹائی گئی تو وہ اپنی غلطی تسلیم کر کے منت سماجت پر اُتر آئے، جب اس طرح بھی فائیل نہیں کھولی گئی تو انھوں نے اسی لال چوک میں بالکل اُسی جگہ ۱۸ر جولائی کو تقریر کے دوران فرمایا:

"..... پاکستان کشمیر کے معاملات میں مداخلت کرنے کے بجائے اپنی اندرونی حالت سدھارے، میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ پاکستان کو کس نے یہ سرٹیفکیٹ دے دی ہے کہ وہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کر سکتا ہے۔ کشمیر کا فیصلہ صرف کشمیری عوام کر سکتے ہیں۔ میں نے یہ عزم کر رکھا ہے کہ کشمیری عوام کی مرضی اور خواہشات کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں ہوگا میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نئی دہلی سے میری بات چیت کا جو بھی نتیجہ نکلے گا۔ وہ پہلے عوام کے سامنے رکھا جائے گا۔"

ایک عام شخص جس میں ذرا بھی شرم ہو گی۔ وہ ۸ر جولائی ۱۹۷۴ء کو لال چوک

میں پاکستان کو مسئلہ کا شریک بنانے کی سرٹیفکیٹ دینے کے بعد ۱۸ر جولائی کو اسی لال چوک کے اسی جگہ پر یہ سرٹیفکیٹ پھاڑنے کا ہرگز مظاہرہ نہیں کر سکے گا۔ کم از کم وہ مقام تو ضرور بدل دے گا۔ لیکن لیڈرانِ قوم سے اتنا بھی نہیں ہو سکا۔ پاکستان کو دی گئی سرٹیفکیٹ پھاڑنے کے بعد بھی مرکزی سرکار فائیل کھولنے کے لئے راضی نہیں ہوئی۔

کیونکہ دھلی میں اپوزیشن نے پاکستان کو شریکِ کار بنانے کی پاداش میں شیخ عبداللہ کے ساتھ بات چیت کو منقطع کرنے کا ریزولیوشن پاس کیا تھا۔ اس سلسلے میں اپوزیشن پارٹی کے ایک وفد جس کی سربراہی اٹل بہاری باجپائی کر رہے تھے۔



(اٹل بہاری باجپائی)

اس نے ۲ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے ملاقات کی۔ اس وفد نے مسز اندرا گاندھی کے سامنے صاف صاف کہہ دیا کہ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ اُن کے مختلف بیانات کے پیش نظر کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔

مسز اندرا گاندھی نے وفد کو یقین دلایا۔ سمجھوتہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہوگی جو قابلِ اعتراض ہو، بات چیت میں قومی مفاد کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔ شیخ صاحب کے قابلِ اعتراض بیانات سے پیدا ہونے والے اپوزیشن لیڈروں کے سامنے مسز اندرا گاندھی نے شیخ صاحب کا ایک خط پڑھ کر سُنایا۔ جو انھوں نے انہی دنوں سرینگر سے روانہ کیا تھا۔ اس خط کو سنکر اپوزیشن وفد مطمئن ہوا تو مسز اندرا گاندھی نے ان سے کہا۔

” شیخ صاحب کی کچھ مجبوریاں ہیں۔ لہٰذا ہمیں ان کی کشمیر میں تقریروں کا نوٹس نہیں لیا جانا چاہیئے ۔ آپ شیخ کو میرے ذمے چھوڑ دیں اور کسی قسم کا خدشہ محسوس نہ کریں۔“

مسز اندرا گاندھی کے ساتھ اپوزیشن وفد کی ملاقات کا ذکر اخبارات میں آیا تو شیخ صاحب کو اپوزیشن کے رول پر بے حد مایوسی ہوئی۔

۱۲ر ستمبر کے روز جب ”شیر کشمیر میڈیکل انسٹیچیوٹ“ صورہ کا سنگ بنیاد ڈالنے کی تقریب منائی گئی تو ہمارے شیر کشمیر کو مرکزی وزیر دیو کانٹ بروا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے رحمان سوداگر بن کر اسٹیج پر زور زور سے نعرے دینے پڑے :

” مسٹر بروا ـــ زندہ باد ! “

مسٹر دیو کانت بروا کے اعزاز میں بلائے گئے جلسے میں شیخ صاحب یہ بھول گئے کہ یہاں بڑے بڑے آفیسر اور معزز شہری موجود ہیں۔ جو نعرے اور جوابی نعرے بالکل نہیں جانتے چنانچہ جب ان کے ” مسٹر بروا “ کے نعرے کا کوئی رسپانڈ نہیں ہوا تو انھیں خود ہی مسٹر بروا کے بعد زندہ باد کہنا پڑا۔

شیر کشمیر کی حرکت کو دیکھ کر حاضرین ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ڈاکٹر علی محمد جان نے شرمسار ہو کر اپنی گردن جھکالی۔

شیخ صاحب کی طرف سے اس عزت افزائی کے عوض میں دیو کانت بروا نے دہلی جاکر مسز اندرا گاندھی سے شیخ صاحب کے ساتھ بات چیت دوبارہ شروع کرنے کی استدعا کی جو قبول کی گئی۔ چنانچہ مسٹر بروا نے شیخ صاحب کو بذریعہ ٹیلی فون دہلی آنے کو کہا۔

شیخ عبداللہ ۱۴ر ستمبر کو دہلی روانہ ہو گئے۔

دہلی میں شیخ صاحب سے کہا گیا کہ وہ اپوزیشن کا خدشہ دور کریں تاکہ بات چیت آگے بڑھائی جا سکے۔

شیخ عبداللہ نے ۱۸ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو پریس کلب دہلی میں اخباری نمائندوں کے سامنے بیان دیا۔

”.... میں آپ کے سامنے یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ الحاق ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ کشمیر میں جو نئی اسمبلی بنے گی۔ وہ اس سوال کو نہیں اُٹھائے گی۔ میں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے کیونکہ میں اس کی جمہوریت اور سیکولرزم کے عقیدوں کی قدر کرتا ہوں ہم آپ تک خون کے دریا پار کر کے پہنچے ہیں (یعنی ہم نے اب تک بے شمار کشمیریوں کو قتل کروایا ہے) پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ہم پر اعتبار نہ کریں۔ مرکز کے ساتھ مفاہمت ہو جانے کے بعد آزاد کشمیر کا مسئلہ اُٹھایا جا سکتا ہے اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ ایک علیحدہ محاذ بنا کر اُن کا مستقبل متعین کیا جا سکتا ہے۔ میرے ذہن میں اس وقت آزاد کشمیر کے بارے میں کئی حل ہیں لیکن اسوقت کہنا قبل از وقت ہوگا۔“

شیخ عبداللہ کے دھلی کی پریس کانفرنس میں اس بیان نے کشمیریوں کو مشتعل کیا۔ چنانچہ دھلی سے ان کی واپسی پر ان کے خلاف طلباء کا ایک مظاہرہ ہوا جو نہ صرف بڑی سختی کے ساتھ دبایا گیا بلکہ اس کو پھیلنے بھی نہیں دیا گیا۔



بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کے خلاف برسرِ پیکار جوان

(۱) محمد فاروق رحمانی (۲) شبّیر احمد شاہ (۳) اعظم انقلابی (۴) امان اللہ خان (۵) مَصلُوب محمد مقبول بٹ (۶) شیخ تجمل الاسلام (۷) شکیل بخشی (۸) محمد فضل۔

کوئی ارماں نہ نکلا بے بقا گلزارِ دنیا میں
کلی پژمردہ دل کی رہ گئی وقفِ خزاں ہو کر

مسئلہ کشمیر پر سیاسی کنونشن کا انعقاد

محاذ کو دفنانے کا آغاز

وادیٔ کشمیر میں محاذ رائے شماری کے لیڈروں کو عوامی غیظ و غضب کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے مسئلہ کشمیر پر ایک سیمنار منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ تاکہ مختلف مکتبۂ فکر کے لوگوں کو جمع کر کے اُن سے مسئلہ کے بارے میں اُن کی رائے حاصل کی جا سکے۔

مجاہد منزل کی ایک خصوصی میٹنگ میں سیمنار کے بجائے کنونیشن بلانے کا فیصلہ لیا گیا، اور اس کنونیشن میں پاکستان میں بعض کشمیری لیڈروں کی شرکت کے لئے راہ ہموار کرنے کے لئے مرکز سے رجوع کیا گیا۔ سیاسی کنونیشن کے لئے ۵ جولائی ۱۹۷۴ء مقرر کی گئی۔

محاذ رائے شماری کی طرف سے لندن میں مقیم کشمیر لبریشن فرنٹ کے ایک رکن ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے ساتھ رابطہ قائم کیا گیا "تاکہ وہ کشمیر لبریشن فرنٹ کے مندوبین کو یہاں آنے کے لئے راضی کر سکیں۔



(ڈاکٹر فاروق عبداللہ)

کشمیر لبریشن فرنٹ کے ماہانہ میگزین "آواز" کے ایک مراسلہ کے مطابق لندن میں اپنے قیام کے دوران ڈاکٹر فاروق عبداللہ کشمیر کو بھارت کے جنگل سے آزادی دلانے والی لبریشن فرنٹ کے ایک سرگرم رُکن تھے اور انہی کے ذریعے آزاد کشمیر کی محاذ رائے شماری اور کشمیر لبریشن فرنٹ کی طرف سے کشمیر کی محاذِ رائے شماری کو رقومات بھیجدی جاتی تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان رقومات کا بیشتر حصہ وہ اپنے بھائی طارق عبداللہ کے ساتھ مل کر انگلستان میں عیش پرستی

کے لئے استعمال میں لائے تھے۔

سرینگر کے مجوزہ کنونشن میں پاکستان اور آزاد کشمیر کے مندوبین کی شرکت کے لئے اُن سے بات چیت کرنے جب وہ لندن سے پاکستان گئے تو راولپنڈی پہنچ کر ہوائی اڈے پر اُترتے ہی اخباری نمائندوں نے انھیں گھیر لیا۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اس موقعہ پر بازو لہراتے ہوئے کہا:

" ہم کشمیر کو بھارت کے چنگل سے آزاد کر کے ہی دم لیں گے۔ چاہے اس کے لئے ہم کو کفن باندھ کر میدان میں کیوں نہ آنا پڑے، کشمیری عوام ایٹم بم کے دھماکو سے مرعوب ہو کر حق خود ارادیت کی جدوجہد ترک نہیں کریں گے حق خود ارادیت ہمارا پیدائشی حق ہے اور دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں اس حق سے محروم نہیں کر سکتی۔"

سرزمین پاکستان پر اُترتے ہی فاروق عبداللہ نے ہندوستان کے خلاف جو زہر اُگل دیا۔ اس کی وجہ سے پاکستانی لیڈروں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ اُن کی ملاقات کا خاص انتظام کیا گیا۔ اس ملاقات کے دوران ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے مسٹر بھٹو کے سامنے واضح کر دیا کہ:

" کشمیری عوام ہند اور پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں نہیں ہیں بلکہ وہ آزاد اور خود مختار رہنا چاہتے ہیں۔ ہم اسی نقطے پر سوچ رہے ہیں اور اسی کے لئے برسرِ جدوجہد ہیں۔"

فاروق عبداللہ کی زبانی ایسا سُن کر ذوالفقار علی بھٹو نے کہا۔

"۔۔۔۔ اگر آپ کشمیر کو آزاد اور خود مختار رکھنا چاہتے ہیں تو اس میں ہمارا کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہم اس کے لئے اپنا بھرپور تعاون اور مدد دے سکتے ہیں۔ پاکستان پہلا ملک ہوگا جو " خود مختار کشمیر " کو تسلیم کرے گا اور آپ چاہیں گے تو ہم چین سے بھی مدد دلائیں گے۔ ہم کشمیر کو مشرقی سوئیزر لینڈ بنانے میں بھرپور مدد دیں گے۔"

ڈاکٹر فاروق ذوالفقار علی بھٹو سے رخصت ہوئے تو انھیں محاذ رائے شماری کے لئے ایک لاکھ روپے کا چیک نمبر 0087398 مورخہ ۲۸ جون ۱۹۷۴ء میں

کیا گیا۔ بھٹو صاحب کا خیال تھا۔ ڈاکٹر فاروق عبداللہ اس گفتگو کو پوشیدہ رکھیں گے جو ان دونوں کے درمیان ہوئی۔ لیکن مظفر آباد آکر انھوں نے اخباری نمائندوں کے سامنے بیان دیا:

"۔۔۔۔ کشمیری عوام ایٹم بم کے دھماکے سے مرعوب ہو کر حق خود ارادیت کی جدوجہد ترک نہیں کر سکتے، کشمیر کو آزاد کرنے کے لئے ہم چین سے بھی مدد لیں گے۔ کشمیر کو ہم برصغیر کا مشرقی سوئیزر لینڈ بنانا چاہتے ہیں۔ کشمیر کو بھارت کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے ہم مسلح جدوجہد بھی کر سکتے ہیں۔"

اُن کے اس بیان پر وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے سخت برہمی کا اظہار کیا۔ کیونکہ اپنے بیان میں انھوں نے چین کا ذکر بھی کیا۔ اس موقعہ پر بھٹو صاحب نے وزیر خارجہ عزیز احمد سے کہا:

" میں نے اس لڑکے کے ساتھ جو باتیں کیں شاید میں نے اچھا نہیں کیا۔ مجھے لگتا ہے۔ اس کا دل ابھی چھوٹا ہے اور یہ بات کو ہضم نہیں کر سکتا۔۔۔"

ڈاکٹر فاروق کو قیام پاکستان کے دوران وزیر اعظم مسٹر بھٹو کی اس ناراضگی سے آگاہ کیا گیا تو وہ اس خفیہ گفتگو کے بارے میں کسی حد تک محتاط رہے۔ البتہ مسئلہ کشمیر کو اُبھارنے میں وہ بڑے سرگرم رہے۔

مظفر آباد میں " اخبار جہاں " کے نمائندے نے ان سے پوچھا:

" کچھ مدت سے اس قسم کی خبریں آرہی ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ نے بھارت کی بالادستی تسلیم کر لی ہے اور اب وہ بھارتی آئین کے تحت ہی کشمیر کا کوئی حل تلاش کر رہے ہیں۔ اس میں کہاں تک صداقت ہے؟"

ڈاکٹر فاروق نے جواب دیتے ہوئے کہا:

"۔۔۔۔ یہ محض الزام ہے اور اس میں کوئی صداقت نہیں۔ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ۱۹۵۳ء میں شیخ محمد عبداللہ وزیر اعظم تھے۔ انھیں جب پتہ چلا کہ بھارت کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کے وعدے سے منحرف ہو رہا ہے اور کشمیر کی مخصوص حیثیت کو ختم کرنے کے درپے ہے تو انھوں نے نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس کی مخالفت کی جس کی پاداش میں نہ صرف انھیں اقتدار

سے علیحدہ ہونا پڑا بلکہ طویل قید و بند کی صعوبتیں بھی اُن کا مقدر بن گئیں۔ انھوں
اُنھوں نے ہر قسم کے مصائب اور مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا لیکن مشکل سے مشکل حالات میں بھی ریاست کی آزادی اور کشمیری عوام کے حق' حقِ خود ارادیت کے موقف سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں ہوئے۔ اب جبکہ ان کی عمر کا پیمانہ لبریز ہے اور وہ جانتے ہیں زندگی کی چند ساعتوں کے بعد اُنھیں سب سے بڑی حقیقت کا سامنا کرنا ہے تو کس طرح یہ ممکن ہے کہ وہ ساری عمر کی جدوجہد پر پانی پھیر کر عوام سے غدّاری کے مرتکب ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ عبداللہ کے خلاف اس قسم کی خبریں ایک منصوبہ کے تحت پھیلائی جا رہی ہیں' تاکہ کشمیری عوام کو شکوک و شبہات کے جال میں جکڑ کر انھیں اصل مقصد سے دور لیجایا جائے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس قسم کی کوئی بات ہے ہی نہیں۔ شیخ عبداللہ نے قوم سے کچھ وعدے کئے ہیں اور' ان وعدوں کو اپنا ایمان اور اپنا اصول سمجھتے ہیں۔ پھر وہ اپنے ایمان اور اصول کو چھوڑ کیسے سکتے ہیں۔

جہاں تک شیخ صاحب اور مسز اندرا گاندھی کے درمیان بات چیت کا تعلق ہے۔ یہ ۱۹۷۱ء سے ہو رہی ہیں اور شیخ صاحب اپنے مشن کی تکمیل کے خواہشمند ہیں جو ۱۹۶۴ء میں ادھورا رہ گیا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ کشمیری عوام کو اُن کا حق حقِ خودارادیت ملنا چاہیئے جس کے پاکستان بھارت اور اقوام متحدہ نے وعدے کر رکھے ہیں۔

مسئلہ کشمیر کا یہ بھی ایک آبرومندانہ حل ہے کہ ریاست جمّوں وکشمیر کو جو ۸۴ ہزار مربع میل پر مشتمل تقریباً ۷۰ لاکھ نفوس کی آبادی کا ملک ہے۔ آزاد اور خود مختار قرار دیا جائے اور اگر اسے دوسرا مشرقی سویزرلینڈ بنایا جائے تو اس میں نقصان کا کونسا پہلو ہے بلکہ یہ علاقہ پڑوسی ممالک۔' پاکستان بھارت چین اور روس کے درمیان غلط فہمیاں دور کرنے اور طاقت کا توازن قائم رکھنے میں اہم رول ادا کر سکتا ہے۔ اگر کشمیر کی آزادانہ اور خود مختارانہ حیثیت پر اتفاقِ رائے ہو جائے تو اس کو انجمن اقوام متحدہ کا رکن بن

جانے کی وجہ سے تحفظ مل سکتا ہے اور اس کی سالمیت کی ضمانت ادارہ اقوام متحدہ اور اس کے رُکن ممالک دیں گے۔"

راولپنڈی' اسلام آباد اور مظفر آباد کا دورہ مکمل کرنے کے بعد فاروق عبداللہ اپس لندن چلے گئے۔ ۲ر جولائی ۱۹۷۴ء کو آپ کشمیر برلیشن فرنٹ کا ایک نیا نعرہ لے کر لندن ں مقیم آزاد کشمیر کے چند مندوبین کو لے کر جب سرینگر پہنچے تو محاذ رائے شماری کی طرف سے اس قافلہ کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا۔ ہوائی اڈے سے اس قافلے کو جلوس کی صورت ں مجاہد منزل پہنچایا گیا۔ ڈاکٹر فاروق نے اس موقع پر اجتماع سے مخاطب ہو کر کہا۔ میں آپ کے لئے ایک خاص تحفہ لے کر آیا ہوں۔

چون دیش میون دیش
سون دیش کوُشر دیش
یعنی۔ تمہارا دیش میرا دیش
ہمارا دیش کشمیر دیش

۵ر جولائی ۱۹۷۴ء کو مجاہد منزل میں محاذ رائے شماری کا تین روزہ کنونشن شروع ہو گیا اس روز دریائے جہلم سے محاذ کا ایک دریائی جلوس نکالا گیا۔ جس کے نعرے یہ تھے:

"جس کشمیر کو خون سے سینچا ـــــــ وہ کشمیر ہمارا ہے۔"
"یہ مُلک ہمارا ہے ـــــــ اس کا فیصلہ ہم کریں گے۔"
"کشمیر کا فیصلہ کون کرے گا ـــــــ شیر کرے گا' شیر کرے گا۔"
"چون دیش میون دیش ـــــــ کوشُر دیش زندہ باد۔"

یہ نعرے لگانے والے اور اُن کا جواب دینے والے سب لوگ پُرجوش تھے اُس روز واقعی' یہ فلک شگاف نعرے شہر سرینگر میں ایک گونج پیدا کر رہے تھے۔ کس کو معلوم تھا کہ صرف ایک سال کے اندر اندر ان نعروں کی نوعیت بدل جائے گی۔ ان کے معنی بدل جائیں گے۔ اس وقت ایک بھی کشمیری فرد یہ سوچ بھی نہیں سکتا' آج جو نعرے ہم گلا پھاڑ' پھاڑ کر بڑے جذباتی انداز میں لگا رہے ہیں۔ کل ہمیں خود بخود اعتراف کرنا پڑے گا:

"جس کشمیر کو خون سے سینچا ـــــــ وہ کشمیر ہندوستان کا ہے۔"
یہ مُلک بھارت کا ہے ـــــــ اس کا فیصلہ مرکز کرے گا۔"

کشمیر کا فیصلہ کون کرے گا ——— نہرو کرے گا' اندرا کرے گی' راجیو کرے گا"



(پنڈت نہرو' راجیو گاندھی ' اندرا گاندھی)

کشمیری عوام کے مقدر میں لیڈرانِ قوم کے ہاتھوں جو دھوکہ اور فریب لکھ دیا گیا تھا وہ دھوکہ اور فریب اِن نعروں میں بھی ظاہر ہو گیا چنانچہ حسبِ منشاء محاذ رائے شماری کے کنوینشن کا آغاز کیا گیا اور محاذ کے صدر مرزا محمد افضل بیگ نے اپنے صدارتی خطبے میں فرمایا :

"... مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے مرکز کے ساتھ ہماری جو بات چیت جاری ہے۔ اِس کے نتائج لوگوں کے سامنے رکھ کر ان کی تائید حاصل کی جائے گی۔

اِس بات چیت میں ابتداء سے ہی فریقین اس بات کے قائل ہیں کہ مسئلہ کا ایک ایسا حل تلاش کیا جائے جس کی تائید عوام کی اکثریت کرے' وزیر اعظم کی خواہش بھی یہی ہے کہ کوئی قابلِ قبول حل نکل آئے ــ بلاشبہ انھیں کچھ دقتیں پیش آئیں گی اور ہم اُن دقتوں سے واقف ہیں لیکن ہماری مشکلات بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ اس لئے حل تلاش کرنے کے دوران ریاستی عوام کی طرف سے توازن رہے۔ اگر یہ توازن نہیں رہا تو انصاف اور انسانیت کے اصولوں کی قدردانی نہیں ہوگی۔ ہم سمجھتے ہیں ہر مرحلے پر ہمیں پاکستان کی رائے معلوم کرنی پڑے گی تاکہ کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ رائے شماری ایک ذریعہ ہے۔ لیکن میری رائے میں درپیش حالات کو سامنے رکھ کر ایک ہی طریقۂ کار پر بضد رہنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ لوگوں کی رائے کسی اور منصفانہ طریقے سے دریافت کی جا سکتی ہے۔ آزاد کشمیر ہماری ریاست کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اس لئے ریاست کو سیاسی مصلحتوں کے تحت تقسیم کرنا مذموم ہے.....

آزاد کشمیر میں مقیم پندرہ لاکھ بھائیوں کو بھی اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا موقعہ دیا جانا چاہیئے۔"

جس وقت مجاہد منزل میں محاذ رائے شماری کی طرف سے کنوینشن کی یہ کاروائی [جا]ری تھی کالجوں اور اسکولوں کے طلباء محاذ رائے شماری کے خلاف ایک جلوس نکال کر [مظ]اہرہ کر رہے تھے اور مسئلہ کشمیر کا واحد حل اقوام متحدہ کی قرار دادوں کی روشنی میں ایک [آ]زادانہ رائے شماری قرار دے رہے تھے۔ پولیس جہاں ان طلباء پر لاٹھی چارج کر رہی [تھ]ی وہاں محاذ رائے شماری کے پالتو غنڈے ان پر پتھراؤ کر رہے تھے اور انھیں بھگانے [کی] کوشش کر رہے تھے۔

۷ رجولائی کو محاذ رائے شماری کی طرف سے لال چوک میں ایک عوامی جلسہ ہوا۔ اِس [ج]لسے کے متعلق "آزادی کی تلاش" کے مصنف محمد فاروق رحمانی کا کہنا ہے:

"رائے شماری کے نعرے سے علی الاعلان دست بردار ہونے کے باوصف اب بھی پارٹی کے قائدین نے پارٹی کا نام تبدیل نہیں کیا' انھوں نے آنے والی اندرا عبداللہ معاہدے کے وجود میں آنے تک اس مقبولِ عام نام سے حاصل ہونے والے فوائد سے خود کو محروم کر دینا ڈپلومیسی کے خلاف تصوّر کیا.....

شیخ عبداللہ کے صاحبزادے شیخ فاروق نے کہا۔

"آزاد کشمیر کے حالیہ دورے میں میں نے ان لوگوں کو بتایا کہ نئی دہلی کے ساتھ [شی]خ صاحب جو بات چیت کر رہے ہیں اس میں اُن کا بھی خیال رکھا جائے گا۔"

برطانیہ سے آئے ہوئے میرپوری حضرات نے لال چوک کے اسٹیج سے دھمکی دی [کہ] اگر شیخ عبداللہ اور دہلی کی بات چیت ناکام ہو گئی تو وہ گوریلا جنگ لڑیں گے۔ مذاکرات [کی] ناکامی کی صورت میں ہم تلوار اٹھانے پر مجبور ہوں گے۔"

پتہ نہیں ان معصوم میرپوری بھائیوں کو کیسے یقین آیا تھا کہ مرکز اور ریاست کی بات [چی]ت کا نتیجہ کشمیر کی آزادی کی صورت میں ظاہر ہوگا ــ آخر میں اس ساری شعر و شاعری [کا] مقطع مرزا افضل بیگ نے یہ جملہ ادا کر کے لکھا کہ "اِن نوجوانوں کی تقریروں کا سنجیدہ [نو]ٹس نہ لیا جائے کیونکہ یہ جذباتی نوجوان ہیں۔"

لال چوک کے اس عوامی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے فرمایا :

"مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے بات چیت ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے۔

وزیر اعظم نے ہمیں مسئلہ حل کرنے کی دعوت دی اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم یہ دعوت قبول نہ کریں۔ اس بات چیت کے نتیجے میں جو بھی حل نکل آئے گا۔ وہ عوام کے سامنے رکھوں گا۔ آپ کو اختیار ہو گا کہ آپ اسے قبول کریں یا مسترد۔ میں آپ کے سامنے یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مرکز کے ساتھ اصولوں پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی یہ بات چیت اقتدار کے حصول کے لئے ہو رہی ہے....

میرے نزدیک اقتدار کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر یہ اقتدار اصولوں کے بیچ حائل ہو۔"

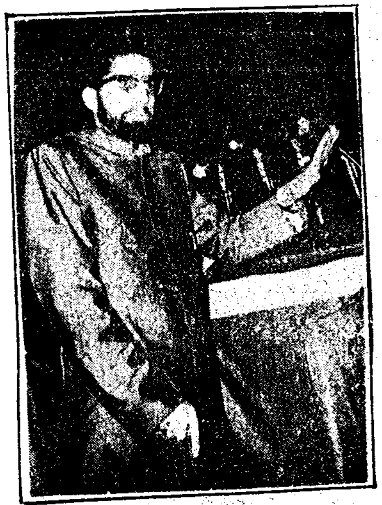
محاذ رائے شماری کے اس کنونشن کے اختتام پر کئی روز تک اس کا چرچا رہا مرکزی سرکار نے لال چوک کے جلسے میں میرپوری بھائیوں کی تقریر۔ اور اُن کے لب و لہجے کا سنجیدہ نوٹس لیا۔ حالانکہ مسز اندرا گاندھی بخوبی جانتی تھی محاذ رائے شماری کی طرف سے کنونشن منعقد کرنا اور میرپوری بھائیوں کو لندن سے لاکر یہاں سرینگر میں ان کی نمائش کرانا محض ایک ڈراما ہے اور کچھ نہیں ـــ یہ حسب روایت کشمیری عوام کو ایک فریب میں مبتلا کرنا ہے۔ کیونکہ اقتدار کی منتقلی کے بارے میں بات چیت مکمل ہو چکی ہے ـــ مگر ہندوستان کی اپوزیشن کا خیال کر کے مسز اندرا گاندھی کو لال چوک کی تقریر پر احتجاج کرنا پڑا۔

پاکستان کے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ نے مجوزہ اندرا عبداللہ پیکٹ کے خلاف بیانات جاری کئے اور اس پیکٹ کا توڑ کرنے کے لئے پاکستان سرکار کی طرف سے عوامی ایکشن کمیٹی کے صدر مولوی فاروق کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ میرواعظ مولوی فاروق کے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے مولوی رشیدالدین اور صفدر علی شاہ کو سرینگر بھیجدیا گیا۔ ان دو افراد نے مولوی فاروق کے ساتھ معاملات طے کئے تو عوامی ایکشن کمیٹی کی طرف سے اندرا عبداللہ پیکٹ کی مخالفت کا پروپیگنڈا شروع کیا گیا۔

۱۲ جولائی کا دن بطور احتجاج منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس روز حضوری باغ میں ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا گیا۔

مجلس عمل کے سربراہ میرواعظ مولوی فاروق نے جامع مسجد سے خانیار اور

ڈلگیٹ کے راستے حضوری باغ تک ایک بہت بڑے جلوس کی رہنمائی کی۔ جس میں قریباً ڈیڑھ لاکھ لوگوں نے شرکت کی، جلوس میں مولوی خاندان کے حامیوں کے علاوہ ان لوگوں نے بھی شرکت کی جو محاذ کے موقف تبدیل کرنے پر ناراض تھے۔



(میرواعظ مولوی فاروق)

ادھر مولوی فاروق ایک کھلی گاڑی میں عوام کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے بیچ میں حضوری باغ کی طرف رواں دواں تھے۔ اُدھر شیخ عبداللہ اپنی کوٹھی کے لان میں اضطرابی کیفیت میں گزر رہے تھے، وہ لان میں پڑی کرسی پر کبھی اُٹھتے اور کبھی بیٹھتے ـــ اُن کی بے قراری کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک لمحہ بھی ایک جگہ ٹکتے نہیں تھے۔ اس وقت ان کے ساتھ عبدالسلام سابقہ چیف انجینئر، شیخ نذیر احمد، نظام الدین بانڈے اور محمد یوسف ٹینگ تھے۔

حاضرین محسوس کر رہے تھے کہ شیخ صاحب بڑی اضطرابی حالت میں کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد حلقہ پریزیڈنٹ امیرا کدل عبدالرشید ٹینچو، حسن پاچہ اور رحمٰن سوداگر کو لے کر آ گیا تو شیخ صاحب گرجتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئے۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ تمھارے ہوتے ہوئے اتنا بڑا جلوس کیسے منظم ہو سکا تم نے کہا تھا کہ اس جلوس کو تو ہٹہ ہی میں تتر بتر کیا جائے گا۔ پھر یہ کیسے وہاں سے روانہ ہوا ـــ تم شراب میں مست کہاں پڑے تھے۔ جو یہ اتنا بڑا جلوس بغیر کسی رکاوٹ کے یہاں تک پہنچ گیا۔ جاؤ دفع ہو جاؤ۔ اب میرا منہ کیا تک رہے ہو ـــ اپنی منحوس شکل مجھے مت دکھاؤ ـــ سانپ نکل گیا۔ اب جاکر لکیر پیٹو!"

اتنی ساری ڈانٹ کھانے کے بعد رشید ٹینچو، حسن پاچہ اور رحمٰن سوداگر یہاں سے منہ لٹکائے چلے گئے۔ حلقہ پریزیڈنٹ جوان کو ڈھونڈ لانے گیا تھا۔ یہیں رہ گیا۔

حضوری باغ میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے مولوی محمد فاروق نے شیخ عبداللہ پر عوام سے دھوکہ کرنے اور مرکز کا آلہ کار بننے پر کڑی تنقید کا ہدف بنایا اور رائے شماری کو مسئلہ کا حل قرار دیا۔ اُنھوں نے محاذ کے لیڈروں پر الزام لگایا کہ جب تک انھیں رائے شماری کے لئے محنتانہ ملتا رہا۔ وہ اس کی وکالت کرتے رہے جب یہ محنتانہ بند ہوگیا۔ تو انھوں نے اس مسئلہ کی وکالت بند کر دی۔

مولوی فاروق ابھی حضوری باغ میں تقریر کر ہی رہے تھے کہ نوہٹہ میں فساد شروع ہوگیا۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے ملحقہ علاقوں میں پھیل گیا۔ یہ فساد کئی دنوں تک جاری رہا اور اس میں فریقین کے بہت سارے لوگ زخمی ہوگئے۔ شہر کا ماحول کشیدہ ہوگیا۔

مولوی فاروق کے الزامات کا شیخ عبداللہ نے ۱۳ جولائی کو مزار شہداء پر جواب دیا:

"...... یہ کہنا غلط ہے کہ ہم نے رائے شماری کا موقف ترک کیا ہے۔ البتہ ہم کہتے ہیں کہ اگر رائے شماری نہیں ہوسکتی تو دوسرا باعزت تصفیہ ہونا چاہیئے اگر اس سلسلے میں کوئی متبادل حل نکل سکتا ہے تو اس پر غور کرنے کے لئے ہم تیار ہیں۔ یہ کہنا کہ پاکستان یا کوئی دوسرا کشمیر کے سوال کا فریق ہے۔ غلامانہ ذہنیت کی عکاسی ہے۔ کشمیر ہمارا ہے اور ہم ہی اس کے فریق ہیں۔"

مرزا محمد افضل بیگ نے مولوی محمد فاروق کے اس الزام کی تردید کی کہ محاذ اپنے موقف سے منحرف ہوگیا۔ کوئی انحراف نہیں ہوا ہے بلکہ خود عوامی ایکشن کمیٹی ہی منحرف ہوگئی ہے۔ شیخ صاحب کا مطالبہ یہ ہے کہ پہلے ۱۹۵۳ء کی پوزیشن بحال کی جائے اور پھر اُن قوانین کا جائزہ لیا جاسکتا ہے جو بعد میں ریاست پر لاگو کئے گئے ہیں۔ تصفیہ سے پہلے پاکستان سے رائے لی جائے گی۔

بیگ صاحب نے مزید کہا۔" عوامی ایکشن کمیٹی اور جماعتِ اسلامی دو متضاد خصوصی جماعتیں ہیں۔ کشمیر پولیس ہمارے اِن مخالفین کی حمایت کرتی ہے اور شہر کے فسادات روکنے کی کوئی کوشش نہیں کرتی۔"

ایک ہی اسٹیج پر محاذ رائے شماری کے ان چوٹی کے لیڈروں نے ایک ہی وقت میں پاکستان کو مسئلہ کا فریق بھی مانا اور فریق ہونے سے انکار بھی کیا، حتیٰ کہ جس نے پاکستان کے فریق ہونے سے صاف انکار کیا انھوں نے حالیہ لال چوک کی تقریر میں کہا تھا۔ مسئلہ کشمیر حل کرنے کے دوران

کستان کے مفاد کا پورا خیال رکھا جائے گا۔ دراصل محاذ کے اِن لیڈروں کے دلوں میں وٹ بھری تھی۔ اسی کے کارن نہ صرف وہ علیٰحدہ طور پر بلکہ ساتھ ساتھ بھی متضاد باتوں کا ملا اظہار کر رہے تھے۔

اِسی دوران وزیرِاعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹّو نے لاہور میں ایک عوامی جلسے سے خطاب ماتے ہوئے کشمیر کے بارے میں کہا:

"اگر کشمیر کے بارے میں ہندوستان اور شیخ عبداللہ کے درمیان کوئی ناپسندیدہ فیصلہ ہوا تو پاکستان اس کا پابند نہیں ہوگا اور ایسے کسی فیصلے سے ریاست کی متنازعہ حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور نہ ہی اس سے پاکستان اپنا موقف ترک کریگا کشمیر کا سوال آزاد اور غیر جانبدار رائے شماری سے طے ہو سکتا ہے۔"

پاکستانی وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹّو کی اس تقریر کے بعد عوامی مجلس عمل اور جماعت لامی نے محاذ رائے شماری کے بدلتے رنگ و روپ کو ملامت کا ہدف بنایا۔ جماعتِ اسلامی مجلسِ شوریٰ کی میٹنگ طلب کی اور اندرا عبداللہ معاہدے پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مسلسل چار روز تک اُنھوں نے ریاست کی سیاسی صورت حال پر بحث و مباحثہ کیا اختتام پر پریس کے نام ایک بیان جاری کیا۔

"کوئی فردِ واحد کشمیری عوام کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مرکزی مجلس شوریٰ ہندوستان اور پاکستان پر زور دیتی ہے کہ وہ ماہ ستمبر میں منعقد ہونے والی دو طرفہ بات چیت میں عوامی جذبات کا خیال رکھے مسئلہ کشمیر حل کرنے میں عوام کو اعتماد میں لینا بہت ضروری ہے۔"

عوامی مجلسِ عمل، جماعتِ اسلامی، پیوپلز لیگ اور اسلامی اسٹوڈنٹس لیگ نے محاذ ئے شماری کے خلاف ایک طرح کا محاذ کھولا۔ جبکہ محاذ رائے شماری کے لیڈر اپنی اس تنظیم کو انے کی کاروائی میں مصروف رہے۔ اُنھوں نے اقتدار حاصل کرنے کا فیصلہ لیا تھا اور وہ لف اور متضاد بیانات کے گورکھ دھندے میں عوام اور خواص کو اُلجھا کر اپنا کام کرتے رہے۔

دانتوں تلے اُنگلی دبانے والے حیرت ناک وافسوسناک واقعات سے بھرپور" کشمیر کا سیاسی انقلاب" کی پانچویں جلد کا ضرور مطالعہ کریں۔



ریاست کے چالیس سالہ عوامی دورِ حکومت کے

وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ

بائیں سے دائیں :۔ (۱) شیخ محمد عبداللہ (۲) بخشی غلام محمد (۳) خواجہ شمس الدین
(۴) خواجہ غلام محمد صادق (۵) سید میر قاسم (۶) خواجہ غلام محمد شاہ
(۷) ڈاکٹر فاروق عبداللہ ۔





(۱) ڈاکٹر کرن سنگھ ریاست کے پہلے صدرِ ریاست
(۲) گورنر بھگوان سہائے (۳) گورنر ایل، کے جھا
(۴) گورنر بی، کے نہرو (۵) گورنر جگ موہن

اُردو کتابیں، رسائل اور اخبارات جن سے استفادہ کیا گیا

نمبر شمار	نام کتب	مصنف
۱	تاریخ احمدیہ مکمل	ادارہ اشاعتِ انجمن احمدیہ
۲	تاریخ احرار	افضل حق
۳	تاریخ کشمیر	محمد دین فوق
۴	تاریخ اقوام کشمیر	محمد دین فوق
۵	کشمیر	چراغ حسن حسرت
۶	آزادیٔ برصغیر	جانباز مرزا
۷	کشمیر کا گاندھی	پریم ناتھ بزاز
۸	مسلمانانِ کشمیر اور ڈوگرہ راج	ملک فضل حسین
۹	کشمیر ہمارا ہے	غلام احمد کشفی
۱۰	مسئلۂ کشمیر	غلام احمد کشفی
۱۱	گلدستۂ کشمیر	پنڈت ہرگوپال خستہ
۱۲	فغانِ کشمیر	رحمت اللہ خان
۱۳	احرار اور تاریخ کشمیر	تاج الدین انصاری
۱۴	کشمیر کی کہانی	ظہور احمد
۱۵	شیرِ کشمیر	کلیم اختر
۱۶	تاریخ کشمیر	محمد آزاد
۱۷	تاریخ آئینہ دکھاتی ہے	کریم نواز
۱۸	انقلابِ کشمیر	فضل الدین کھٹی
۱۹	تاریخ آزادیٔ کشمیر	میر عالم خان
۲۰	مجاہدینِ کشمیر	محمد یوسف

۲۱	کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد۔	مرزا شفیق حسین
۲۲	مسئلۂ کشمیر	ممتاز احمد
۲۳	آبِ کوثر	شیخ محمد اکرم
۲۴	تاریخ تحریک آزادی	پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی
۲۵	اقبال کا سیاسی کارنامہ	محمد احمد خاں
۲۶	عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن	(ترجمہ) یونس احمد
۲۷	کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی	(") رئیس احمد جعفری
۲۸	قائداعظم کے آخری ایام	کرنل الٰہی بخش
۲۹	شیخ محمد عبداللہ کشمیر اور ہم	عتیق صدیقی
۳۰	کشمیر چھوڑ دو	چوہدری عبدالواحد
۳۱	لیک سیکس سے تاشقند تک	پی این کول بامزئی
۳۲	سرینگر ۱۹۷۵ء میں	شمس کشمیری
۳۳	مارشل لاء سے مارشل لاء تک	سید نور احمد
۳۴	کشمیر ساگا	سردار محمد ابراہیم خان
۳۵	تحدیثِ نعمت	سر ظفر اللہ خان
۳۶	کشمیر کی نزاع	بلراج پوری
۳۷	یادِ ایام	میاں امیر الدین
۳۸	کشمکش	چودھری غلام عباس خان
۳۹	یادِ رفتہ	کرشن دیو سیٹھی
۴۰	آتشِ چنار	شیخ محمد عبداللہ
۴۱	داستانِ حیات	سید میر قاسم
۴۲	تحریک حریت کشمیر جلد ۱-۲-۳	رشید تاثیر

۴۳	کچھ شکستہ داستانیں کچھ پریشاں تذکرے	اشرف عطا
۴۴	کشمیر جل رہا ہے	کرشنا مہتہ
۴۵	آزادی کی تلاش	محمد فاروق رحمانی
۴۶	شیخ عبداللہ کے نقوش	محمد فاروق رحمانی
۴۷	تاریخ تحریکِ اسلامی جموں وکشمیر	عاشق کشمیری
۴۸	یادوں کے آنسو	غلام محمد طاؤس
۴۹	منیر رپورٹ	جسٹس منیر احمد
۵۰	سرگزشت	عبدالمجید سالک
۵۱	شیخ عبداللہ کا بدلتا چہرہ	عبدالعزیز
۵۲	کشمیر کمیٹی کی کہانی	ڈاکٹر مائل
۵۳	فرقہ پرستی کا گڑھ	دیس راج گوئل
۵۴	کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک	خواجہ ثناء اللہ بٹ
۵۵	کشمیر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۷۷ء	صوفی محی الدین
۵۶	تاریخ جنگ آزادی	منشی نصیر الدین
۵۷	پونچھ تاریخ وصحافت کے آئینے میں	خوش دیو مینی
۵۸	معمارِ کشمیر	بنسی نردوش
۵۹	کشمیر چھوڑ دو	غلام محمد صادق
۶۰	عہد و پیماں حضرت بل	غلام احمد مہجور
۶۱	شبستان (ڈائجسٹ)	ادارہ شمع دہلی
۶۲	جموں وکشمیر تاریخی دستاویزات	خواجہ عبدالصمد وانی
۶۳	رسالہ "شیرازہ" (شیر کشمیر نمبر)	کلچرل اکیڈیمی سرینگر
۶۴	غور و فکر	صادق

۶۵	پیغام اور پروگرام	شیخ محمد عبداللہ
۶۶	کشمیر ۔ مسلم نقطۂ نظر سے	مولانا مسعودی
۶۷	کل ہند مسلم کنونشن	چودھری محمد شفیع
۶۸	جولائی ۱۹۳۱ء شہادت تحریر	کمیشن رپورٹ
۶۹	شیخ محمد عبداللہ کی وزارت کے زوال کے اسباب ۔ ایک رپورٹ	
۷۰	مجلس آئین ساز میں تقاریر	شیخ محمد عبداللہ
۷۱	گجندر کمیشن رپورٹ	ٹھاکر اننت سنگھ
۷۲	کارروائی لوک سبھا ۱۹۴۸ء ۔ ۱۹۵۳ء	رپورٹ
۷۳	جس کشمیر کو خون سے سینچا	کشمیر اسٹوڈنٹس اینڈ یوتھ لیگ
۷۴	خطبۂ صدارت مسلم کانفرنس	ایک رپورٹ
۷۵	خطبۂ صدارت نیشنل کانفرنس	ایک رپورٹ
۷۶	سیاسی ڈائری	نور محمد بک سیلرز
۷۷	کشمیر کی سیاسی تحریک	(قلمی) بخشی غلام محمد
۷۸	پولٹیکل ڈائری	(قلمی) مرزا افضل بیگ
۷۹	تحریکِ حریت	(قلمی) پیر افضل مخدومی
۸۰	کشمیر کے سیاسی واقعات	(قلمی) شیخ عبدالحمید
۸۱	نئی سحر	پردیش کانگریس کمیٹی
۸۲	شیخ عبداللہ کی زندگی ایک کھلی کتاب	عابد حسین خان
۸۳	اندرا عبداللہ ایکارڈ	پردیش کانگریس کمیٹی
۸۴	جب الحاق ہوا تھا	محمد شفیع قریشی
۸۵	مسلمانوں کو آخری وارننگ	مسلم یوتھ فیڈریشن
۸۶	جہاد اور فساد میں فرق	〃 〃 〃

۸۷	کشمیر میں انتخابات کا ڈھونگ	محاذ رائے شماری
۸۸	کشمیر اور ہمارا موقف	مولوی محمد فاروق
۸۹	کاروائی مقدمہ بغاوت ۱۹۵۸ء	ایک رپورٹ
۹۰	شیخ محمد عبداللہ کی تقاریر	نیشنل کانفرنس مجاہد منزل سرینگر
۹۱	سیاسی کنونشن جولائی ۱۹۶۸ء	محاذ رائے شماری مجاہد منزل
۹۲	خطبہ استقبالیہ خان عبدالغفار خاں	۔ آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس
۹۳	اندرا عبداللہ ایکارڈ اور شیخ عبداللہ کا رول	۔ پردیش کانگریس کمیٹی
۹۴	آرکائیوز ڈیپارٹمنٹ کی ریکارڈ فائلیں ۱۹۲۴ء تا ۱۹۴۷ء	

(۱) فائل اخبار "الفضل" ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۵ء (۲) فائل اخبار "چٹان" لاہور ۔ مرتب شورش کاشمیری
(۳) " " صداقت ۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۸ء (۴) " ہفتہ وار ہمدرد" سرینگر " پریم ناتھ بزاز
(۵) " " نامکمل ہفتہ وار پاسبان جموں سرینگر (۶) فائل نامکمل ہفتہ وار " صداقت" سرینگر
(۷) روزنامہ "انقلاب" لاہور ۱۹۳۱-۳۲ء (۸) " روزنامہ " آفتاب " سرینگر
(۹) رسالہ " مخزن " لاہور ۱۰" روزنامہ "ہمدرد" سرینگر کشمیر
(۱۱) اخبار " زمیندار " لاہور ۱۲" نامکمل ہفتہ وار " خالد " سرینگر "
۱۳" اخبار " ملاپ " ۱۹۳۱ء دہلی ۱۴" " " " چاند " جموں "
۱۵ اخبار "پرتاپ" ۱۹۳۲ء دہلی ۱۶" " " " انصاف " راولپنڈی
۱۷" اخبار ویکلی " محاذ " سرینگر ۱۸" ہفتہ وار " ملت " سرینگر
۱۹ اخبار " حریت " سرینگر ۲۰" ہفتہ وار " محافظ " سرینگر
۲۱" اخبار "کشمیر" راولپنڈی ۲۲" روزنامہ " نوائے وقت " لاہور ۱۹۶۲ء
۲۳" ویکلی " روشنی " سرینگر ۲۴" "جنگ" روزنامہ " کراچی ۱۹۶۶-۶۷ء
۲۵" ویکلی " آئینہ " سرینگر ۲۶" روزنامہ " مشرق " ۱۹۶۷ء
۲۷" روزنامہ " خدمت " سرینگر
۲۸" روزنامہ "سرینگر ٹائمز" سرینگر ۲۹" پریم کھلاڑی از سردار بدھ سنگھ

BIBLIOGRAPHY

S.No.	Name of the books.	Authors.
1.	Horned moon	Lan Stephens.
2.	Kashmir	M.P.Ferguson.
3.	Capitiva Kashmir	Aziz Beig.
4.	Emergency of Kashmir	Chowdari Mohd Ali.
5.	Things seen in Kashmir	Earnest F.Neve.
6.	Crises in Kashmir	Alastar Lamb.
7.	Memorandum of Kashmir	Chalis Girdleslone.
8.	Pakistan meets Indian Chellenge.	Brigadiar Gulzar.
9.	Jammu & Kashmir Terribories	Drew.
10.	struggle for freedom in Kashmir.	Prem Nath Bazaz.
11.	India Kashmir	Prem Nath Bazaz.
12.	Kashmir in crvcible.	Prem Nath Bazaz.
13.	Azad Kashmir	Prem Nath Bazaz.
14.	Selender War the thread	General Sen.
15.	Peeps at many lands Kashmir	Ken.Mrs.C.S.Brvce.
16.	Danger in Kashmir	Gosef Korbel.
17.	Pakistan and the U.N.	K.Sarwar Hussain.
18.	Two Nations and Kashmir	Lord Bird Wood.
19.	This is Kashmir	Pearcy Gervis.
20.	A History of Kashmir.	P.M.K.Bamzai.
21.	Kashmir in Sunlight and Shade.	Tyndle Bisco.
22.	Travels in Kahmir	Vigne.
23.	My Years with Nehru "Kashmir"	B.N.Malik.
24.	The partian of India	C.M.Philips Mary Do...
25.	Muslim Seperatism in India	Abdul Hamid.
26.	The land of our dreams	Begam Birjees Ganie
27.	Mission with Mount Batten	Campbell Jhonson.
28.	From Memory	Feroz Khan Noon.
29.	India's war on Kashmir	Imrany.
30.	The Road to Kashmir.	James. Milne.

57.	Memories of Richard Nixon President of U.S.A.	Nixon.
58.	Immorable trafic in Women.	Sheikh Ab.Karim.
59.	Kashmir Sold & Cenchese.	M.L.Kapoor.
60.	White paper on Jammu and Kashmir.	Pakistan Governmen
61.	Nehru's Emissaary to Kashmir 1947	Hiralal Atal.
62.	India from Kerzon to Nehru and after.	Durga Dass.
63.	Onwards Kashmir.	A Report on Kashm
64.	Kashmir on open bobk.	A file.
65.	Personal file of Prime Minister of R.C.Kak.	R.C.Kak.
66.	Relief and rehablitation	A confidential fi
67.	Archieves.record files. from 1924-1947.	
68.	Kashmir papers.	M.K.Tang.
69.	Muslim Kashmir Conference	
70.	Newyork times. April 1,1964	
71.	Newyork times. August 15,1965	
	" October 16,1965	
	" October 25,1965	
	" June,3,1966	
71.	Washington Star. September 11,1965	
	" October 16,1965	
72.	London Times. May,7, 1957	
	" June 11,1966	
73.	Daily Telegraph London Jan.13,1948	
	" March 17,1957	
	" Feb. 9 1963	
74.	Sunday ObserverLondon Jan. 7,1964	
75	Economist London Feb.13,1950	
76.	The Times London. October 10,1947	
	" October 25,1947	
	" February 18 ,1950	

31.	The Foundation of Kashmir State.	K M.Panikhar.
32.	An introduction to Kashmir	Manek B.Pithawalla.
33.	Raiders in Kashmir.	Major Gen.Akbar Khan.
34.	Kashmir.	Mannan.
35.	Kashmir and the U.N.	Ramath Ullah Khan.
36.	The Valley of Kashmir.	Sir Walter Lawrence.
37.	The testment of Shaikh-Abdullah.	Petit and petit.
38.	Kashmir a Awakes	Sharma.
39.	Sheikh Abdullah.	Vashishat.
40.	Profiles of Sheikh Abdullah	Faiz Ahmad Aba.
41.	Mahatam Gandhi's last phase part 1 and 2.	Piraylal.
42.	Kashmir Papers.	S.N.Gurto.
43.	Transfer of power Part 9,10,11,and 12.	Lord Mount Battan
44.	Kashmir	Publication Division Government of India.
45.	India and Kashmir Constitutional Aspects.	Ministry of Informat-ion & Broadcasting.
46.	Kashmir Before accession.	A report Kashmir issue.
47.	Conspircy in Kashmir.	G.M.Mir.Monohernath.
48.	Accession of Kashmir to India.	M.C.Mahajan.
49.	Half way to freedom.	Bargrate Brouk while.
50.	Sheikh Mohd Abdullah Political Phonix.	P.N.Koul
51.	The story of Pakistan Army.	Major Gen.Faiz Muqeem
52.	Sardar Petal's Correspondance (1945-1950)	Durga Dass.
53.	Freedom at midnight	Larry Collins and Dominique Lapieree.
54.	Freedom movement in Kashmir Part 1 and 2.	Mohd Yousuf Saraf.
55.	Mr.Dexens's report 1950 on kashmir Issue.	Dexin.
56.	Dr.Frenk Grahams report on Kashmir Issue 1950	Dr.Frenk Graham.

77.	Sunday ExpressLondon	Dec.3,1952.
	"	Dec.2,1962.
78.	Washington post	Dec.21,1962
	"	June 12,1962.
79.	Sunday Calcutta	Dec.19,1982.
	"	Dec.25,1982
	"	June 5,1983
	"	June 11,1983
79.	StatesMan Delhi	March 1,1949
	"	Oct.21,1957
80.	The Statesman Culcutta	Feb.4,1948
	"	Aug.15,1948
81.	The Hindustan Times Delhi	Aug.7,1948
	"	April,27,1964
82.	News Week	Sept.20,1965
83.	Pakistan Times Lahore	Dec.24,1965
84.	Stateman Delhi	Feb.14,1964
	"	April,15,1964
85.	Times of India Bombay	March 2 ,1952
	"	June 7,1962
	"	March 12,1957
86.	The Free Thinker Delhi	June 7,1956
	"	July 21,1956
87.	Dawn Karachi.	Oct.22,1947
	"	Nov.16,1947
	"	Nov.30,1947

.....